

فتاویٰ امیر

مُصَنَّف

حکیم الامت مفتی ابوالحسن علی رضا خان دہلوی مدظلہ العالی

ناشر

مکتبۃ اسلامیہ

۴۰، اردو بازار * لاہور

فتاویٰ نعیمیہ

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد سعید یار خاں نعیمی

ناشر

مکتبہ اسلامیہ

۴۰ اردو بازار لاہور

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔

نام کتاب	قلوئی نعیمیہ (مفتی احمد یار خان نعیمی مدظلہ)
مؤلفہ	حافظ محمد عارف صاحب قاری ٹیپریک ہائی سکول گجرات
صفحات	232
تصحیح کتابت	مولانا محمد اختر رضا القادری
ناشر	مکتبہ اسلامیہ 40- اردو بازار لاہور۔
کمپوزنگ	دوست ورڈ کمپوزرز۔ نیو تارکلی لاہور PH:- 7324782
پرٹرز	پیر بھائی پرٹرز لاہور
تعداد	ایک ہزار

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مکتبہ سنیہ لاہور ریٹ پر

فہرست مضامین فتاویٰ نعیمیہ مکمل

نمبر شمار	مقائد	فتویٰ نمبر
1	آل سے مراد کون ہیں	5
2	مسئلہ تقدیر اور آریہ کار	9
3	کسی کے نام کا جانور پالنا کھانا ہے	19
4	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں	23
5	حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینا کیسا	23
6	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا کہنا کیسا	32
7	خدا فرما چکا قرآن کے اندر میرے محتاج پیرو پیغمبر کا جواب	39
8	قبر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بیان	50
9	جو دفن نہیں کئے جاتے ان سے سوال قبر کس طرح ہوں گے	50
10	حضرت مسیح علیہ السلام کے امین ہونے کے متعلق فتویٰ	51
11	حضرت مسیح علیہ السلام کو افضل الرسل کہنے کا رد	51
12	تہلیل مخصوص کا بیان	57
13	خلفائے راشدین کے مقام کا بیان	58
14	مصیبت میں غیر اللہ کو پکارنے کا حکم	59
15	کسی امتی کو رشک انبیاء کہنے کا حکم	62
16	اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنا کیسا	66
17	خاتم النبیین کے معنی اور تفسیر	68
18	ابلیس کی بیوی اور اولاد کا بیان	70
19	زینحاکا نکاح ثابت نہیں کہنا کیسا وہ قاحشہ تھی کہنا کیسا	78
20	یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی تعظیم کے متعلق فتویٰ	78
21	غیر اللہ کی نذر ماننا کیسا	90
22	بزرگان دین بعد وصال مدد کر سکتے ہیں	97
23	بے نمازی کو گھر میں رکھنا کیسا	11

ب

نمبر شمار	عقائد	فتویٰ نمبر
24	ریل گاڑی میں نماز پڑھنے کا حکم	29
25	دوسرے قوسے میں ہاتھ چھوڑ کر دعا مانگنے کا بیان	55
26	سورتوں کی ترتیب کا فتویٰ سورت چھوڑنے کا بیان	81
27	مصیبت کے وقت نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا کیسا	93
28	لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھنے کا حکم	94
29	آمین آہستہ کہنا چاہیے	96
74	عشاء جماعت سے نہ پڑھنے والا وتر علیحدہ پڑھے	
	امامت	
30	خطبہ لہا پڑھنے والے امام کا حکم	1
31	امام چوری کا اقبالی ہے اس کا حکم	14
32	امام کے فسق پر لوگوں کو آگاہ کرنا کیا	40
33	مغذور امام کا حکم	40
34	امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کی دلیل	95
	تراویح	
35	۲۰ رکعت تراویح کا حکم	61
36	مبالغہ امام کے پیچھے تراویح کا حکم	75
	اذان	
37	اذان طانی کا حکم	13
38	اذان میں انگور لٹے ہوئے کیا	19
39	جس کی اذان کا لفظ صحیح نہ ہو	20
	جمعہ	
40	کیا سلطان کی موجودگی شرط جمعہ میں شامل ہے	42
41	گلوں میں نماز جمعہ کا حکم	49
	نماز جنازہ	
42	مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے	41
43	صحت نماز جنازہ کی شرائط	16
44	تکوین کا احتمال نہ ہو تو مسجد کے برآمدے میں نماز کا حکم	16
45	جوتے پہن کر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم	16

ج

نمبر شمار	عقائد	فتویٰ نمبر
47	بعد نماز مسجد کے دروازے پر نعرہ تکبیر بلند کرنا کیا	8
48	دیوار مسجد سے خارج ہے یا داخل مسجد کی توسیع کا حکم	13
49	مسجد میں چار پائی بچا کر سونا لائٹین جلاتا اور اخبار بنی کرنا کیا	34
50	مسجد کی ہمت پر نماز پڑھنا کیا	36
51	حرم قربانی مسجد میں لگانا کیا	48
52	مسجد کے صحن میں غسل خانہ بنانے کا حکم	67
53	انٹریزی علم دینی مدرسہ میں پڑھانا	2
54	مدارس کے چندہ سے مزدوروں کو اجرت دینا کیا	77
55	نکاح	
55	دولہا سے رقم لیکر شادی پر خرچ کرنا کیا	3
56	حالہ کے نکاح کا حکم	9
57	شیعہ اور سنی کا نکاح حرام	15
58	روافض سے مناکحت دوستی میل جول حرام ہے	23
59	مرتد بعد توبہ بیوی کو نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا	43
60	سنی کا نکاح دیوبندی سے نہیں ہو سکتا	44
61	عورت کے مرتد ہونے سے نکاح کا حکم	46
62	رسوم شادی کے بارے میں فتویٰ	45
63	بوقت نکاح خاوند کی شرائط لکھنے اور پورا نہ کرنے کا بیان	53
64	بانی کا کیا ہوا نکاح بالغ ہونے پر صحیح کر سکتی ہے	54
65	حرمات اور غیر حرمات والی عورتوں کا بیان	56
66	مرزائی حج کے فتح کئے ہوئے نکاح کا حکم	60
67	والدہ کا کیا ہوا نکاح بالغ ہونے پر صحیح ہو سکتا ہے	65
68	جنگی قیدی نو مسلم عورتوں سے نکاح کا حکم	76
69	جبری نکاح کا حکم	79
70	نکاح قاسد اور نکاح باطل کا حکم	83
71	خیار بلوغ کے فتح میں حاکم کے فیصلے کا حکم	84

نمبر شمار	مقائد	فتویٰ نمبر
72	غیر کھو میں نکاح کا حکم	87
73	طلاق 'عدت'	37
74	نشہ میں طلاق دینے سے طلاق کا حکم	64
75	تحریری طلاق کا حکم	69
76	بیوہ کے عدت میں زنا سے حاملہ ہونے کا بیان	71
77	مسخ شدہ کی بیوی کا حکم	72
78	سانسی کی نو مسلم بیوی کے اپنے اسی خاوند کے پاس ہونے کا بیان	80
79	پاگل خاوند سے طلاق لینے کا بیان	82
80	مفقود الخیر کا حکم	85
81	طلاق نامہ میں ایک سال قبل کی تحریر سے عورت کب سے شروع ہوگی	89
82	زبردستی کی طلاق کا حکم	
83	قرآن	
84	قرآن میں جگہ جگہ قسم کا لفظ کیوں استعمال ہوا	18
85	چند آیات کی تفسیر	33
86	قرآن کو ہندی رسم الخط نہیں لکھنا کیا	52
87	محافل چھاپنا کیا	52
88	بیع	
89	صاع کا وزن	4
90	مانع حاصل روایات کا استعمال اور تجارت کرنا کیا	21
91	بیع کے متعلق ایک اہم فتویٰ	47
92	بیوہ کو درخت پر فروخت کرنا کیا	47
93	فصل کاٹنے پر مزدوری فصل سے لینا	47
94	تالاب میں پھل فروخت کرنا کیا	47
	لوٹ ادھار بیچنا کیا	47
	زمین گروی رکھنا کیا	98
	تعزیر	
	تعزیرہ بنانے والے کی امامت کا حکم	6

نمبر شمار	عناوین	فتویٰ نمبر
95	نوحہ کرنے والے تعویذ کی ترغیب دینے والے اور تعزیہ کی تعظیم کرنے والا کا حکم	23
96	مردہ تعزیہ کا حکم، تعزیہ کی اصلیت، عشرہ محرم کس طرح گزارنا چاہیے	38
97	بغیر ماتم فقط تعزیہ کا حکم	88
	وقف	
98	وقف و غصب کا مسئلہ	17
99	ایک بیٹے کے نام جائیداد کرنا ہائی کو محروم رکھنا	22
100	واقف کی شرائط کے مخالف وقف میں کام کرنا کیسا	26
101	وقف کی آمدنی کا استعمال	26
	پردہ، زینت	
102	عورتوں کو کھلی موری والی شلواری پہننا	13
103	عورتوں کا غیر مرد کو دیکھنا	11
104	پاؤڈر سرفنی کا حکم	12
105	بے پردہ عورتوں کو وعظ کرنے والے کا حکم	24
	بیمہ	
106	بیمہ کروانا کیسا ہے	25
	ایصال ثواب زیارت قبور	
107	قبر پر فاتحہ پڑھنا کیسا	19
108	قبر جو منہ پھول چڑھنا کیسا	20
109	تہجد دسواں پائیسواں برسی کے متعلق فتویٰ (کفایت اللہ کا رد)	27
110	مردوں کی فاتحہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام کا کوئی ذکر کرنا کیسا	25
111	فاتحہ اور ختم شریف کا حکم	78
112	نذر کیلئے مقام و وقت مقرر کرنا	91
113	غیر معین عبادت کو معین کرنا	92

نمبر شمار	مقائد	فتویٰ نمبر
	متفرقات	
114	جنگلی کبوتر کھانا کیا	11
115	خرگوش کھانا کیا	18
116	فڈ کی کٹوتی کروانا کیا	30
117	سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی تاریخ	31
118	فوتو بنوانے کا مسئلہ	32
119	کافر کے ہاتھ گوشت بھیجنا کیا مٹھائی بھیجنا کیا اگر بھیجا تو کیا حکم ہے	28
120	ہندوؤں کے جہاز میں سفر کرنا کیا	35
121	دیوبندیوں کو سلام کرنا کیا	44
122	حالمہ گائے کی قربانی	63
123	صرف تہبند سے نماز پڑھنے کا حکم	73
124	رمضان میں اعلانیہ کھانا کیا	86
125	ریڈیو، تار، خطوط، ٹیلی ویژن پر عید کرنا کیا	99
126	تین دن ماتم پر سی کے لئے بیٹھنا کیا	78
127	بعد نماز جنازہ دعا کرنا کیا	78

مکتبہ الشریعہ
لاہور ریٹ پر

عرض ناشر

السلام علیکم اہلکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور عالم ”فتاویٰ نعیمیہ“ آپ کے سامنے ہے یہ کتاب تقریباً ۲۵/۲۰ برس قبل شائع ہوئی تھی پھر اس کے بعد گونا گوں مصروفیات کی وجہ سے اس کی اشاعت معرض عمل میں نہ آ سکی اب ایک طویل عرصہ کے بعد نئی کمپیوٹر کمپوزنگ کروا کے انتہائی دلکش انداز میں پورے اہتمام کے ساتھ شائع کر کے نشنگان علم کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے حضرت حکیم الامت کے ”فتاویٰ“ عالم اسلام میں جو اہمیت اور مقام رکھتے ہیں وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے اور ضرورت تھی کہ ”فتاویٰ نعیمیہ کو بہر صورت شائع کیا جائے اللہ رب العزت کے فضل و کرم، سرکارِ مدینہ ﷺ کی نظرِ رحمت کے صدقہ ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ آپ حضرات فتاویٰ کی اہمیت کے ساتھ ساتھ کتاب کو ظاہراً بھی خوبصورت پائیں گے یقیناً آپ کے جمالیاتی ذوق کی تسکین بھی ہوگی۔ انشاء اللہ

دعا فرمائیں اللہ بزرگ و بڑا سے ہمارے لئے وسیلہ بخشش بنائے۔ آمین
والسلام

افتخار احمد خان مفتی

بی۔ ایس۔ سی۔ ایم۔ اے

مکتبہ اسلامیہ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى خصوصاً على سيد
الانبياء محمد المصطفى وعلى آله واصحابه اجمعين ○

موجودہ زمانہ میں مبارک ہیں وہ ہستیاں جن کی ذات جن کی زبان جن کے قلم
مشعل راہ ہدایت ہیں اور نیک بخت ہیں وہ لوگ جو ان ہستیوں سے وابستہ رہ کر موجودہ
رہبر ملی ہواؤں اور تاریکیوں سے محفوظ ہیں۔ کیونکہ آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں
وہ نہایت ہی خطرناک زمانہ ہے۔ کفر و الحاد بے دینی کی ایسی تیز آندھیاں چل رہی ہیں کہ
ان سے خرمن ایمان سخت خطرے میں ہے۔

سرزمین گجرات خوش قسمت خطہ ہے کہ ہمیشہ سے یہ صوفیاء و علماء کا مرکز رہا اور
حضرت مولانا الحاج حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی کا وجود اہل سنت کے
لئے خدا کی رحمت اور اہل گجرات کے لئے باعث فخر ہے۔ مفتی صاحب چار کام انجام
دے رہے ہیں۔ درس قرآن کریم، تدریس، فتاویٰ، وعظ، درس اور وعظ کا کچھ حصہ کتابی
شکل میں شائع ہو چکا۔ تفسیر نعیمی کے تین پارے آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اسی طرح مواعظ
نعیمیہ کی دو جلدیں آپ کے مطالعہ سے گزر چکی ہوں گی۔ مجھے عرصہ سے فکر تھی کہ
حضرت کے فتاویٰ بھی شائع ہو جاویں۔ مگر ہر کام کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ موقع نہ ملا، ادھر
دشواری یہ پیش آگئی کہ تمام فتاویٰ لکھے نہ گئے۔ سالانہ سینکڑوں فتوے جاری ہوتے
ہیں۔ مگر صرف دو چار قلم بند ہوتے ہیں۔ پھر ان جمع شدہ فتوؤں کا ایک بھاری ذخیرہ چائنگام
(بنگلہ) کے ایک صاحب نے ایسا پسند فرمایا کہ اسے لے کر خود غائب ہو گئے۔ پھر دوبارہ جو
ذخیرہ جمع ہوا اس کا ایک حصہ ایک صاحب نے چھپوانے کے لئے لیا اور گم کر دیا۔ اس سے
ہمت ٹوٹ گئی۔

بڑے فتاویٰ جو رسالہ کی حد تک پہنچ گئے تھے وہ ضرورت زمانہ کو محسوس کرتے

ہوئے علیحدہ علیحدہ کتابی شکل میں چھپوا دیئے گئے۔ چنانچہ سلطنت مصطفیٰ، قمر کبریا، مکرین عصمت انبیاء، رسالہ ہیں رکعت تراویح، رسالہ یکدم تین طلاق، رحمت خدا بوسیہ لولیا، ایک اسلام وغیرہ اسی فتاویٰ کے حصے ہیں۔ جو کتابی شکل میں چھپ کر آپ تک پہنچ چکے۔ اتفاقاً ایک فہرست میں فتاویٰ نعیمیہ کا اشتہار چھپ گیا۔ خلقت نے تقاضوں سے ہمیں سخت پریشان کر دیا کہ فتاویٰ نعیمیہ بھیجو۔ بعض صاحبوں نے قیمت پیشگی بھیج دی۔ اس لئے مجبوراً فتاویٰ جس حل میں تھا اسی طرح بے ترتیب شائع کیا جا رہا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں اور فتوے زیادہ کر کے ترتیب وار شائع ہو گا۔ ناظرین انتظار اور دعا فرمائیے۔

محمد عارف

فارسی ٹیچر پبلک ہائی سکول گجرات

خطبہ جمعہ کا حکم

فتویٰ نمبر ۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں کے پیش امام صاحب سے پہلے ہی لوگوں کو شکایت تھی کہ خطبہ بہت طویل پڑھتے ہیں۔ اب انہوں نے نیا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ خطبہ سے پیشتر اردو زبان میں مضمون خطبہ کے علاوہ دو سری تقریریں شامل کر کے بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لوگوں نے محسوس کیا ہے کہ ان تقریروں میں علماء پر چوٹ طہریہ جملے ذاتی جذبات کا بھی شمول ہے۔ ان تقریروں کے بعد اذان ثانی ہو کر خطبہ شروع کیا۔ مقتدیوں میں اس کا چرچا ہوا۔ یہاں لوگ اکثر نماز جمعہ کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔ اس لئے یہ تاخیر ان کو زیادہ گراں پڑتی ہے۔ متولی اس سے منع کرتے ہیں کہ یا تو بعد عشاء یا بعد جمعہ یہ مضمون بیان کرنا کہ نمازیوں پر بار نہ ہو۔ آیا یہ منع کرنا

درست ہے یا نہیں۔ بیوا تو جروا

عبدالرزاق

مدرسہ محمدیہ راندیریہ رنگون

الجواب

بمعون الملک العلام الوہاب:- امام صاحب کو متولیان مذکورہ کا ان امور سے روک دینا بالکل درست ہے بلکہ ضروری ہے۔ کیونکہ امام صاحب کا یہ طریقہ خلاف شرع ہے۔ خلاف شرع امور سے روکنا بہت ضروری ہے۔ خطبہ نماز سے بڑھا دینا مکروہ ہے۔ حدیث میں سے ان طول صلوة الرجل وقصر خطبة سنة من فقہة فاطیلوا الصلوة واقصروا الخطبة (مسلم) عالمگیری میں ہے۔ الرابع عشر تضعیف الخطبتین بقدر سورة من طوال المفصل ویکرہ التطویل۔ خصوصاً جبکہ مسلمان طوالت سے گھبراتے ہوں۔ واعظ اور ناصح کو ضرور ہے کہ مسلمانوں کی رغبت کا خیال رکھے۔ اتنا دراز وعظ نہ کہے کہ مسلمان گھبرا جائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ لا تمس الناس هذا القرآن (بخاری) لوگوں کو اس قرآن سے گھبرانہ دے یعنی اتنا وعظ نہ کہو کہ لوگ گھبرا جائیں۔ وعظ میں نرمی اور تلطف کا بہت لحاظ رہنا چاہیے۔ کذا فی الہندیۃ۔ لہذا امام صاحب کا یہ طریقہ کہ خطبہ طویل کریں۔ نیز لوگوں کو گھبرا دیں۔ نیز وعظ میں غیظ و غضب سے کام لیں۔ تمام کے تمام خلاف شرع ہیں ان کو خود ہی اس سے احتیاط کرنا چاہیے۔ اگر خود احتیاط نہ کریں تو ان کو روک دینا چاہیے۔ نیز خطبہ اردو یا کسی اور زبان میں عربی کے سوا درست نہیں۔ واللہ اعلم۔

احواج الناس الی حبیب الرحمن

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

۱۹ ذی الحجہ یوم جمعہ مبارک ۱۳۵۷ھ

فتاویٰ نمبر ۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسا مدرسہ قائم کرنا جس میں دینی علوم سکھائے جائیں انگریزی تعلیم نیز صنعت و حرفت و تجارت درستی معاشرت و اخلاق کی تعلیم کا معیار بھی مقرر کیا جائے اور مغربی تہذیب و تمدن سے بچا کر طالب علم کو ایسا بنایا جاوے کہ وہی اور دلیں کا مداح ہو جائز ہے یا نہیں۔ جواب تسلی بخش ہو۔

محمد اکرم عمری مجددی
مہتمم مدرسہ ارشاد العلوم رامپور ریاست

الجواب

بعون الملک العلام الوہاب۔ بقدر ضرورت علم سیکھنا سخت ضروری ہے۔ ضرورت دنیاوی و دینی دونوں کو شامل ہے۔ یعنی دنیاوی و دینی ضروریات جس قدر علم سے پوری ہوں۔ سیکھنا ضروری ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ فیتناول ما ہر دینی کصلوۃ الجنائزۃ وکالصنائع المحتاج الیہا۔ اسی مقام پر ہے۔ واما فرض الکفایۃ فی العلم فهو کل علم لا یستغنی عنہ فی قوام امور الدنیا کالطب والحساب الی ان قال واصل الصناعات والفلاحة کالعیاکۃ والمیاسۃ والعمامۃ۔ علم دین تو ہر مسلمان پر سیکھنا بقدر ضرورت فرض عین ہے۔ انگریزی بھی فی زمانہ ضروری ہو گئی کہ اس سے بہت سی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ صنعت و حرفت بھی اشد ضروری چیزیں ہیں کہ کسب حلال کا حدیث میں تاکیداً حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ مرقات میں اسی کے ماتحت

ہے۔ اذ کسب الحلال اصل الورع و اساس التقویٰ۔ نیز حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قیل یا رسول اللہ ای الکسب اطیب قال عمل الرجل کل بیع مبرور۔ غرضیکہ حلال صنعتیں اور جائز پیشے ضروریات زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی پیشہ بغیر سیکھے نہیں آتا۔ اس لئے اس کا سیکھنا بھی ضروری۔ لہذا ایسی درسگاہ جس میں علوم دینیہ اور علوم انگریزی و صنعت و حرفت کی تعلیم ہو بہت ہی اچھی ہے اور قائم کرنے والا بہت اجر کا مستحق ہے۔ تعلیم انگریزی میں اس بات کا لحاظ رہے کہ طالب علم صاحب دین بنے۔ علی العموم انگریزی دان حضرات میں انگریزیت سرایت کر جاتی ہے کہ وہ دین سے اجنبی تو کیا دین اور اہل دین کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اور جو نقصان کفار نہ پہنچا سکیں۔ یہ نادان دوست پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر خدا نخواستہ یہ صورت ہوئی۔ تو سخت حرام اور اس کی معاونت کرنے والا مجرم ہو گا۔ اگر دین کا صحیح جذبہ رکھتے ہوئے انگریزی تعلیم حاصل کی جاوے۔ تو انگریزی دان دین کو اس سے بہت فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس طرح صنعت و حرفت والا اپنی ضروریات میں دوسروں کس دست نگر نہ ہو گا۔ واللہ اعلم و علمہ عز اسمہ اتم واحکم۔

احمد یار خاں نعیمی اشرفی رضی اللہ عنہ

۱۹ ذی الحجہ یوم جمعہ المبارک ۱۳۵۷ھ

فتویٰ نمبر ۳

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں زید نے اپنی لڑکی کے نکاح میں لڑکے والے سے کہا کہ مہر کے علاوہ بغیر قرض اگر آپ اس شرط پر روپیہ دیں گے تو میں برات کو کھانا کھلا سکتا ہوں ورنہ نہیں یہ روپیہ لینا جائز ہے یا حرام؟

محمد حسین، چانگام

۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

الجواب

بعون الملک العلام الوہاب:- یہ سوال ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ یہ کی شرط پر نکاح کرتا ہے کہ بغیر اس کے ادا کئے نکاح ہی نہ کرے۔ تب تو یہ رشوت ہے اور رشوت لینا حرام ہے۔ در مختار میں ہے۔ اخذ اهل المرأة شیئا عند التسليم فللزواج ان یستردہ لانہ رشوة۔ ردالمحتار میں ہے وکذا لولی انہ یزوجها فللزواج الاسترداد قائما او هالکا لانہ رشوة۔ اور اگر یہ وہ یہ شرط نکاح نہیں ہے بلکہ ویسے دعوت کے لئے مانگتا ہے تو سوال ہے اور مہمانوں کی دعوت اتنی ضروری نہیں کہ اس کے لئے سوال جائز ہو۔ حدیث پاک میں ہے ان المسئلة لا تعمل الا لاحد ثلثة رجل تعمل حمالة فعلت له المسئلة حتی یصیبها ثم یملک ورجل اصابته حائنة او حاجة العدیث۔ فرق دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ پہلی صورت میں تو شوہر وہ یہ واپس لے سکتا ہے۔ کما ذکرنا اور دوسری صورت میں واپس نہیں کر سکتا کہ یہ ایک ہدیہ تھا۔ اگرچہ اس کا مانگنا ناجائز تھا۔ ہاں اگر عرف اس پر قائم ہو کر لڑکے والے بطور خود لڑکی والے کے یہاں کچھ وہ یہ وغیرہ دوسری چیز ہدیہ شادی کے پہلے یا بعد بھیجتے ہوں تو درست ہے کہ ہدایہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وکذا ما یعطیها من ذلک او من دراهم ودينار صبیحة لیلة العروس فان کن ذلک تعورف فی زماننا کونہ ہدیہ۔ واللہ اعلم۔

احوج الناس الی حبیب الرحمن

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

ہاڈی الحجہ یوم پنج شنبہ ۱۳۵۷ھ

فتویٰ نمبر ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نبی کریم ﷺ کے صاع کا صحیح وزن اسی روپیہ سیر سے کیا ہے۔ یا سکہ رائج الوقت سے کتنے روپیہ بھر ہے۔ بینوا تو جروا۔

الجواب

صاع ۴ یعنی ۴ من عربی کا ہوتا ہے اور ایک مد دو رطل کا اور رطل ہیں استار کا اور ایک استار ۴ مثقل کا اور ایک مثقل ۴ ماشہ کا اس حساب سے صاع ۲۹۲ روپے بھر کا ہوا۔ جس کے ۸۰ کے سیر سے تین سیر ۱۰ چھٹانک ۲ روپیہ بھر کا ہوا۔ عالمگیری میں ہے۔ والصاع ثمانية ارطال بالبغدادی والرطل البغدادی عشرون استارا الاستار اربعة مثاقیل ونصف۔ روا المختار میں ہے۔ اعلم ان الصاع اربعة امداد والمد رطلان وبالاستار اربعون والاستار بكسر الهمزة بالمشاقیل اربعة ونصف ہمارے اس حساب سے رطل بغدادی ۳۶ روپیہ چند ماشہ بھر ہوا اور رطل کا صاع ہوتا ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ رطل چالیس روپے بھر کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے صاع ۳۲۰ روپیہ بھر کا ہوا۔ جو کہ ۸۰ سیر سے ۴ سیر ہوا۔ لیکن یہ بات صرف مشہور ہی ہے نہ کہ تحقیقی۔

خیال رہے کہ صاع کے وزن میں اردیا مسور کا اعتبار ہے کہ ان کا وزن گھٹتا بڑھتا نہیں۔ جب گیہوں یا جو سے حساب لگایا جائے گا۔ تو ایک صاع میں وزنی گیہوں زیادہ سائیں گے اور ہلکے کم اسی لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے صاع کا وزن احتیاطاً و تحقیقاً ۲۵۱ روپیہ بھر تجویز فرمایا ہے کہ وزنی سے وزنی گیہوں ایک صاع میں اتنا ہی آسکے گا۔ اس صورت میں زیادہ تو ادا ہو جائے گا مگر کم نہ ہو گا۔ اس لئے مسلمانوں کو

اسی پر عمل چاہیے ردالمحتار میں ہے۔ بناء علی تقدیر الصاع بالماش او المعدس
لما علی تقدیرہ بالعنطة او الشعیر وهو الاحوط فیزید نصف الصاع علی
ذالک فالاحوط اخراج ربع مدشامی علی التمام من العنطة الجيدة۔ اس
تقدیر پر صاع بحساب اسی روپیہ کے چار سیر ۶ چھٹانک ۱ روپیہ بھر ہو گا۔ اسی حساب سے
فطرہ نصف صاع گیہوں دیا جائے یعنی ۵۷ روپیہ اٹھنی بھر۔ واللہ اعلم۔
احمد یار خاں نعیمی غفر عنہ

فتویٰ نمبر ۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ درود پاک میں آل سے مراد اولاد پاک و
ازواج مطہرات و صحابہ کرام و جملہ مومنین ہیں یا صرف اہل بیت رسول کریم ﷺ
نیز یہ بھی تحریر فرمایا جائے کہ اہل بیت رسول اللہ ﷺ میں حضرت علی کریم اللہ وجہ
اور تمام ازواج مطہرات داخل ہیں کہ نہیں۔ بینوا و تو جروا۔

الجواب

لفظ آل کی مراد میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آل سے مراد حضور
ﷺ کی اولاد پاک ہے۔ اور بعض کے نزدیک آل سے مراد اہل و عیال یعنی اولاد
پاک و ازواج مطہرات ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ہر متقی آل ہے۔ اور بعض کے نزدیک ہر
مومن آل رسول اللہ ﷺ ہیں قرآن کریم نے فرعون کے متبعین کو آل فرعون
فرمایا ہے۔ اشعة الممعات میں ہے۔ ال دجل اهل و عیال وے را گویند۔ معنی اتباع
نیز آمدہ و ظاہر آنست کہ مراد در حدیث۔ معنی اتباع باشد و بعض آل را تفسیر باہل بیت
کنند۔ معنی کے کہ صدقہ برا و حرام است۔ حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے۔ اختلفوا فی الال

من هم قيل من حرمت عليه الزكوة كبنی هاشم وبنی المطلب
والفاطمة والحسن والحسين وعلى وقيل كل مومن في اله صلى الله
عليه وسلم وقال الشيخ عبدالحق ان ازواجه صلى الله عليه وسلم داخله
في هذا الخطاب وال ايضايجئ بمعنى الاتباع وبهذا المعنى ورد الى كل
مؤمن ومال اليه مالک ورحمته النووی فی شرحه المسلم بہتر یہ ہے کہ
درود پاک میں آل سے مراد عامہ مسلمین لئے جاویں کہ یہ معنی سب کو شامل ہے اور
رحمت الہی بھی شامل۔ ہم بلاوجہ حجرات واسعا کے کیوں مصداق بنیں۔ صحیح یہ ہی
ہے کہ اہل بیت رسول اللہ حضور کی اولاد پاک و ازواج مطہراتہ کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اہل
بیت کے لغوی معنی ہیں گھروالے۔ اور گھر دو طرح کے ہیں۔ خانہ ولادت و خانہ سکون
اولاد خانہ ولادت والے ہیں اور ازواج خانہ سکونت والے اور بیت اس جگہ مطلق ہے۔
تو حضور کی اولاد پاک یعنی فاطمہ زہراء حسنین کریمین و دیگر اولاد پاک نیز حضرت علی و
ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم اجمعین سب ہی مراد ہوں گے۔

اشتہ اللغات میں حضرت شیخ علیہ الرحمۃ آیت انما یرید اللہ لیذهب
عنکم الرجس اہل البیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ”و حق آنست کہ ازواج
مطہرات نیز داخل اس خطاب اند زیرا کہ مسوق آیہ قرانیہ منادی است بدخول۔“ مرقاۃ
المفاح میں حدیث عترتی و اہل بیتی کے ماتحت ہے۔ اراد بذالک نسلہ
وعصابتہ الاذنین وازواجہ اشتہ اللغات میں ہے۔ فخر رازی گفتہ کہ اولی آنست کہ
گفتہ شود اہل بیت ازواج اولاد آنحضرت اند۔ قرآن کریم کی ایک سورۃ کا نام آل عمران
ہے اس سورت میں عمران کی بیوی حسنہ اور بیٹی مریم دونوں ہی کا قصہ مذکور ہے۔ معلوم
ہوا کہ لفظ آل بیوی و اولاد کو شامل ہے۔ واللہ اعلم

احمد یار خان غفرلہ

فتویٰ نمبر ۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ہر سال ماہ محرم میں تعزیہ بناتا ہے اور کبھی امامت بھی کرتا ہے۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تم تعزیہ بنانا چھوڑ دو۔ وہ کہتا ہے۔ کہ میں منع ہوں۔ اپنی صنعت دکھاتا ہوں۔ تعزیہ نہیں بناتا ہوں تو کیا یہ عذر صحیح ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

الجواب

اگر تعزیہ میں جاندار کی تصویر نہ ہو بلکہ صرف روضہ مطہرہ امام الشہداء رضی اللہ عنہما کا نقشہ ہو تو اس کا بنانا درست ہے۔ کیونکہ جاندار کی تصویر بنانا شرعاً حرام ہے اور غیر جاندار کی مباح۔ مسلم، بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی۔ کہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل مصور فی النار یجعل لہ بکل صبورة صورتاً نفساً فیعذبہ فی جہنم قال ابن عباس فان کنت لابد فاعلا فاصنع الشجرة وما لا روح فیہ روا المختار میں ہے۔ الاجماع علی تحریم تصویر الحیوان فصنعتہ حرام بکل حال۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ غیر جاندار کا نقشہ بنانا درست ہے۔ لہذا شخص مذکور اگر ایسا تعزیہ بناتا ہو جس میں کوئی تصویر نہ ہو تو جائز ہے اور اس کے پیچھے نماز بھی درست ہے ورنہ نہیں، تعزیہ بنانا اور چیز ہے اور تعزیہ داری کچھ اور، تعزیہ داری میں چونکہ باجہ کھیل کود اور فضول خرچی ہوتی ہے اس لئے حرام ہے اور چونکہ تعزیہ بنانا ان باتوں سے خالی ہے۔ اس لئے جائز ہے۔ مروج تعزیہ داری حرام ہے اور صرف نقشہ بنانا جائز۔ واللہ اعلم

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سرائے بیگم کی مسجد میں اب تک نمازی بہت ہی کم آتے تھے۔ اب دو ہفتہ سے نوجوانان محلہ نے اس کی کوشش کی کہ جو بالغ ہو اس کو نماز میں شرکت ضرور کرنا چاہیے۔ اس قسم کی پنچایت کی ہے۔ لہذا ہر نماز پنجگانہ کے بعد باہر دروازہ مسجد پر نعرہ تکبیر بلند آواز سے لگاتے ہیں تا کہ نمازیوں میں نماز کا ذوق پیدا ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ صبح و عشاء کی نماز کے لئے صلوٰۃ و سلام سے لوگوں کو بیدار کرتے ہیں۔ درمیان میں تکبیر کہتے جاتے ہیں۔ نیز بعض حضرات پیش امام بعد فرائض پنجگانہ کے قدرے بلند آواز سے کلمہ طیبہ تین بار مع مقتدیوں کے پڑھتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ پڑھنا منع ہے تین و چوں سے۔ اول یہ کہ بدعت ہے۔ دوسرے یہ کہ ذکر بالہر ہے جو ممنوع ہے۔ تیسرے اس سے دعا طویل ہو جاتی ہے۔ جو منع ہے۔ دلائل درست ہیں یا نہیں۔ بینواتو جروا۔

الجواب

یہ تمام کام جائز ہیں۔ نعرہ تکبیر بلند آواز سے کہنا تو جائز ہے کہ یہ ذکر الہی ہے اور جب نماز کا ذوق پیدا کرنے کے لئے ہو تو اور بھی بہتر ہے قرآن کریم میں ہے۔ فاذکروا اللہ قیامًا وقعودا وعلیٰ جنوبکم۔ اس آیت کریمہ میں ہر حال میں ذکر الہی کا حکم دیا گیا۔ نماز سے پہلے یا نماز کے بعد کی قید نہیں اس تکبیر کو روکنا ایک خیر کو روکنا ہے۔ جو بالکل غیر مناسب ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ قیل لابی حنیفۃ ینبغی لاهل الکوفۃ وغیرہا ان یکبروا ایام العشر فی الاسواق والمساجد قال نعم قال الفقیہ ابو جعفر والذی عندی انه لا ینبغی ان تمنع العامة عنه لقلۃ رغبتہم فی الخیر و بہ ناخذ۔ (باب صلوٰۃ العید میں) نیز نماز کے لئے صلوٰۃ و سلام سے بیدار کرنا

بہتر کام ہے کہ درود و سلام خود بہت عمدہ کام ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ پھر اس میں نماز کی اطلاع جسے تشویب کہتے ہیں۔ نہایت بہتر کام ردالمحتار میں ہے۔ احدث المتأخرون التثویب بین الاذان والاقامة علی حسب ما تعارفوا فی جمیع الصلوات سوی المغرب وماراہ المسلمون حسنا فهو عند اللہ حسن اطلاع نماز کے لئے کوئی خاص الفاظ شرعیہ مقرر نہیں جن کے سوا سے تشویب نہ ہو۔ بلکہ جو اہل عرف مقرر کر لیں۔ ان ہی سے تشویب ہے لہذا ان لوگوں نے جب صلوٰۃ و سلام کو اطلاع کے لئے مقرر کر لیا۔ تو یہی تشویب ہو گئی۔ ردالمحتار میں ہے۔ کتنصح او قامت قامت او الصلوٰۃ الصلوٰۃ ولاحد ثوا اعلاما مخالفا لذلک جاز اسی طرح بعد فرائض پنج گانہ کلمہ طیبہ بطریقہ مذکورہ پڑھنا جائز ہے۔ اس کی اصل سنت سے ثابت ہے اس سے منع کرنا جہالت ہے۔ ان تینوں اعتراضات کی بنا وہم باطل پر ہے۔ یہ کس طرح بدعت ہو سکتا ہے۔ مسلم بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمایا۔ کنت اعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالتکبیر۔ معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ اور صحابہ کرام بعد فرائض باجماعت اس قدر آواز سے تکبیر دمانے تھے جس سے اطراف کے گھر والوں کو ختم نماز کی خبر ہو جاتی تھی۔ نیز ذکر بالجر مطلقاً ممنوع نہیں قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ فاذکرو اللہ کذا ذکرکم اباءکم او شد ذکرکم یعنی جیسے تم موقع حج پر جمعوں میں اپنے خاندان کے مناقب گایا کرتے ہو اس طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ خدا کا ذکر کیا کر۔ حدیث پاک میں وارد ہوا وان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منه متفق علیہ جس سے صاف معلوم ہوا کہ ذکر بالجر بہتر ہے۔ البتہ اگر ذکر بالجر میں ریا کا خوف یا نمازی یا سونے والے کو تکلیف ہو تو آہستہ بہتر ہے۔ اسی توجیہ پر آیت ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ۔ اور حدیث خیر الذکر الخفی وغیرہ محمول ہوں گی۔ ورنہ بالجر ہی افضل ہے کہ اس

سے بہت فائدے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس سے قلب زندہ ہوتا ہے مسلمانوں کو ذکر کی رغبت ہوتی ہے اور شیطان دفع ہوتے ہیں۔ رد المحتار میں ذکر بالجر والنجفی کے بارے میں فرماتے ہیں۔ لانه حيث خيف الريا او تاذى المسلمين او النيام فان خلا مما ذكر فقال بعض اهل العلم ان الجهر افضل لانه اكثر علما۔ ولتعدى الفائدة الى السامعين ويوقظ قلب الذاكر ويطرد النوم ويزيد النشاط۔ اجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها الا ان يشوش جهرهم على قائم او معص او نائم اگر ذکر بالجر مطلقاً منع ہو تو نماز میں قراۃ بالجر اذان و تکبیر تلبیہ حج تمام اس قسم کے اذکار منع ہو جائیں گے کہ یہ سب ذکر بالجر ہیں نیز یہ کہنا کہ دعا دراز ہو جاتی ہے، غلطی ہے۔ ذکر کی ہوئی حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نماز کے بعد تکبیر فرماتے تھے۔ نیز مسلم و بخاری کی روایت ہے۔

كان يقول صلى الله عليه وسلم في دبر كل صلوة مكتوبة لا اله الا الله وحده لا شريك الخ ہاں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کہ اذا سلم لم يقعد مقدار ما يقول اللهم انت السلام ومنك السلام الخ نیز در مختار کا یہ مسئلہ کہ یکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اللهم انت السلام الخ سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان میں بجز ان کلمات کے زیادہ توقف نہ کرے۔ ورنہ مکروہ ہوگا۔ لیکن اس سے یہ مقصد نہیں کہ مطلقاً زیادتی کرنا مکروہ ہے۔ اگرچہ دو چار الفاظ ہی کی ہو بلکہ زیادہ دیر لگانا منع ہے۔ اور لمبی چوڑی دعائیں اور اذکار۔ ورنہ احادیث میں تعارض واقع ہوگا۔ شامی میں ہے۔ وقول عائشة بهذا لا يضيد انه كان يقول بذلك بعينه بل كان يقعد مقدار ما يسه ونحوه من القول تقرباً فلاننا في ما في الصحيحين من انه صلى الله عليه وسلم كان يقول في دبر كل صلوة مكتوبة لا اله الا الله الخ لهذا یہ تمام امور جائز بلکہ بہتر ہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی لڑکی اور عمرو کا لڑکا ان دونوں میں ناجائز تعلق پیدا ہوا۔ جس سے لڑکی حاملہ ہو گئی۔ چھ ماہ کے بعد فریقین کے والدین کو خبر ہوئی۔ نیز لڑکی حاملہ ہونے کی خبر ہوئی۔ والدین موجودہ حالت میں اس لڑکے کی شادی اس مذکورہ لڑکی سے کر سکتے ہیں یا نہیں۔ بیواؤ تو جروا

الجواب

یہ نکاح بھی جائز ہے اور بعد نکاح وطی بھی درست۔ اس لئے کہ یہ حمل زنا ہے۔ اس کی موجودگی میں نکاح جائز ہوتا ہے۔ ہاں اگر زانی کے سوا کسی اور سے نکاح ہوتا تو نکاح تو درست ہوتا۔ مگر وطی جائز نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ نکاح خود زانی سے ہوا ہے لہذا بعد نکاح وطی بھی درست ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وصح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیرہ وان حرم وطؤها ودواعیہ حتی تضع۔ اسی ردالمحتار میں ہے۔ لونها الزانی حل لہ وطؤها عالمگیری میں ہے وقال ابوحنیفہ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ یجوز ان یتزوج امراة حاملۃ من الزنا ولا یطؤها حتی یضع وفي مجموع النوازل اذا تزوج امراة قد زنی ہو بها وظهر بها حبس فالنکاح جائز عند الکس وله ان یطأها عند الکس۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جو لپاچ اور ٹاپینا ہے۔ ہر طرح کی تکلیف میں مبتلا ہے۔ تو اس سے کوئی نافرمانی ہوئی ہے۔ جس کی یہ سزا ہے آریہ کہتا ہے کہ اس لڑکے نے پہلی جون میں قصور کئے تھے۔ جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ اس پر مسئلہ تقدیر پیش کیا گیا مگر وہ نہیں مانتا۔ اس کا جواب کیا ہے۔ بنیاد تو جروا۔

الجواب

آریہ جس کا دعوے ہے کہ ہر جاندار موجودہ زندگی سے پیشتر دسری زندگی میں تھا اس پر اس دعویٰ کی دلیل لانا ضروری ہے۔ جب تک کہ کچھلی جون دلیل سے ثابت نہ کرے۔ تو موجودہ تکالیف کو اس کی سزا کس طرح کہہ سکتا ہے۔ آریہ کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں لہذا اس کا دعوے محض باطل ہے۔ آریہ کا دعوے تلخ قدم عالم پر موقوف ہے اور قدم عالم کا خود ہی ثبوت نہیں۔ تو تلخ قدم کس سطح پر جے گا اور اگر حسب عقیدہ آریہ کے عالم کو قدم فرض کیا جائے اور ارواح و مادہ کو اندی یا قدم مان لیا جائے تو صلح کا وجود (ایشور کی ہستی) کے ثبوت پر کیا دلیل ہوگی۔ بلکہ ایشور کا وجود محض وہی ہو جائے گا۔ نیز جب روح و مادہ قدم تو یہ تینوں یعنی ایشور روح و مادہ باہم مساوات رکھتے ہیں۔ تو ایشور کی ان پر حکومت کیسی؟ اور ایشور کیوں ان کا حاکم بن بیٹھا اور اپنی مرضی کے خلاف کرنے پر روح و مادہ کو جو اس سے مستغنی ہے۔ مجرم کیوں قرار دیتا ہے۔ اور اگر بے وجہ حکومت کرتا ہے تو ظالم ہے۔ نیز آواگون ماننے کی تقدیر پر انقلاب حقیقت جو کہ محال ہے لازم آئے گا۔ یعنی ایک روح جب جسم انسانی میں تھی تو وہ ناطقہ تھی بعد میں وہی روح جو جسم ہمارے میں آگئی ناطقہ بن گئی۔ وہو محال۔ نیز روح کو اجسام ملنا محال پر موقوف ہے۔ اور اعمال بغیر جسم نہیں ہو سکتے۔ لہذا اور لازم آئے گا۔ نیز اس

تقدیر پر خدائے پاک محض مجبور ہو گا نہ کہ فاعل مختار کہ روح اور مادہ جب خلی ہوں اور مادہ روح کے اعمال کے مطابق ہو تو اس میں خلط کر دے۔ ورنہ نہیں۔ حالانکہ ہم کو اپنی مملوکت میں ہر طرح کا اختیار ہوتا ہے۔

دام تکلیف و مشقت کے سزا میں منحصر ہونے پر کون سی دلیل ہے۔ کیا ضروری ہے۔ کہ ہر تکلیف سزا ہی ہو۔ محنتوں کے اسباب کبھی وجوہ سابقہ ہوتے ہیں اور کبھی مصلح لاحقہ ایک بچہ کو مکتب بھیجتے ہیں۔ اور دن بھر پابند کر کے پڑھنے کی محنت ڈالتے ہیں۔ اس کو آزادی اور لذات دنیا سے محروم کر دیتے ہیں۔ تمام باتیں مشفق ماں باپ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ تو کون عاقل کہے گا کہ یہ اس کے گزشتہ گناہوں کا بدلہ ہیں۔ بلکہ حقیقت میں وہ آنے والی زندگی کی راحت کا پیش خیمہ ہیں۔ اسی طرح کسان دن بھر دھوپ میں جلتا ہے قیدیوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ مشقتیں کرتا ہے یہ کس جرم کی سزا ہے۔ علاوہ ازیں وید میں دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے اگر وید خدا کی کتاب ہے۔ تو تلخ باطل ہو گیا۔ کیونکہ جب راحت و تکلیف کا مدار نیک و بد اعمال پر ہوا تو پرارتھنا (دعا) ایک لا حاصل چیز رہ گئی اور اگر پرارتھنا کام کی چیز ہے تو تلخ باطل۔ نیز سب سے اچھے لوگ جیسے وہ لوگ جن پر وید اترا۔ ان کو دنیا میں ایسی جزاء ملنی چاہیے تھی کہ اس میں کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ حالانکہ دنیا میں ایسی زندگی کسی کی نہیں۔ جو خالص عیش کی ہو۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غنی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر عورتیں شلوار پہنتی ہیں۔ جس کی موری چوڑی ہوتی ہے۔ کہ پاؤں اٹھاتے وقت پنڈلی کھل جاتی ہے۔ آیا اس طرح کی شلوار جائز ہے یا کہ نہیں اور عورت کی پنڈلی کا کیا حکم ہے؟

الجواب

عورت کی پنڈلی ستر عورت ہے۔ جس کا چھپانا نماز و خارج نماز واجب ہے۔ حتیٰ کہ تنہائی میں بھی بلا ضرورت کھولنا جائز نہیں۔ در مختار میں ہے۔ و وجوبہ عام ولو فی الخلوة علی الصحیح الا لفرض صحیح۔ رد المحتار میں ہے۔ ای اذا کان خارج الصلوٰۃ یجب المستر بعضرة الناس اجماعا وفی الخلوة علی الصحیح۔ لہذا شلوار پہننے میں عورت کو چاہیے کہ یا تو پانچہ کی موری تنگ رکھے یا بہت زیادہ خیال رکھے کہ پنڈلی کھلنے نہ پائے ورنہ گنہگار ہوگی۔ شلوار سے اگر یہ نقص دور کر دیا جائے تو دیگر ان تنگ چٹے ہوئے زنانہ پائجاموں سے بہتر ہے۔ جن میں بدن کا حجم معلوم ہوتا ہے کہ وہ پائجامہ پوری طرح ستر کا فائدہ نہیں دیتے اور ان پائجاموں پر سے بھی اجنبی شخص کو عورت کا حجم دیکھنا حرام ہے۔ رد المحتار میں ہے۔ رویۃ الثوب بعیث یصف حجم المضموم مینوعۃ ولو کشیفا لا تری البشرة منه۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کا غیر مرد کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز جنگلی کبوتر کھانا حلال ہے یا حرام؟ اور ان کا شکار جائز ہے یا نہیں۔ نیز بے نمازی کو گھر میں رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ بنیو اتو جروا۔

الجواب

جس طرح مرد کو اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔ اسی طرح عورت کو جائز

نہیں کہ وہ اجنبی مرد کو دیکھے۔ فانہ لا امن فی الزمان من الفتن امام احمد و ترمذی و ابو داؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ جس میں حضور انور ﷺ نے ان کو اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے پردہ کا حکم فرمایا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ وہ ثابتاً ہیں۔ ہمیں دیکھتے نہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم دونوں بھی ثابتاً ہو کیا تم بھی انہیں نہیں دیکھتیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتنبوا منہ فقلت یا رسول اللہ ایس ہوا معنی لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقمیوا انتما الصتما تبصرانہ (مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ) اس حدیث کی شرح میں علامہ علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔ قیل فیہ تعزیم نظر المرأة الاجنبی مطلقاً وبعض خص خوف الفتنة علیہا۔ لہذا عورت کو جائز نہیں کہ اجنبی مرد کو دیکھے۔ واللہ اعلم۔

نمبر ۲ کیوتر خواہ جنگلی ہو یا پلاؤ حلال ہے اور اس کا شکار جائز۔ پرندے وہ حرام ہیں جو پنجہ سے شکار کرتے ہوں اور کیوتر ایسا نہیں ہے۔ در مختار میں ہے۔ لا یصل فوناب یصید بنابہ او منقلب یصید بمعنلبہ ای خلفہ فخرج نحو الحمامۃ۔ واللہ اعلم۔

نمبر ۳ اگر غالب گمان یہ ہو کہ بے نمازی کو گھر سے علیحدہ کرنے سے اس کو نصیحت ہوگی۔ اور وہ نماز کا پابند ہو جائے گا۔ تب تو ضرور بالفرد اس کو علیحدہ کر دیا جائے اور اگر خیال ہو کہ گھر میں رکھنے سے ممکن ہے کہ ہم لوگوں کی صحبت سے نماز کا پابند ہو جائے گا اور گھر سے نکل دینے میں آزاد ہو کر اور زیادہ حالت تباہ ہو جائے گی تو نہ نکالا جائے اور براہ نری و مہربانی سے نماز کی ہدایت اسی طرح جاری رہے کہ اس کی طبیعت میں ضد پیدا نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۱۲

کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر عورت پوڈر کلپ سرخی وغیرہ لگا کر نماز پڑھے تو جائز ہے یا نہیں اور شریعت نے اس کو حلال کیا ہے یا حرام؟

الجواب

اگر مذکورہ چیزیں نپاک ہیں تو ان کا جسم پر لگانا ہی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ نماز میں جس میں جسم تو کیا کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ اور اگر پاک ہیں تو اگر یہ چیزیں چہرے کی رنگت ہیئت کو بدلتی ہیں تو اس کا استعمال مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ مثلہ ہے جس کی ممانعت آئی ہے۔ حتیٰ کہ تیمم کرنے والے کو حکم دیا گیا کہ وہ مٹی کو چہرے پر اس طرح نہ لگائے کہ جس سے ہیئت چہرہ متغیر ہو جائے در مختار میں ہے۔ لکن لا ینبغی التیمم بہ قبل خوف وقت لئلا یصیر مثلہ بلا ضرورۃ رد المختار میں ہے کہ لا یتلطح بوجہہ فیصیر مثلہ اور اگر اس سے چہرے کی رنگت و ہیئت میں کوئی فرق نہیں آتا تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان کی خوشبود وغیرہ اجنبی مرد کو محسوس نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین و مفتیان کبار اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے یا نہیں۔ اذان ثانی جمعہ بھی اس میں داخل ہے یا نہیں۔ حضور پر نور ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں یہ اذان کہاں ہوتی تھی۔ اگر قیام مؤذن کے لئے مشرقی دیوار میں دروازہ کے جانب شمالی طاق بنا دیا جائے جس میں اذان ہو۔ جیسا کہ سید حضرت مولانا موابی حافظ محمد نعیم الدین

صاحب ناظم انجمن اہل سنت مدظلہ العالی نے مسجد و مدرسہ انجمن بنایا۔ یہ مطابق سنت ہے یا نہیں۔ اور دیوار مسجد سے خارج ہے یا نہیں۔ اگر یہ ہی مطابق سنت ہے تو رسم و رواج پر چلنا کیا ہے۔ بیواؤ تو جروا۔

الجواب

ہر اذان خواہ جمعہ کی ثانی ہو یا اول یا اذان پنج و تہ ہو۔ خارج مسجد ہونی چاہیے۔ مسجد میں مکروہ ہے عالمگیری میں ہے۔ وینبفی ان یؤذن علی ما ذنتہ او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ یہ حکم تمام اذانوں کے لئے ہے۔ ہاں اس اذان اور دیگر اذانوں میں اتنا فرق ہے۔ کہ یہ اذان بالکل خطیب کے سامنے ہو۔ کما ہو مصرح فی عامۃ کتب الفقہ ابو داؤد جلد اول میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الزوراء حضور کے زمانہ اقدس و زمانہ ستخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں یہ اذان دروازہ مسجد پر جو منبر کے مقابل ہے ہوتی تھی۔ جب اس لڑان کا خارج مسجد ہونا احادیث سے ثابت اور مسجد میں اذان مکروہ تو اس کے مقابل عوام کے رسم و رواج پر چلنا جمل و غلط ہے۔ اور یہ مسلمان کی شان سے بعید ہے۔ واللہ اعلم۔ عمارت مسجد میں تبدیل یا تغیر صرف بنائے مسجد یا ضرورت شدید کے لئے چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ کسی اور مقصد کے لئے نہیں کر سکتے۔ لہذا اذان کے لئے دیوار مسجد میں طاق بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ تبدیل دیوار مسجد کی مصلحت کے لئے نہیں بحر کتاب الوقف میں ہے مگر ہوا احداث الطاقات فی المسجد اسی بحر کتاب الوقف میں ہے۔ لیس للمدرس فی المسجد ان یجعل من بیتہ باباً الی المسجد وان یجعل ادی ضمان نقصان الجدار۔ مسجد میں بغیر نفع درخت لگانا بھی منع ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ ویکرہ غرس الشجر فی المسجد الا ان یکون فیہ للمسجد۔

در مختار میں ہے۔ ویکره غرس الاشجار الا لرفع لتقلیل نزد تکون للمسجد حضرت قبلہ عالم سیدی حضور صدر الافاضل دامت برکاتہم العالیہ نے تعمیر مسجد ہی کے وقت اس شرقی دیوار میں طاق اذان کی نیت سے رکھا تھا۔ یہ کسی عمارت کی تعمیر نہیں۔ اسی طرح جتنی مسجدیں بنائی جاویں۔ اور ان میں بوقت بنا اذان کی جگہ بشکل طاق بنا دی جاوے تو جائز ہے اور اس میں اذان درست ہے کہ یہ اذان مسجد میں نہیں ہے اور نہ طاق میں تعمیر بنا ہے۔ بعد تکمیل طاق بنانا بغیر ضرورت مجوزہ ناجائز ہے۔ اگر کسی مسجد کے بناتے وقت دیوار مسجد یا سقف پر امام کے لئے مکان بنا دیا۔ یا زیریں حصہ میں منافع مسجد کے لئے تہ خانہ بنایا تو جائز ہے۔ اور بن چکنے کے بعد بنانا جائز۔ بحر الرائق میں ہے ضمن بنی بیتا علی جدار المسجد وجب ہدمہ اسی تحریر میں ہے۔ لوینی بیتا علی سطح المسجد یکن للامام فانه لا یضر فی کونہ مسجداً لانه من المصالح فان قلت لو جعل مسجداً ثم اراد ان یبنی فوقہ بیتا للامام وغیرہ حل ذلک ان کان بناہ حلی بینہ وبين الناس ثم جاء بعد ذلک لا بترکہ واذا قال عنیت ذالک فانه لا یصدق فاذا کان هذا فی الواقف فکیف بغیرہ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۱۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے چوری کی جس کا وہ خود اقبالی ہے لب اگر زید امام ہے۔ تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور زید امامت کے لائق ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ چوری ایسی ہے جس پر شرعاً "چوری کی تعریف صادق آتی ہے اور اس سے اب تک وہ شخص تائب نہیں ہوا تو فاسق ہے۔ اس کو امام بنانا مکروہ۔ ردالمحتار میں ہے۔
ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزانی واکسر الربوا ونحو ذالک۔ کر میں ہے۔ وکراه امامة العبد والاعرابی والفاسق۔ در مختار میں ہے۔ ویکره امامة عبد واعرابی وفاسق۔ واللہ اعلم۔
احمد یار خاں عثمانی

فتویٰ نمبر ۱۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شیعہ نے اپنے کو سنی المذہب ظاہر کر کے ایک سنی لڑکی سے دھوکہ دے کر نکاح کر لیا۔ اور اپنے گھر لے جا کر بطریق شیعہ نکاح کیا مگر خفیہ۔ جب ماہ محرم آیا۔ تو لڑکی کو تیرہ پر مجبور کیا۔ انکار پر لڑکی کو سخت مارا پیٹا لڑکی نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ مجبوراً میکہ پہنچا دیا اور یہاں آکر لڑکا پیدا ہو گیا۔ لہذا سوال یہ ہے کہ آیا نکاح درست ہوا یا نہیں۔ اگر نہیں تو بغیر طلاق دوسرے شخص سے نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب

تبرائی رافضی مرتد ہیں۔ ہندیہ میں ہے۔ ویجب اکفار الروافضی ان قال وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین۔ اور مرتد کے ساتھ نکاح باطل محض ہے۔ عالمگیری احکام المرتدین میں ہے۔ ومنها ما هو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا يجوز له ان يتزوج امرأة مسلمة ولا مرتدة

ولاذمیت در مختار میں ہے۔ ویبطل منه اتفاقاً النکاح والذبیحة والصید والشهادة والارث لہذا یہ نکاح درست نہیں ہوا۔ اور جب نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق کی کیا حاجت۔ مگر مناسب یہ ہے کہ عورت اس رافضی کو نوٹس دے کہ میں سنی المذہب ہوں۔ تو نے سنی بن کر مجھے دھوکہ دے کر نکاح کیا۔ بعد میں مجھے رافضی پر مجبور کیا اور ایذا میں دیں۔ چونکہ تو تیرائی رافضی ہے۔ اس لئے میرا نکاح تیرے ساتھ مذہب اہل سنت کی رو سے صحیح نہیں ہوا۔ لہذا میرا تیرا کوئی تعلق نہیں۔ میں اپنی مرضی سے جہاں چاہوں گی نکاح کروں گی۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غنی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں۔
نمبر ۱ صحت نماز جنازہ کی کیا شرائط ہیں؟

نمبر ۲ تلویت کا احتمال نہ ہو تو مسجد کے برآمدے میں جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

نمبر ۳ عام راستہ پر جہاں لوگوں کی ہر وقت آمد و رفت رہتی ہو۔ اور نجس ہونے کی صورت میں جوتے پہن کر نماز جنازہ پڑھنا از روئے شریعت کیسا ہے۔ بیوا تو جروا۔
از رنگون برما

الجواب

صحت نماز جنازہ کی کل چھ شرطیں ہیں۔ میت کا اسلام، میت کی طہارت، میت کا نمازی کے سامنے رکھا ہوا ہونا، یعنی کندھوں یا سواری پر نہ ہونا، جنازہ کا موجود ہونا، امام کا

بالغ ہوتا درختار میں ہے۔ وشرائطها ستة اسلام المیت وطهارتہ وبلوغ الامام وشرطها ایضاً حضورہ ووضعه وکونه امام المصلی۔

نمبر ۲ نماز جنازہ مسجد جماعت میں مطلقاً مکروہ ہے خواہ ٹکڑ کا احتمال ہو یا نہ، حتیٰ کہ اگر میت خارج مسجد اور نمازی مسجد میں ہوں جب بھی مکروہ ہے درختار میں ہے۔ وکراهت تعریماً فی مسجد جماعة هوای المیت فیہ واختلاف فی الخارجیة والمنعثار الکراهة مطلقاً بناء علی ان المسجد بنیت للمکتوبة وتوابعها۔

نمبر ۳ عام راستہ پر نماز جنازہ مکروہ ہے۔ رد المحتار میں ہے۔ وتکروه فی الشارع وارض النمس۔ اور اگر نجس زمین پر جوتا پہن کر نماز جنازہ پڑھی تو نہ ہوئی اور اگر جوتا اتار کر اس پر کھڑا ہو گیا تو ہو گئی۔ اس لئے پہلی صورت میں جوتا لباس مصلی ہے۔ رد المحتار میں تعریف لباس اس طرح فرمائی ہے۔ مالا یس البدن قد دخل القطنصوة والخف والنعل اور لباس نجاست اور مصلی کے درمیان آڑ نہیں بن سکتا کہ بدن کے تالغ ہے اور جب اتار دیا تو علیحدہ چیز ہو گئی اور علیحدہ چیز نجاست سے آڑ ہو سکتی ہے۔ رد المحتار میں ہے۔ علمت مما قد مناه عن الفتح عدم اعتبار هم الحائل المتصل حائلاً لتبعية المصلی ولذا لوقام علی النجاسته وهو لابس خفالم تصح صلوته ہندیہ میں ہے۔ ولو خلع نعلیه وقام علیہا جاز سواء کان ما بلی الارض منه نجسا او طاهراً اذا کان ما یلی القدم طاهراً۔

واللہ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم واحکم

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مدرسہ

اسلامیہ کی جو تختہ اراضی موقوفہ پر (بذریعہ دستاویز رجسٹری شدہ مدرسہ و تعلیم اسلامی کے لئے وقف کی گئی ہے) مقامی و غیر مقامی عامۃ المسلمین کے چندہ سے تعمیر یا توسیع کرائی گئی ہو۔ اور خالص مقصد تعمیر اس کا عربی و اسلامی تعلیم کے لئے ہو۔

نمبر ۱ ایسی عمارت جو اراضی موقوفہ پر تعمیر یا توسیع یا ترمیم چندہ عام سے کرائی گئی ہو۔ از روئے قانون شریعت مقدسہ تعریف و حدود وقف میں شمار کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

نمبر ۲ اگر کوئی مسلمان جس نے مہتمم اور تنخواہ دار ملازم ہونے کی حیثیت سے چندہ فراہم کر کے عمارت تعمیر کرائی ہو۔ اس کو اپنی ذاتی جدوجہد کی طرف مخصوص و محدود کر کے اپنے کو اس کا بانی اور اس کے نظم و نسق کا مالک و مختار قرار دے اور بصورت مقصد تعلیم فوت ہونے کے عامۃ المسلمین کی مداخلت اور وقف کی مخالفت میں حاکم وقف کے سامنے بصورت انکار وقف اپنا بیان داخل کرے۔ تو وہ از راہ شرع شریف غاصب کے حکم میں آسکتا ہے یا نہیں؟

نمبر ۳ اصطلاح شریعت میں قطع نظر وقف و غصب کے کوئی تیسری صورت بھی حقوق اراضی و عمارت کی مسلمانوں کے لئے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔ جزاکم اللہ خیراً

(از بریلی)

الجواب

عمارت مذکورہ وقف ہو گئی۔ کیونکہ کسی وقف میں اضافہ یا توسیع کے لئے چندہ طلب کیا جاتا ہے۔ تو ہر شخص اس کے معنی یہی سمجھتا ہے کہ یہ اضافہ وقف میں شامل ہو گا اور دینے والا اسی نیت سے دیتا ہے۔ یہی معروف ہے۔ والثابت بالعرف کالثابت بالنص کما فی الرد المحتار۔ اسی راہ المختار میں ہے۔ العادة محكمة ان الفاظ الواقفين تبني على عرفهم۔

نمبر ۲ سوال اول کے جواب میں معلوم ہو چکا کہ وقف میں جو اضافات کئے جاتے ہیں وہ اصل وقف کے حکم میں ہوتے ہیں۔ چندہ جمع کرنے والے اس کے مالک نہیں ہو جاتے کہ مالکانہ تصرف ان کے لئے روا ہو سکیں۔ حتیٰ کہ اگر متولی اپنے مال خاص سے بھی وقف میں کوئی اضافہ کرے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ خواہ اس نے یہ اضافہ بہ نیت وقف کیا ہو۔ یا بغیر نیت وقف۔ بجز اس کے کہ اضافہ کے وقت اپنے لئے نیت کی ہو اور اسی وقت اس پر گواہ بھی کر لئے ہوں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ تو وہ مال وقف ہے۔ ہندیہ میں ہے۔ متولی وقف بناء فی عرصۃ الوقف فهو للوقف ان بناء من مال الوقف او من مال نفسه نواه للوقف اولم ينوشینا وان بناء لنفسه واشهد علیہ کان له واللہ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم واحکم۔

احمد یار خاں غنی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن کریم میں قسم جگہ جگہ کیوں ارشاد ہوئی ہے۔ کیا خدائے قدوس کے فرمان کا بغیر قسم کے اعتبار نہ تھا۔

نمبر ۲ شیعہ لوگ خرگوش کو حرام کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی ماہ کو حیض آتا ہے۔ کیا اہل سنت کے پاس کوئی دلیل ہے۔ جس سے اس کو کھا جاتے ہیں؟ کیا حضور ﷺ نے کھایا ہے؟ بینوا تو جروا۔

از ضلع حصار

الجواب

قرآن کریم میں جو قسمیں یاد فرمائی گئی ہیں۔ ان میں بہت سی حکمتیں ہیں اولاً "یہ کہ

قرآن کریم زبان عرب میں نازل ہوا۔ اور اثبات مطالب میں حلف کا طریقہ عرب میں مروج ہے۔ امام فخر الدین رازی نے فرمایا۔ **والقرآن انزل بلفظ العرب واثبات المطالب بالحلف واليمين ما لوفه عند العرب نیز جھوٹی قسموں سے رب بہت ڈرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ جھوٹی قسمیں کھانے والا ضرور برباد ہوتا ہے۔** قرآن پاک میں قسمیں ذکر فرمائیں اور دین اسلام براہِ ترقی میں رہا۔ یہ عرب کے لئے دلیل ہے کہ یہ مضمون صحیح ہے۔ ورنہ خود تمہارے اعتقاد کے بموجب قسموں کے مؤکد کرنے کے بعد اس کا رواج روز بروز کیسے بڑھتا رہا۔ نیز قرآن میں قسم فرمانے میں منقسم بہ کی ایک گونہ عزت افزائی بھی ہے۔ کہ یہ اشیاء عند اللہ ایسی معظم ہیں کہ ان کی قسم فرمائی گئی۔ ان کے علاوہ اور بہت سی حکمتیں ہیں۔ جن کو اسلاف کرام نے اپنی تصانیف میں بیان فرمایا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ قسموں کا قرآن کریم میں ذکر فرمانا مومنین کے رفع شکوک کے لئے نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور حکمتیں ہیں۔

نمبر ۲ خرگوش حلال ہے۔ صحابہ کرام نے اس کا شکار کیا۔ حضور سید عالم ﷺ نے اس کے گوشت کا ہدیہ قبول فرمایا اور صحابہ کرام کو اس کے کھانے کا حکم دیا۔ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ قال انضبعنا اربنا بمر الظهران فاخذتها فاتيت بها ابا طلحة فذبحها وبعث الى رسول الله صلى الله عليه وسلم بوركها وفخذيها فقبله اشبه اللغات میں ہے۔ پس معلوم شد کہ خرگوش کہ آل را ارنب گویند حلال است و در ہدایہ گفتہ است کہ لا باس باكل الارنب زیرا کہ آنحضرت ﷺ وقتیکہ بہد یہ فرستادہ شد نزدی امر کرد اصحاب را بخوردن آن۔ در مختار میں ہے۔ وحل غراب الذرع والارنب والمعلق۔ بحر میں ہے۔ وحل الارنب لانه عليه الصلوة والسلام امر اصحابه ان ياكلوه حين اهدى اليه مشويا ولانه ليس من السباع ولا ياكل الجيف فلا شبهه الطيبی۔ جب احادیث صریحہ سے اس کی حلت ثابت ہو گئی۔ تو حیض آنے یا نہ

آنے کا ذکر ہی بیکار ہے۔ وساوس شیطانیہ کے دفع کرنے کے لئے یہ عمل بہت مجرب ہے۔

نوٹ درود شریف ۷ بار، استغفار ۱۱ بار، کلمہ شہادت ۱۰ بار، آخر میں درود شریف ۱۱ بار۔ یہ سب تصور معنی کے ساتھ پڑھے جائیں۔ بتوفیقہ تعالیٰ اوہام شیطانیہ سے نجات ہو گی۔

فتویٰ نمبر ۱۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنا، کسی کے نام پر جالور پالنا، قبر جو منا، پھول چڑھانا، اذان میں انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

الجواب

یہ امور مسئلہ مستحب اور حدیث سے ثابت ہیں۔ فاتحہ میں تلاوت قرآن اور صدقہ یا ہدیہ کا ایصال ثواب ہے۔ یہ مسلمان کا مضبوط عقیدہ ہے۔ جس پر بکثرت نصوص شرعیہ ناطق ہیں۔ صدقات کو مزارت پر لے جانے سے وہاں پر خدام و فقراء کو دینا مقصود ہے جو صاحب قبر سے مناسبت رکھتے ہیں۔ خواہ ان صدقات کو فاتحہ پڑھنے کے بعد لے جائیں یا وہاں لے جا کر فاتحہ پڑھیں یا برنائے حسن اعتقاد مجاورین مزار سے فاتحہ پڑھا دیں بہر حال وہاں کے مجاورین کے لئے صدقات لے جانے پر اعتراض نہیں۔ کیونکہ اہل حاجت و استحقاق کی طرف صدقات و ہدایا کی نقل شریعت نے ممنوع نہیں فرمائی۔ بلکہ میت کے ساتھ مناسبت رکھنے والوں کے پاس صدقات کا بھیجنا حضور ﷺ کے عمل مبارک سے ثابت ہے۔ حضرت ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد آپ اکثر بکری ذبح فرماتے اور اس کا گوشت ان پاک بیویوں کے پاس بھیج

دیتے۔ جو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر رہا کرتی تھیں۔
مسلم و بخاری میں ہے۔ **وَرَبِمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يَقْطَعُهَا أَعْضَاءَ ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِي صَدَائِقِ خَدِيجَةَ** اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اس قسم کا کھانا ان لوگوں کو بہتر ہے۔ جس سے میت کو محبت و انسیت ہو۔ یہی قبر پر لے جانے کا مقصد ہے۔

نمبر ۲ سائل کے سوال میں کسی بزرگ کے نام کا جانور چھوڑا جاتا ہے۔ اولاً "تو چھوڑا جانا ایسا لفظ ہے جو کوئی مسلمان کسی جانور کے لئے ایسا لفظ بولتے ہی نہیں۔ یہ وہابیہ کی خاص ایجاب ہے۔ ہندو جس جانور کو بتوں کی طرف نسبت کر کے آزاد کر دیتے ہیں کہ نہ اسے کوئی ذبح کر سکتا ہے۔ نہ مار سکتا ہے نہ اپنے کھیت میں سے باہر نکال سکتا ہے اور یہ ان کا طریقہ عبادت ہے۔ اس جانور کے متعلق کہتے کہ یہ جانور فلاں بت کے نام پر چھوڑا ہوا ہے۔ معاذ اللہ کوئی مسلمان یہ نیت کر کے نہیں چھوڑتا بلکہ وہ تو کوئی جانور اس لئے پالتا ہے کہ تاریخ مقررہ پر اس کو ذبح کر کے کھانا پکا کر فلاں بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کرے گا۔ اور مسلمانوں میں اس کو تقسیم کرے گا۔ اس طرح اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا اس پر بزرگان دین کا فاتحہ کرنا جائز اور یہ ذبیحہ درست ہے۔ اس کا گوشت حلال و طیب ہے۔ کیونکہ جب خدا کے نام پر ذبح کیا گیا، تو حلال ہوا۔ ذبح سے پہلے اس کو کسی کی طرف نسبت کرنا اس کو حرام نہیں کر سکتا۔ ورنہ دنیا میں کوئی جانور بھی حلال نہیں ہو گا۔ کیونکہ عام طور پر جانور کو مالک کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ زید کی گائے، عمر کی بکری، خدا بخش کا اونٹ کہتے ہیں۔ اسی طرح عقیقہ کی بکری۔ قربانی کی گائے عام طور پر بولا جاتا ہے۔ کیا یہ تمام جانور حرام ہوں گے۔ ہرگز نہیں، درمختار میں ہے۔ **وَإِنْ ذَكَرَ مَعَ اسْمِهِ تَعَالَى غَيْرَهُ فَإِنْ وَصَلَ كَرَهُ وَإِنْ فَصَلَ صَوْرَةً وَمَعْنَا كَدَعَاءٍ قَبْلَ اضْجَاعٍ وَالدَّعَاءُ قَبْلَ التَّسْمِيَةِ أَوْ بَعْدَ الذَّبْحِ لَا بَأْسَ بِهِ تَفْسِيرَاتُ أَحْمَدِ** میں ہے۔ وما اهل به لغيره معناه ذبح به الاسم لغير الله وقت الذبح۔ اسی تفسیر میں ہے۔ **وَإِنْ ذَكَرَ مَفْصُولًا بَانَ يَقُولُ قَبْلَ التَّسْمِيَةِ وَقَبْلَ أَنْ تَضْجَعَ**

الذبیحة اوبعد لا یاس به من ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولیاء کما هو الرسم فی زماننا حلال طیب لانه لم یذکر اسم غیر اللہ علیہ وقت الذبح ان کانوا ینذرون به کہ اولیاء کی منت کر کے ان کے نام پر جو جانور پالا گیا اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا وہ جائز ہے۔

نمبر ۳ عوام کے لئے یہی بہتر ہے کہ قبر کو نہ چومیں۔ عالمگیری میں ہے۔ ولا یمسح القبر ولا یقبلہ فان ذلک من عادة النصابی ولا یاس بالتقبیل قبر والدیہ اشہد اللغات میں ہے۔ مسح نہ کند قبر را بوسہ نہ دہد آں را و منحنی نشود در روئے خاک نہ مالہ اس علت نصاریٰ است۔

پھول اور چادر بزرگان دین کے مزار پر ڈالنا جائز ہے۔ پھول تو اس لئے کہ وہ ایک تر چیز ہے۔ جس کی تسبیح و تہلیل سے صاحب قبر کو راحت حاصل ہوگی اور زائرین کو خوشبو۔ حضور سید عالم ﷺ نے دو قبروں پر ایک شاخ کے ٹکڑے کر کے نصب فرمادیئے کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں گے خداوند تعالیٰ مدفون پر تخفیف فرمائے گا۔ رواہ ابو داؤد عن ابن عباس۔ روا المختار میں ہے۔ ورد فی الحدیث وضع ذلک للاتباع ویقاس علیہ ما اعتید فی زماننا من وضع اعضاء الاس ونحوہ عالمگیری میں ہے۔ وضع الورود والریاحین علی القبور حسن وان تصدق بقیمۃ الورود کان احسن۔ اور چادر اس لئے کہ اس سے صاحب قبر کی عظمت و وقار مخلوق کے قلب میں پیدا ہوتی ہے۔ نیز اس سے عوام پہچان لیتے ہیں اور جواب و احترام اولیاء کا ہے۔ اس کا لحاظ رکھتے ہیں۔ روا المختار میں ہے۔ مکروہ بعض الفقہاء وضع المستور والعمائم والشیاب علی القبور الصالحین ولکن نقول اذا قصد بہ التعظیم فی عیون العامة حتی لا یحتقروا صاحب القبر کطلب الخشوع والادب للفاقلین الزائرین فهو جائز لان الاعمال بالنیات۔

نمبر ۴ اذان میں حضور ﷺ کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں

سے لگانا مستحب ہے۔ اس کے دینی و دنیاوی فائدے روایات میں مروی ہیں۔ جو شخص اس کا عامل ہو۔ انشاء اللہ امراض چشم سے محفوظ رہے گا۔ حضور ﷺ قیامت میں اس کے شفیع ہوں گے۔ ردالمحتار میں ہے۔ ثم يقول اللهم متعني بالسمع والبصر بعد وضع ظفري الابهامين على العينين فانه عليه السلام يكون قائداً الى الجنة۔ اس کی پوری تحقیق رسالہ مبارکہ منیر العینین میں اور دیگر کتب علمائے اہل سنت میں دیکھو۔ نیز اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۲۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مؤذن اذان میں اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اللہ اکبر کہتا ہے۔ یعنی اخیر جزء میں ایکبر کہتا ہے۔ اس صورت میں اذان صحیح و درست ہوگی یا نہیں؟ اگر نہ ہوگی تو اس میں گناہ بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کیا؟

نمبر ۲ نیز اقامت میں اشہد ان لا الہ الا اشہد ان لا الہ الا کہتا ہے اور لفظ اللہ چھوڑ دیتا ہے یہ اقامت صحیح ہے یا نہیں۔ باوجود اس کے اسے تاکید بھی کی جاتی ہے کہ لذان کے الفاظ صحیح کرو اور پورے الفاظ ادا کرو۔ مگر وہ لا پرواہ ہے اور بے اعتنائی سے کام لیتا ہے۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں اور ایسے شخص کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ بیوا تو جروا۔

از مراد آباد

الجواب

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن لذان صحیح دینے پر قادر ہے کہ پہلی بار تو اللہ اکبر

کہتا ہے۔ اور دوسری بار میں ایکبر یعنی الحان کے لئے ی اکبر میں زیادہ کرتا ہے۔ اس میں کلمات اذان کو بگاڑنا ہے جو سخت منع ہے۔ در مختار میں ہے۔ فلا یقول اللہ اکبر لانہ استفہام وانہ لعن شرعی۔ اسی میں ہے۔ ولا لعن فیہ ای تفن بغير کلمات۔ ردالمحتار میں ہے۔ ای بزیادة حركۃ الحرف او مدا وغیرھا۔ حر میں ہے۔ التلعین هو اخراج الحروف عما یجوز لہ فی الاذاع من تنقیص فی الحروف او من کیفیاتھا او زیادة شئی منها۔ عالمگیری میں ہے۔ ویکرہ التلعین وهو التفن بحیث یودی الی تغیر کلمات۔ لہذا اس مؤذن کو ہدایت کرنا چاہیے کہ اذان درست دے۔ اگر وہ فہمائش پر بھی نہ مانے تو دوسرا درست خوان مؤذن رکھنا چاہیے۔ لیکن چونکہ پورے کلمات اذان ادا ہو گئے اور مقصد اذان یعنی دعوت نماز حاصل ہو گیا اور کوئی اور موجب اعادہ پایا نہیں گیا۔ لہذا اذان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ المقصود الاعلیٰ من الادان شرع الاعلام بدخول اوقات الصلوٰۃ۔ کلمات تکبیر چونکہ پورے ادا نہیں ہوئے۔ بعض کلمات رہ گئے۔ لہذا اس تکبیر کا اعادہ ضروری ہے۔ در مختار میں ہے۔ یجب استکمالہما لموت مؤذن وغشیہ وخرسہ وحصرہ۔ ردالمحتار میں ہے۔ والمراد انہ اذا عرض للمؤذن ما یمنعہ من الاتمام واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں

نمبر ۱ عورت کی صحت کی خرابی یا کثرت اولاد کے خوف سے مانع حمل ادویہ یا

تراکیب کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟

نمبر ۲ مرد یا عورت کی طرف سے ضبط تولید کی کوشش کرنا شرعاً کیا ہے؟

نمبر ۳ مسلمان دوا فروشوں کو اس قسم کی ادویہ وغیرہ فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟
جبکہ اس امر کا احتمال موجد ہے کہ پچھترنی صدی خریدار ناجائز طور پر ان ادویہ کو
استعمال کرنے کے مرتکب ہوں گے۔

از مراد آباد

الجواب

نمبر ۱ کثرت اولاد خدائے قدوس کی نعمت ہے۔ جب تک کہ اس سے کوئی ضرر
مقابل برداشت متصور نہ ہو۔ اس وقت تک اس کو روکنا ناشکری ہے۔ البتہ اگر صحت
حمل کے قابل نہ ہو۔ تو ایسی دواؤں سے استقرار روک سکتے ہیں۔ جن سے قابلیت حمل
بالکل نہ جاتی رہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں یہ عزل کی طرح حمل کو روکنے کی ایک
تدبیر ہے۔ اور عزل توبہ اجازت زوجہ جائز ہے۔ لہذا یہ بھی جائز۔ ابن ماجہ نے حضرت عمر
رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عزل
المرأة الا باذنہا در مختار میں ہے۔ ولا یعزل عن المرأة لکن فی الغانیۃ انه
یباح فی زماننا لفساد الزمان غزل کے معنی ہیں انزال خارج کرنا۔

نمبر ۲ ضرورت شدیدہ کی صورت میں اسقاط حمل جائز ہے۔ جبکہ حمل چار ماہ سے
کم ہو۔ بلا ضرورت سخت جرم ہے اور چارہ ماہ کے بعد چونکہ بچہ میں جان پڑ جاتی ہے۔
اس لئے اس کو ساقط کرنے میں اضاعتہ روح کا جرم ہو گا۔ بجز اس کے کہ عورت کی جان
خطرہ میں ہو۔ اور بجز اسقاط کوئی صورت اس کی جان بری کی نہ ہو۔ در مختار میں ہے۔
قالوا یباح اسقاط الولد قبل اربعة اشهر ولو بلا اذن الزوج۔ شامی میں ہے۔ قال
ابن وہبان فاباحہ الاسقاط معمولۃ علی حالة العذر اسی رد المحتار میں ہے
ومن الاعذار ان ینقطع لبنها ولیس لاب الصبی ما یستاجر به الطئرو تغاف
هلاک الولد در مختار کتاب الکراہیۃ میں ہے۔ وجاز لعذر حین لا یتصور۔

نمبر ۳ ضبط تولید اگر رحم کو خارج کر کے یا رحم کو بیکار کر کے ہو تو ناجائز ہے کہ اس میں عضو کو معطل کرنا ہے۔ اسی وجہ سے مرد کو خسی کرنا یا خسی ہونا حرام ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت چاہی۔ فرمایا گیا۔ یا اباہریرۃ جف القلم بما انت لاقی فاختص علی ذالک اوذر۔ اس کے ماتحت مرقات میں ہے۔ لیس هذا لاذنافی الاختصاص بل توبیخ ولوم علی الاستیذان فی قطع عضو بلا فائده۔ در مختار میں ہے۔ اما خصماء الادمی فحرام۔ اور اگر ضبط تولید اس طرح نہیں بلکہ صرف رحم کا منہ بند کر کے عارضی طور پر حمل کو روک دیا جائے یا کسی خاص تدبیر سے نطفہ کو قائم نہ ہونے دیا جاتا ہو تو ضرورہً جائز ہے۔ صرف اولاد سے بچنے کے لئے ایسا کرنا ناشکری ہے۔ اور بیکار بھی ہے کہ جو روح آنے والی ہے وہ تو آکر رہے گی۔ کما فی الحدیث۔ رد المحتار میں ہے یجوز لہا سدقہ رحمہا کما تفعلہ النساء۔ اس قسم کی دواؤں کا فروخت کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ان کے لئے مصرف حلال موجود ہے اب جو اسے مصرف حرام پر استعمال کرے گا۔ تو وہ خود گنہگار ہو گا۔ نیز خود ان دواؤں سے معصیت قائم نہیں جن سے خود معصیت ہو ان کی بیع ممنوع ہے۔ در مختار میں ہے۔ یجوز بیع عصیر غصب ممن یعلم انه یتخذہ خمرأ لان المعصیۃ لا تقوم بعینہ۔ کریں ہے۔ و جاز بیع العصیر من خمر لان المعصیۃ لا تقوم بعینہ بل بعد تغیر بخلاف بیع السلاح من اهل الفتنة لان المعصیۃ تقوم بعینہ۔ خلاصہ یہ کہ جس سے بلا واسطہ گناہ کیا جاوے اس کی بیع حرام ہے۔ جیسے شراب کی تجارت اور جس سے بلا واسطہ گناہ کیا جاوے اس کی بیع جائز ہے۔ جیسے شیرہ انگور کی بیع کہ اگرچہ اس سے شراب بن سکتی ہے۔ مگر اس کی تجارت حلال ہے۔ اسی لئے رنڈی کو کرایہ پر مکان دینا حلال ہے۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے کل چھ بیٹے ہیں۔ لیکن اس نے صرف ایک بیٹے کو ساری جائیداد اور جملہ کاروبار اور سب حقوق سپرد کر دیئے ہیں۔ باقی پانچ بیٹے حقوق سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ شرع شریف میں یہ بیٹے اس شخص کی جائیداد وغیرہ کے حقدار ہیں یا نہیں اور وہ اپنا حق حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بیوا تو جروا۔

از کراچی

الجواب

سوال سے معلوم نہ ہوا کہ شخص مذکور نے اپنے فرزند مذکور کو جائیداد و دیگر املاک باقاعدہ ہبہ کر دیئے یا صرف انتظام اس کے سپرد کیا اور اس کو منتظم کاربند دیا۔ اگر ہبہ کر دیئے ہیں تو یہ صحت کی حالت میں ہوا ہے یا مرض الموت کی حالت میں۔ ان تینوں صورتوں کے الگ الگ احکام ہیں۔ اگر صرف انتظامی معاملات کا ایک بیٹے کو مختار کیا گیا تو اس سے باقی بیٹے محروم نہ ہوں گے۔ اس کے انتقال کے بعد تمام بیٹے بطریق مساوی اپنا حصہ لیں گے۔ اگر ہبہ ہے لیکن مرض الموت کی حالت میں تو بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ مرض الموت کا ہبہ وصیت ہے۔ در مختار میں ہے۔ وہبہ مقعد ومفلوج واشل ومسلول من کل مالہ ان طالت مدتہ ولم یخف موتہ منہ والا فمن ثلثہ اور وارث کو وصیت جائز نہیں۔ حدیث میں ہے۔ لا وصیۃ لوارث الا ان یجیزھا لورثہ در مختار میں ہے ولا لوارثہ اور اگر بحالت صحت باقاعدہ ہبہ کر دیا ہے۔ تو اس کا یہ ہبہ درست ہے۔ کیونکہ یہ اپنے مال کا مالک ہے۔ جس کو چاہے دے۔ لہذا باقی کے کچھ نہیں پاسکتے۔ لیکن اگر باقی پانچ بیٹوں کو نافرمانی کی وجہ سے والد نے ایسا کیا۔ تو اگر والد

زندہ ہے۔ تو ان کو چاہیے۔ کہ والد کو بہت جلد راضی کر لیں تا کہ وہ بیل آخرت سے بچیں۔ اور اگر بلا قصور والد نے محروم کر دیا ہے۔ تو اگرچہ اس کا عمل شرعاً نافذ ہوا لیکن وہ عند اللہ سخت گنہگار ہوا۔ حدیث شریف میں اولاد کے درمیان مساوات کرنے کا سخت حکم ہے۔ مسلم و بخاری نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم۔ رد المحتار میں ہے۔ ولو وهب شیئا لاولادہ فی الصعۃ و اراد تفضیل البعض علی البعض روی عن ابی حنیفۃ لا یاس بہ اذا کانت تفضیل لزیادۃ فضل فی الدین وان کانوا سواء یکرہ۔ رد مختار کتاب الہبۃ میں ہے وھب فی صعۃ کل المال للولد جاز واثم۔ البتہ اگر اولاد میں سے بعض کو ان کے دینی فضل کی وجہ سے کچھ زیادہ دے۔ تو حضرت امام صاحب رضی اللہ عنہ کے نزدیک جائز ہے۔ کما ہو ظہر من العبارة المنقولة من رد المحتار۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غنی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و محققان شرع متین مسائل مصرحہ ذیل کے متعلق
نمبر ۱ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ میں من
کل الوجوہ کون افضل ہے؟

نمبر ۲ اگر کوئی شخص فضائل اختصاص کے اعتبار سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو
حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر ترجیح اور فضیلت دے۔ تو علمائے احناف کے نزدیک
اس کا ایمان صحیح ہے اور اس کی امامت جائز ہے۔ یا نہیں؟

نمبر ۳ ردائف (تبرائی) کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا مناکحت کرنا اس کی
مجالس میں شریک ہونا مجلس پڑھنا اور ردائف کو سید سمجھ کر ان کو قابل احترام سمجھنا کیا

ہے؟

نمبر ۴ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو زید برا کہتا ہے۔ اور آپ کی شان میں رضی اللہ عنہ کہنے سے منع کرتا ہے اور برا جانتا ہے۔ لہذا ایسے اعتقاد کے ہوتے ہوئے زید سنی المذہب خفی ہو سکتا ہے۔ یا نہیں؟

نمبر ۵ زید اپنے آپ کو عالم کہتا ہے۔ اکثر میلاد شریف وغیرہ بیان کرتا ہے۔ اور بزم خود تعزیر داری و نوحہ و مرہیہ خوانی کی بابت کلام مجید سے ثابت ہونا بتلاتا ہے اور اپنے بیان میں تعزیر داری کی ترغیب دیتا ہے۔ اور شیعوں کے ماتم میں خود بھی شریک ہو کر ماتم کرتا ہے اور تعزیر و علم کی تعظیم کرتا ہے۔ ایسے شخص کا بیان سننا چاہیے یا نہیں؟ اور مذہب حقہ زید کے بارے میں کیا حکم دیتا ہے؟

نمبر ۶ زید ایک شیعہ کو قطب متصرف سمجھتا ہے اور اس کے کلمات و کرامات بیان کر کے لوگوں کو اس کا معتقد بناتا ہے۔ لہذا زید کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور کیا کوئی شیعہ (تبرائی) قطب و متصرف ہو سکتا ہے؟ از بریلی

نمبر ۷ سوالات نمبر الغایت نمبر ۶ کا اعتقاد رکھنے والا قابل امامت ہے یا نہیں؟

الجواب

نمبر ۱ علمائے ملت اس پر متفق ہیں کہ مطلقاً افضل البشر بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت فاروق، پھر حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ صواعق محرقة میں ہے۔ اعلم ان الذی اطبق علیہ عظماء الملة و علماء الامة ان افضل هذه الامة ابو بکر الصديق ثم عمر بن الخطاب و مثله فی شرح العقائد۔ من کل الوجوه افضلیت کا سوال ہی بے جا ہے۔ اعتبار افضلیت مطلقہ کا ہے۔ اور عند الاطلاق وہی مراد ہوتی ہے۔ ان حضرات میں سے ہر ایک کو خدا تعالیٰ نے فضائل مخصوصہ عطا فرمائے ہیں۔ اور وہ افضلیت مطلقہ کے منافی نہیں۔

نمبر ۲ اگر وہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت مطلقہ کا قائل ہوتے ہوئے محض خصوصیات حضرت علی یا دیگر صحابہ کے ذکر کرتا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ تو اس سے نہ ایمان میں خلل آتا ہے۔ نہ اس کی امامت ناجائز۔ کہ تمام صحابہ کرام کسی نہ کسی خصوصیت میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ مثلاً امانت خاصہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور صرف ایک شہادت کا نصاب ہونا حضرت ابی خزیمہ کی اور قرآن کریم میں اسم خاص کے ساتھ ذکر ہونا حضرت زید کی خصوصیات میں سے ہیں۔ یہ فضائل مخصوصہ جو خدا نے ان حضرات کو عطا فرمائے۔ کوئی دیندار مسلمان کس طرح انکار کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ایسے خصوصیات کو بیان کر کے مطلقاً کسی ایک صحابی کی فضیلت دوسروں کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ دھوکہ دے رہا ہے اور اپنے باطل مذہب کی ترویج، لیکن اگر قائل حضرت مولا علی مرتضیٰ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر ہر طرح ترجیح دیتا ہے۔ تو گمراہ ہے کہ عقیدہ اہل اسلام کے خلاف ہے۔ اسی صواعق میں ہے۔ فانہ کان یقول ابوبکر خیر و علی افضل فان ارید ان خیرۃ ابوبکر من بعض الوجوہ و افضلیۃ علی من وجہ آخر لم یکن ذلک فی محل الخلاف والحاصل ان المفضول قد توجد فیہ مزیۃ بن مزایا لا توجد فی الفاضل فان اراد شیخ الخطابی ذلک وان ابابکر افضل مطلقاً الا ان علیا وجدت فیہ مزایا لم توجد فی ابی بکر فکلامہ صحیح۔

نمبر ۳ تیرائی روافض مرتد ہیں۔ ہندیہ میں ہے۔ ویجب الکفار الروافض۔ اسی میں ہے۔ وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام احکامہم احکام المرتدین کفار کے ساتھ محبت و تعلقات رکھنا ناجائز ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔ لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین پاره نمبر ۵ نیز ارشاد فرماتا ہے۔ لا تعد قوما يؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسوله ولو کانوا اباہم الایم۔ لہذا روافض سے روابط و محبت جائز نہیں۔ اور اس سے نکاح

درست نہیں۔ محض زنا ہو گا۔ روا المختار۔ عالمگیری بحر میں ہے۔ ”روافضی مدعی یاریادت ہرگز سید نہیں۔ اس لئے کہ وہ مرتد ہے۔ اور خدا کا دشمن۔ اگر اسی مذہب رفض پر مرگیا۔ تو جہنم کے اسفل الصافلین میں اس کا ٹھکانا ہو گا۔ سیادت اور خلود فی النار کا اجتماع کیسا؟ سید وہ مسلمان ہے جو حضور ﷺ کی اولاد میں ہو۔ روافض تو مسلمان ہی نہیں۔ سید کیسے؟ نوح علیہ السلام کے بیٹے کے متعلق فرمایا گیا۔ انہ لیس من اہلک انہ عمل غیر صالح۔

نمبر ۴ زید گمراہ محض ہے۔ کسی صحابی رسول اللہ ﷺ سے ذرا بھی عداوت رکھنا حقیقتاً حضور سے عداوت ہے۔ اور قرآن کریم کی مخالفت کہ فرماتا ہے۔ وکلا وعد اللہ الحسنی۔ نیز حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں۔ فمن احبهم فبجی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہت فضائل ہیں۔ وہ صحابی رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جو بڑی افضلیت ہے۔ اور حضور کے کاتب و صاحب اسرار اور حضور ﷺ کے اخ الزوج ہیں۔ مجتہد صحابی ہیں۔ کما قالہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کما فی البغاری۔ انہی کے متعلق حضور نے دعا فرمائی اللہم اجعلہ ہادیا مہدیا۔ انہی کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ معاویہ فی الجنت۔ تمام ازواج و اہل بیت رسالت نے ان کی توقیر فرمائی۔ ان کے مخلصانہ ہدایا قبول فرمائے۔ ان کی شان میں گستاخی کرنے والا بے ادب بد نصیب ہے۔ ان کے اسم شریف کے ساتھ رضی اللہ عنہ ضرور لانا چاہیے۔ کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی۔

نمبر ۵ زید جو اپنے کو عالم کہتا ہے اور میلاد شریف پڑھتا ہے۔ اگر وہ علم رکھتا ہے تو اسے عالم کہنا غلطی نہیں اور میلاد شریف پڑھنا امر نیک ہے۔ رب کی اطاعت پر مشتمل ہے۔ سبب برکت علاقہ محبت رسول ہے ﷺ۔ نشانی ایمان ہے۔ رہی تعزیہ داری

اور نوحہ جن کو قرآن پاک سے ثابت بتاتا ہے۔ اس کے لئے خود اس کا بیان سائل کو پیش کرنا چاہیے۔ تا کہ اس کی صحت اور عدم صحت پر حکم دیا جاسکے۔ رہا مجلس روافض میں شرکت اور ان کے ساتھ ماتم کرنا یہ دونوں امر ممنوع اور شرعا ناجائز ہیں۔ ان سے توبہ لازم ہے۔ زید کو امام نہ بنایا جائے۔ توفیقہ ماتم وغیرہ سے توبہ نہ کرے۔

نمبر ۶ اگر وہ رافضی (تبرائی) ہے۔ اور کفریہ عقائد رکھتا ہے۔ تو اس کو قطب کیا مومن کہنا بھی درست نہیں۔ اگر زید اس کے کفریات پر مطلع نہ ہو۔ تو اس کی یہ مدح سرائی اور بد مذہب کی ثناء وصف حرام ہے اگر زید اس رافضی کے عقائد کفریہ پر مطلع بھی ہو اور باوجود اس کے اس کو مومن ہی کہے تو خود زید بھی اسلام سے خارج ہو جائے گا۔
من شک فی عذابہ وکفرہ فقد کفر۔ عامہ کتب کوئی رافضی کبھی قطب اور ولی نہیں ہو سکتا خواہ تبرائی ہو یا غیر تبرائی۔ دونوں نام کے مومن ہیں۔ حقیقت میں دشمن اسلام اور ولایت متقی مسلمان ہی کو حاصل ہو سکتی ہے۔ ان اولیاءہ الا المتقون۔
نمبر ۷ تفصیل بیان کردی گئیں مطالعہ کرو۔ واللہ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم

واحکم

فتویٰ نمبر ۲۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک داعظہ ہے۔ اکثر عورتوں کو اپنے سامنے بلا پردہ بشاداعظہ کہا کرتا ہے اور منع کرنے پر احادیث پیش کرتا ہے۔ کہ حدیث سے ثابت ہے کہ عورتیں عید گاہ اور نمازوں میں جایا کرتی تھیں۔ حضور انور ﷺ اور اصحاب پاک خطبہ عید سے فراغت پا کر مجمع زنیں میں تشریف لے جاتے تھے۔ حالانکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور کے ہمراہ ہوتے تھے اور آپ ان کو صدقہ کی رغبت دیتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ اجنبی عورتوں کا مردوں کے سامنے منہ کھول کر داعظہ کے سامنے آنا جائز ہے۔ نیز آیت پیش کرتا ہے۔ ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر اور کہتا

ہے کہ اجنبی عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھولنا جائز ہے باقی جسم کا چھپانا واجب یہی پردے کے معنی ہیں۔ فقہاء کے اقوال پیش کرتا ہے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھوں ہاتھ ستر نہیں۔ اس کے تمام دلائل کتابی شکل میں حاضر خدمت ہیں۔ ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمائیں۔ کہ آیا زید کا قول صحیح ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو ان دلائل کا کیا جواب ہے۔ بنو ادو تو جروا۔

الجواب

اجنبی مرد کا بے پردہ عورتوں کو اپنے سامنے جمع کر کے وعظ کہنا ناجائز ہے۔ تین وجوہوں سے اولاً "تو اس لئے کہ عورتوں کا وعظ سننے کے لئے بے پردہ گھروں سے نکلنا منع ہے۔ دوسرے اس لئے کہ اجنبی مرد کا عورتوں کا دیکھنا ناجائز۔ تیسرے اس لئے کہ ان عورتوں کا اجنبی مرد وعظ پر نظر ڈالنا غیر درست۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔ وقرن فی بیوتکن اے نبی کی عورت تو اپنے گھر میں رہو۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ اہی قرن فی بیوتکن لا تنرجن منها ولا زمن الاقامة فیہا۔ یہ خطاب اگرچہ ازواج مطہرات سے ہے۔ لیکن اس کا حکم عام عورتوں کے لئے بھی ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ اقمن الصلوۃ واتین الزکوۃ واطعن اللہ ورسولہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے سوائے ان سات ضرورت شرعیہ کے جن کی تفصیل فقہانے فرمائی ہے گھر سے نکلنا جائز نہیں اور شرکت مجلس وعظ ان سات ضرورت شرعیہ میں سے نہیں۔ در مختار میں ہے۔ ویکرہ حضور ہن الجماعة ولولجمعة وعید ووعظ مطلقاً ولو عجولاً لیلاً علی المذہب المفتی بہ لفساد الزمان جب جماعت نماز کے لئے جو اہم ترین عبادت ہے گھر سے نکلنا عورتوں کا جائز نہ ہوا تو مجلس وعظ میں شرکت کرنے کے لئے کیوں کر جائز ہو گا۔ بحر الرائق میں ہے۔ ولا یحضرن الجماعة لقولہ تعالیٰ وقرن فی بیوتکن وقال (صلی اللہ علیہ وسلم) صلوتہا فی

قمر بیتھا افضل من صلواتھا فی صحن دارھا الخ اسی میں ہے ومتی کرہ حضور المسعد الصلوۃ فلان یکرہ حضورھا مجالس الوعظ خصوصاً عند هؤلاء الجہال الذین حلوا علیہ العلماء اولیٰ۔ اسی میں ہے۔ یجوز للخروج ان یاذن لھا یاذن لھا بالخروج الی سبعة مواضع زیارة الوالدین وعیادتھما و زیارة المعارم فان کانت قابلاً او غاسلة او کان لھا علی اخرھا حق تخرج بالاذن وبغير الاذن والجمع علی هذا باب الامامة عاکبری میں ہے وکرہ لھن حضور الجماعة والفتویٰ الیوم علی الکراهۃ فی کل الصلوات لظہور الفساد دیکھو ہمارے فقہاء کس شد و مد سے عورتوں کو مجلس وعظ میں شرکت کے لئے نکلنے کو منع فرما رہے ہیں۔ اگرچہ عورت پردہ کے ساتھ برقع اوڑھ کر ہی شرکت کرے۔ جب بھی خلاف احتیاط ہے۔ چہ جائیکہ بے حجاب شرکت کرے۔ رہی وہ احادیث جو مسئلہ مجوز نے اپنی تائید میں پیش کی ہیں۔ ان سے اس کا مدعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اولاً ”تو زمانہ اقدس میں عورتوں کا عید و مجالس وعظ میں شرکت ضرورتاً“ تھا کہ وہ وقت تبلیغ احکام شرعیہ کا تھا۔ عورتیں اگر ان مجالس میں شرکت نہ کرتیں تو اپنے متعلق احکام شرعیہ کس طرح معلوم کر سکتی تھیں۔ وہ زمانہ بھی نہایت پاکبازی و بنداری کا تھا۔ پھر بھی پردہ کے اہتمام سے اس طرح معلوم کر سکتی تھیں۔ کہ کوئی ان کو پہچان نہ سکتا تھا۔ چنانچہ مسلم و بخاری نے حضرات ام المومنین محبوبہ محبوب رب العالمین صدیقہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصلی الصبح فتتصرف النساء متلفعات بمروطھن ما یعرفن من الفلوس۔ اس خیر ویکت کے زمانہ میں اس قدر سخت ضرورت کی وجہ سے اتنی احتیاطوں کے ساتھ عورتوں کے مجالس وعظ میں شرکت کرنے پر اس زمانہ شرفساد کو قیاس کرنا جبکہ ایسی ضرورت بھی نہ ہو۔ خصوصاً بے پردگی کے ساتھ محض قیاس مع الفارق ہے۔ امیر المومنین غیظ المنافقین فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے اپنے دور خلافت میں عورتوں کو

مجالس وعظ و جماعات نماز سے ایک دم روک دیا۔ عورتوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں شکایت کی۔ کہ ہم کو فاروق اس امر خیر سے روک رہے ہیں۔ جس سے حضور ﷺ نے نہ روک۔ تو انہوں نے جواب دیا لو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای ما حدث النساء بعده لمنعهن کما منعت نساء بنی اسرائیل (بخاری باب خروج النساء الی المساجد باللیل) روا المختار میں اسی حدیث کو نقل فرما کر فرماتے ہیں۔ وهذا فی نساء زمانها فما ظنک بنساء زماننا یعنی یہ ممانعت تو اس پاک زمانہ (خیر القرون) میں تھی۔ تو اس زمانہ شریفی کی عورتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ فقیر کی یہ مختصر تحریر ان تمام اوہام کو دفع کرنے کے لئے بفضلہ تعالیٰ کافی ہے۔ جو مستدل کو ان عبارات منقولہ سے پیدا ہو گئے۔

دوم اجنبی عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا ناجائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ للمؤمنات یغضضن فی ابصارھن امام احمد و ترمذی و ابو داؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ جس میں حضور ﷺ نے ان کو اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا انہوں نے عرض کیا۔ وہ تو نابینا ہیں۔ ہمیں تو دیکھتے نہیں تو ارشاد فرمایا کہ تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم بھی انہیں نہیں دیکھتیں مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ کتاب النکاح قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجیامنہ فقلت یا رسول اللہ ایس ہو اعمی لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیا وان انتما الصتما تبصرانہ۔ اسی حدیث کی شرح میں مرقات میں ہے۔ قیل فیہ تحریم نظر المرأة الی الاجنبی مطلقاً وبعض خصمہ بخال خوف الفتنة علیہا۔ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ اشعۃ اللمعات میں حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔ واستدلال کردہ اند بعضے بر جواز نظر امرأة براجنبی اگر وی نمی

بہند اور او قول صحیح کہ جمہور پر آئند کہ حرام است از جنت قول حق سبحانہ قل
للمؤمنات یغضضن من ابصارہن۔ واز جنت حدیث ام سلمہ افعمیا وان انتما۔
شروع باب العدة ردالمحتار میں ہے۔ وجہ الفرق کما فی الہدایۃ ان الشہوة
علیہن غالبۃ وهو کالمتعلق اعتباراً۔

سوئم اجنبی مرد کا اجسیہ عورت کو دیکھنا حرام ہے نہ اس لئے کہ اس کا چہرہ ستر عورت
ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اس میں خوف فتنہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ واذا سالتموهن
متاعاً فاسئلوهن من وراء حجاب۔ یہ آیت بھی ازواج مطہرات کی شان میں ہے
لیکن حکم عام ہے تفسیرات احمدیہ میں ہے لان موردہ وان کان خاصاً فی حق ازواج
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن الحکم عام لکن من المؤمنات
فیفہم منہ ان یحتجب جمیع النساء من الرجال ولا یبدین انفسہن
علیہم قرآن کریم میں ہے۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارہم ویحفظوا
فروجہم۔ بیہقی نے حضرت حسن سے روایت کی بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال لعن اللہ الناظر والمطلور الیہ اللہ لعنت کرے دیکھنے والے پر
اور اس عورت پر جسے دیکھے۔ مسلم و بخاری نے حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہما سے
روایت کیا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والدخول علی النساء
فقال رجل یا رسول اللہ ارایت العمو قال العمو الموت۔ امام مسلم نے حضرت
جریر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم عن نظر الفجاءۃ فامرنی ان اصرف بصری۔

ان آیات قرآنیہ و احادیث سے ثابت ہوا کہ اجنبیہ کو اجنبی سے پردہ کرنا ضروری
ہے رہی وہ آیت و احادیث جو مستدل جواز نے پیش کیں۔ وہ اس کے کلام کی تائید نہیں
کرتیں۔ آیت تو اس لئے کہ اس میں لا یبدین زینتہن ہے۔ اس سے استدلال ہے
اور یہ استدلال فاسد ہے۔ لولا "تو اس لئے کسایت میں مواضع زینت کے اظہار کی

عورت کو اجازت دی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے ہر وقت چھپانے میں حرج عظیم ہے۔ اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ مرد کو بھی اس کا دیکھنا جائز ہو۔ یہاں فعل عورت (کشف) کا ذکر ہے۔ نظر جو فعل مرد ہے۔ وہ کس طرح جائز ہو گا تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ فالمنذور فی الایۃ ما ہو من جانب المرأة دون ما ہو من جانب الناظر وابن ہذا من ذلک۔

وہ تم اس لئے کہ آیت میں یہ ذکر نہیں کہ محض نماز کے لئے یہ حکم ہے یا خارج نماز کے لئے بھی یا ضرورت کے موقع پر یہ حکم ہے یا کہ بلا ضرورت بھی تنہائی کی حالت میں یہ حکم ہے۔ یا اجاب کے سامنے بھی۔ تفسیرات احمدیہ نے بحوالہ بیضاوی فرمایا ولا ظہر ہذا فی الصلوۃ فان کل بدن المرأة عورة لا یحل لغير الزوج والمعمر النظر الی شئی منها الا لضرورة کالمعالجة وتعمل الشهادة ہذا کلامہ ولا یغنی حصف اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے اور مفسرین کے اس قدر اختلاف کے بلوجود استدلال کس طرح درست ہو گا۔ رہی وہ احادیث ان سے بھی استدلال ہم نہیں۔ کہ ان احادیث سے عورتوں کا صرف عید وغیرہ کے موقعوں پر نماز میں یا مجالس وعظ میں آنا ثابت ہے۔ جس کا جواب ہم اوپر دے چکے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بے پردہ ہی ہوتی تھیں۔ اور مدعا یہی ہے اگر حضور اقدس ﷺ کے حضور بے پردہ بھی حاضر ہوئیں۔ تو ہم وہ سروں کو حضور کی ذات کریمہ پر کس طرح قیاس کر سکتے ہیں۔ تمام جہان کی عورتیں حضور کی لونڈیاں ہیں بلکہ اس سے بھی کم قرآن کریم فرماتا ہے۔ النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور کی ولایت ولی اقرب حتیٰ کہ اپنے نفس کی ولایت سے بھی قوی تر ہے لہذا حضور ﷺ پر وہ سروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ حضور ﷺ سے پردہ نہیں۔ ہم نے وہ احادیث بعونہ تعالیٰ پیش کر دیں۔ جو صراحہً پردہ کو واجب کر رہی ہیں۔ رہے اقوال فقہاء لولا تو اس میں خود ہمارے فقہاء کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر حضرت ملا احمد جیون

بڑھنے کے اقوال تفسیرات احمدیہ سے پیش کر چکے ہیں۔ جن فقہانے جواز کا حکم دیا ہے۔ وہ شہوت نہ ہونے کی شرط پر موقوف ہے۔ پھر بھی بلا ضرورت مکروہ فرماتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ وفي شرح الكرخي النظر الى وجه اجنبية المرأة ليس بحرام ولكنه يكره بغير حاجة وظاهره الكراحة ولو بلا شهوة۔ اس زمانہ کے لئے مطلقاً منع فرماتے ہیں در مختار میں ہے۔ محل النظر مقيد بعدم الشهوة والا فحرام وهذا في زمانهم واما في زماننا فممنوع من الشابة ردالمختار میں ہے لا لانه عورة بل لخوف الفتنة كما قدمه في شروط الصلوة۔ اس در مختار باب لیسر میں ہے۔ وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال كالا لانه عورة بل لخوف الفتنة ردالمختار میں ہے۔ لانه مع الكشف قد يقع النظر اليها بشهوة۔ حرف فتنہ کا اتنا لحاظ کیا گیا ہے کہ ساحل عورت کو فاسقہ بازار میں پھرنے والیوں کے سامنے یا کافرہ عورتوں کے سامنے بے پردہ آنا منع ہے۔ اسی ردالمختار میں ہے۔ ولا ينبغي للمرأة الصالحة ان تنظر اليها المرأة الفاجرة۔ در مختار میں ہے والذمية كالرجل الاجنبى في لاصح فلا تنظر الى بدن المسلم۔ تحریر میں ہے۔ قال مشائخنا تمنع المرأة الشابة من كشف وجهها بين الرجال في زماننا لفتنة لئلا اذاعطين کو بہت جلد اس رسم کو مٹانا چاہیے۔ ان میں تبلیغ یا تو ریعہ کتب و رسائل کی جائے یا ذی علم عورتیں غیر ذی علم عورتوں کو احکام سکھادیں یا ہیئت پردہ کے ساتھ واعظ سے بالکل علیحدہ ایک عمارت یا بے پردہ کی آڑ لے کر وعظ و احکام سنیں۔ مگر اس تیسری صورت میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۲۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زندگی کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟ اس میں یہ

ہوتا ہے کہ کچھ لوگ مل کر ایک انجمن قائم کرتے ہیں اور ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کچھ رقم جمع کراتا رہتا ہے۔ اور یہ طے ہو جاتا ہے کہ اتنے زمانہ تک یہ رقم جمع کراتا رہے گا اور اس کے بعد اتنا روپیہ انجمن سے حاصل کر لے گا۔ اب اگر ایک ہی قسط ادا کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ تو انجمن کو وہ تمام رقم ادا کرنی پڑے گی جو طے ہو چکی ہے۔ مثلاً اگر دس ہزار کا بیمہ کیا۔ اور بیس روپیہ ماہوار ادا کرنے کا تاحین حیات اقرار کیا۔ اب اس کا ایک ہی قسط ادا کرنے کے بعد انتقال ہو گیا۔ تو بھی انجمن کو دس ہزار روپیہ دینا پڑے گا۔ اور اگر سو برس تک زندہ رہ کر مرے تو بھی اتنا ہی روپیہ۔ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔

(۱) تھوری تھوڑی رقم جاتی ہے اور اکٹھی رقم آتی ہے۔

(۲) روپیہ محفوظ رہتا ہے اور اپنی اولاد کی طرف سے بے فکری رہتی ہے۔

ایسا بیمہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو وہ شرکت ہے یا امانت اور اگر ناجائز ہے تو کیوں جیسا تو جروا۔

ازاجیر شریف

الجواب

اگر یہ بیمہ کمپنی خالص کفار کی ہے۔ اور بعد بیمہ لے لیں کمپنی اس شخص کو سفر حج یا دیگر احکام شرعیہ سے نہیں روکتے اور مسلمان کے نقصان کا قوی اندیشہ نہ ہو۔ تو بیمہ کرنا جائز ہے۔ جو فائدہ اس بیمہ کے ذریعہ بیمہ کرنے والا حاصل کرے وہ حلال ہے کہ یہ عقد یا تو عقد ربو ہے یا عقد قمار ربو۔ تو اس لئے کہ جو رقم بیمہ والے سے کمپنی لیتی ہے۔ وہ یا تو بطور قرض لیتی ہے یا بطور بیع اور دونوں صورتوں میں بیمہ کرنے والا رقم بھی واپس لیتا ہے اور وہ منافع بھی حاصل کرتا ہے جو مسائل نے بیان کئے۔ لہذا یہ ربو ہوا۔ بصورت قرض تو اس لئے کہ کس قرض جہ نفعاً فہو ربو۔ اور بصورت بیع اس لئے کہ یہ منافع خلی

من العوض ہے۔ لہذا رو ہے۔ مگر میں ہے۔ فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال
بمال در مختار میں ہے۔ ہو فضل خال عن العوض مشروط لاحدہما فی
المعاوضۃ۔ نیز اسی در مختار میں ہے۔ فدخل ربو لنسیۃ والبیوع فکلها من
الربا۔ قمار اس لئے کہ قمار میں ایجاب مل علی شرط الغلبۃ ہوتا ہے۔ (قاموس) اسی
میں ہے کہ اگر صاحب بیمہ کی زندگی دراز ہوئی تو کمپنی کا غلبہ ہوا کہ اس کے پاس رقم زیادہ
پہنچی۔ اور اگر اس کی عمر کم ہوئی تو اس کو نفع ہوا کہ رقم کم پہنچی اور زیادہ ہاتھ آئی اور تمامی
مقدور فاسدہ خواہ بیع بالشرط ہو یا روایا قمار۔ ان کے ذریعہ کفار حریہ سے اگر مسلمان کو نفع
ہو تو جائز ہے اور اگر کفار کو ہو تو ناجائز۔ مگر میں ہے۔ ای لا ربو بینہما فی دار الحرب
عندہما خلافا لابی یوسف وفی البتایۃ وکذا اذا باع خمرا او خنزیرا اومیۃ
او قامرہم واخذ المال کل ذلک یعزل۔ اسی میں ہے لا ینقص انہ انما
اقتضی حل مباشرة العقد اذا کان الزیادۃ ینالها المسلم۔ در مختار میں ہے۔
ولا بین حربی ومسلم لان مالہ ثمہ مباح فیحل برضاه مطلقاً بلا عذر۔
رد المختار میں ہے۔ حتی لو باعہم درہما بدرہمین او باعہم میتۃ بدرہم او
اخذ مالاً منہم بطریق القمار ما اذا حصلت الزیادۃ للمسلم۔ اور شرعاً یہ عقد
عقد شرکت نہیں کہ شرکت میں مل شرکت تو متعین و معلوم ہونا چاہیے اور مل ادا غیر
متعین غیر معلوم ہونا چاہیے۔ شرکت میں خبر نہیں ہوتی کہ نفع ہو یا نقصان۔ اور اگر نفع
ہو تو کتنا اور اگر نقصان ہو تو کس قدر مگر ہاں معاملہ برعکس ہے کہ جو رقم بیمہ والے کو
ملے گی۔ وہ تو معلوم ہے۔ مگر جو رقم کمپنی کو حاصل ہوگی وہ مجہول ہے کہ بروقت شرکت
کسی کو خبر نہیں کہ اس شخص سے کتنا روپیہ وصول ہو گا۔ اگر موت جلد واقع ہو گئی۔ تو
روپیہ کم وصول ہوا۔ بر صورت دیگر زیادہ۔ اگر اس شخص نے بغرض شرکت بھی روپیہ دیا
ہو۔ تب بھی شرکت فاسد ہے کیونکہ مقرر کر دیا گیا ہے کہ اتنا روپیہ واپس لوں گا۔ اور
شرکت فاسد قرض بن جاتی ہے۔ در مختار میں ہے۔ وتفسد باشرط درہم مصماۃ

من الربح لاحدهما لقطع الشرکۃ ردالمحتار میں ہے۔ وذاکک یقطعها
فتخرج الی القرض او للبضاعۃ اور نہ یہ امانت ہے۔ واللہ اعلم۔
احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں کے اوقاف میں کسی حاکم یا غیر
حاکم کو یہ اختیار ہے یا نہیں کہ وہ شرائط واقف کے خلاف کوئی کارروائی وقف میں کرے یا
وقف کے مقرر کردہ متولی کو متولی ہوتے ہوئے معزول کر کے کوئی کمیٹی مقرر کریں جسے
وقف کے انتظامات سپرد ہوں اگر نہیں تو یہ زبردستی مداخلت فی الدین ہے یا نہیں؟
نمبر ۲ وقف جائیداد کے سابق مقرر کردہ لگان میں کمی کر دینا جس سے آمدنی کم ہو
جائے جائز ہے یا نہیں؟ نیز وقف کی آمدنی میں سے ایک بڑی رقم لے کر قائم کردہ نیا دفتر یا
کمیٹی یا بورڈ پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وقف کی آمدنی سے چندہ یا ٹیکس لینا جائز ہے
یا نہیں؟ بنو اتوجروا۔

ازپٹنہ

الجواب

نمبر ۱ شرائط واقف کی مخالفت شرعاً جائز نہیں۔ حتیٰ کہ سلطان اسلام اور قاضی
وغیرہ کسی کو درست نہیں۔ چہ جائیکہ غیر مسلم حکومت کو۔ واقف کی شرطیں نصوص
شرعیہ کی طرح شرط واجب العمل ہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ ما خالف شرط الواقف
فہو مخالف النص وهو حکم لا دلیل علیہ وهو موافق لقول مشائخنا
کثیرہم شرط الواقف مکنص الشارع فتجب اتباعہ در مختار میں ہے۔

شرط الواقف مکنص الشارع فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به واقف نے جس کو متولی قرار دیا اسے قاضی یا حکومت اپنی رائے سے معزول نہیں کر سکتے۔ نیز اگر متولی سابق جس کسی کو اپنا قائم مقام کر کے انتقال کر گیا ہو تو اس کے بھی معزول کرنے کا حکومت یا کسی اور کو حق نہیں۔ اگر حکومت کسی کو متولی کو بھی دے تب بھی اس کی تولیت شرعاً جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر وقف نے کسی کی نسل کے لئے تولیت نامزد کر دی تو اس نسل میں رہے گی۔ حکومت یا کسی کو اس سے تولیت نکالنا جائز نہیں ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ اذا مات المتولی المشروط له بعد الواقف فالقاضی ینصب غیره وشرط فی المجتبئ ان لا یکون المتولی اوصی لآخر عند موته فان اوصی لا ینصب القاضی۔ عالمگیری میں ہے۔ شرط الواقف ان یکون المتولی من اولاده واولاد اولاده هل للقاضی ان یولی غیره بلاخیانتہ ولو ولاء هل یکون متولیا قال الشیخ الاسلام برهان الدین لا۔ لہذا مسلمانوں کے اوقاف میں خلاف منشا و تقیین تصرف کرنا یا متولی مقرر کو تولیت سے علیحدہ کرنا جائز اور مدخلت فی الدین ہے۔

نمبر ۲ تحقیقات اوقاف کے دفاتر کے مصارف بورڈ یا کمیٹی کے اخراجات بذریعہ ٹیکس یا چندہ وقف سے وصول کرنا ناجائز ہے۔ واقف نے وقف کے جو مصارف مقرر کر دیئے ہیں۔ ان کے سوا دوسرے مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں وقف کے سابق لگان میں کمی کرنے سے وقف کا نقصان ہے اور جو چیز بھی وقف کو مضر ہے ناجائز ہے۔

فتویٰ نمبر ۲ اردو مولوی کفایت اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مدرسہ امینہ دہلی کا فتویٰ جو مفتی کفایت اللہ کی تصحیح سے طریق ایصال ثواب تیجہ،
 دسواں بیسواں چالیسواں سہ ماہی برسی وغیرہ کے متعلق تحریر کیا گیا ہے۔ بالکل غلط و باطل
 ہے۔ اس میں مفتی نے لکھا ہے کہ ان میں سے کوئی فعل رسول اللہ ﷺ آپ
 کے صحابہ تابعین تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین سے ثابت نہیں۔ اس سے مفتی کی کیا مراد
 ہے۔ آیا یہ کہ ان امور کی اصل ثابت نہیں یا کہ ہیئت ثابت نہیں۔ بہ تقدیر اول غلط
 کہ ان تمام امور کی اصل طاعت سے ایصال ثواب کرنا ہے۔ اور بالیقین قولا و فعلا
 رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور عقائد اہل سنت میں سے ہے۔ شرح عقائد
 میں ہے۔ وفی دعاء الاحیاء للاموات و صدقتهم ای صدقة الاحیاء عنہم ای
 عن الاموات نفع لہم ای للاموات۔ اور احادیث کثیرہ سے ایصال ثواب ثابت ہے۔
 اس کو یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ صحابہ کرام نہ تابعین نہ تبع تابعین
 ائمہین سے نہ آئمہ مجتہدین سے کذب محض اور افتراء خالص اور بہتان ہے۔ دنیا میں
 ایسا مفتی بھی موجود ہے جس کو یہ خبر نہیں کہ ایصال ثواب خود حضور سے ثابت ہے۔
 حضور کے اصحاب و اتباع کا معمول ہے یہ علم اور فتویٰ نویسی۔ لا حول ولا قوۃ الا
 باللہ العلی العظیم۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ ہیئت ثابت نہیں تو اس پر دلیل شرعی
 قائم کرنی ہوگی کہ کسی چیز کی مشروعیت کے لئے اس کے جملہ خصوصیات و ہیئت کا اثبات
 بھی ضروری ہے۔ ایسا ہو تو قرآن کے اعراب اس کے پارے منزلیں رکوع وغیرہ مقرر کرنا
 اور کتب احادیث جمع کرنا اور ضبط احوال رواۃ یہ سب بدعت ہوں گے تدوین علوم دینیہ
 و تفاسیر قرآن و مدارس اسلامیہ سب ممنوع ہو جائیں گے کہ یہ امور مع اپنی خصوصیات و
 ہیئت کے زمانہ اقدس میں ثابت ہی نہیں۔ لہذا کسی شق پر بھی مفتی کا کلام صحیح نہیں۔
 اس کے بعد مفتی نے لکھا ہے کہ جو چیز خود یا اپنی مثل اور نظیر کے ساتھ خیر القرون میں
 کسی وقت نہ پائی جائے۔ اس کو حکم شرعی سمجھا جائے۔ وہ بدعت اور قاتل ترک ہے۔
 اور اس کا مرتکب گنہگار ہے۔ مفتی صاحب مثل و نظیر سے کیا مراد لیتے ہیں۔ یہ ہی کہ اس

لے کی ہو ہو نقل خیر القرون میں نہ ہو۔ تب تو ان کی فتویٰ نویسی بھی بدعت کہ اس طرح کا فتویٰ دینا۔ مہرین لگانا خیر القرون میں کمال تھا۔ مدرسہ امینہ ہی بدعت۔ ایسے مدرسہ ان خصوصیات و ہیئت کے ساتھ خیر القرون میں کب پائے گئے تھے۔ اور اگر یہ خصوصیات ملحوظ نہیں تو ایصالِ ثواب بیشک پایا گیا تھا۔ ہندوستان میں سبیل لگائی جاتی ہے۔ شربت اور پانی پلایا جاتا ہے زمانہ نبوی میں کنواں بنا کر ایصالِ ثواب کیا گیا تھا۔ اس صورت میں امور مذکورہ کو بدعت قرار دینا جمل اور باطل ہے۔ پھر بدعت میں خیر القرون کی قید کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔ اور اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ خیر القرون میں اگر کوئی امر حادث ہو۔ خواہ کیسا ہی ہو بدعت ہو ہی نہیں سکتا یہ کہئے تو رخص و خدج کچھ بھی بدعت نہ ہو اور روافض و خوارج لٹل بدعت نہ رہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں زمانہ تابعین میں پیدا ہو چکی تھیں۔ مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ اس کو حکم شریعت سمجھا جائے۔ اس سے ان کی کیا مراد ہے آیا یہ کہ اس کو مباح سمجھا جائے۔ رخصت سمجھا جائے جب بھی حکم شرعی کا صدق اس پر ہو گیا یا یہ کہ اس کو ان خصوصیات و ہیئت کے ساتھ مطلوب اور مہمور سمجھا جائے۔ یہ معنی کبھی مفتی صاحب کے تصور میں بھی نہ آئے ہوں گے لفظ لکھتے ہیں اور معنی نہیں سمجھتے۔ اس کی تو مفتی صاحب کو تکلیف دیجئے کہ وہ حکم شرعی سمجھنے کا مقصد بیان کرے مگر اس کا یہ حکم اس کے سارے فتوے کو باطل کرتا ہے کیونکہ مفتی نے اس کے اوپر لکھا ہے کہ تمام رسومات کے لوگوں کے اختراعات ہیں۔ تو جو چیز بقول مفتی رسوم میں داخل ہے اور اس کے عامل اس کو رسوم سمجھ کر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ حکم شرعی نہیں سمجھی گئی۔ لہذا مفتی کے نزدیک بھی بدعت نہیں ہوئی اور مفتی کا اس کو بدعت اور قتل ترک اور اس کے مرتکب کو گنہگار بتانا غلط اور باطل ہوا۔ اور ایسے باطل حکم کو جو اپنے دل سے گھڑا ہو۔ بصورتِ فتویٰ لکھ کر یہ ظاہر کرنا کہ یہ حکم شرعی ہے۔ ایسے بدعت یہ ہے۔ جس پر اس مفتی کی تعریف پوری صادق آتی ہے۔ آخر میں مفتی صاحب نے لکھا ہے۔ لہذا یہ تمام رسوم بدعت ہیں۔ اور ان کا ترک کرنا اور ان کے ترک رکوانے

میں کوشش ہر مسلمان پر لازم ہے۔ بھگداد خوب واضح ہو چکا کہ امور مذکورہ ثابت الاصل ہیں۔ ان کے بدعت ہونے کا حکم باطل ہے۔ پھر ان کے ترک کرنے اور کرانے کی کوشش کرنا منع خیر ہے۔ آگے جو حدیثیں لکھی ہیں۔ من احدث فی امرنا الحدیث اور وکل بدعة ضلالة الحدیث اور ومن رای منکرا الحدیث ان کے معنی مفتی صاحب سمجھے یا نہ سمجھے مگر کانگریس کا اتباع اور اس کی ہر امر میں موافقت اور اپنی زندگی کو کانگریسی طواغیت کے اشارہ اہم پر قرار کر ڈالنا۔ یہ تمام چیزیں مفتی صاحب کی نظر میں ان احادیث میں سے کسی حدیث کا مصداق نہیں بنتیں۔ اللہ تعالیٰ حق کہنے حق بولنے حق ملنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین
برحمۃہ وھو ارحم الرحمن۔

احمد یار خاں علی مد

فتویٰ نمبر ۴۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ
نمبر ۱ کسی کافر کے ہاتھ مسلمان کا ذبح کیا ہوا گوشت بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً مراد
آپلو سے راہپور کسی دوست کے پاس کسی کافر غیر کتابی کے ہمراہ گوشت بھیجا جائے اور
مسلمان ہمراہ نہ ہو؟

نمبر ۲ یا ایسا شکار مع پوست و پر کے بھیجا جائے کہ جس کا مثل ملنا بہت دشوار ہے؟

نمبر ۳ پکا ہوا سالن یا حلوا مٹھائی وغیرہ بھیجنے کا کیا حکم ہے؟

نمبر ۴ اگر کسی نے بھیج دیا تو اس کو کیا کیا جائے گا؟ بینوا بالکتاب وتوجروا

الی یوم الحساب۔

الجواب

گوشت و دیگر اشیاء کافر کے ہاتھ پر یہ بھیجنا جائز ہے اور جس کے پاس بھیجا گیا۔ اس کا ان چیزوں کو کھانا حلال اس لئے کہ کافر کا یہ کہنا کہ یہ تمہارے دوست کا بھیجا ہوا ہدیہ ہے۔ معاملات کی ایک خبر ہے اور معاملات میں خبر کفار معتبر ہے در مختار میں ہے ویقبیل قول الکافر ولو معوسیا قال اشتریت للحم من کتابی فیصل لوقال اشتریتہ من معوسی فیحرم واصلہ ان خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لانی الدیانات شامی میں ہے۔ ان قوله شریعتہ من المعاملات و ثبوت البطل والعزیمۃ فیہ ضمنی فلما قبل قوله فی الشراء ثبت ما فی ضمنہ ہاں کافر سے گوشت خریدنا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ یہی کہے کہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے۔ اس لئے یہ بات دیانت کی ہے جو کہ کافر سے مسموع نہیں۔ لہذا اس میں اور پہلی صورت میں فرق ہے کما ثبت بالعبارة المذكورة واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم واحکم۔

فتویٰ نمبر ۲۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چلتی ہوئی ریل میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

نمبر ۲ اگر وقت نماز جا رہا ہے اور ریل کے رکنے کی توقع بھی نہیں یا ریل رکتی تو ہے لیکن اتنی کم مدت کہ اس وقت میں فرض ادا ہونا ممکن نہیں ہے نیز اگر کسی نے پڑھ لی تو کیا کیا جائے گا؟

نمبر ۳ مسافر کا کام اتنا ضروری ہے کہ اگر وہ سری گاڑی سے جاتا ہے تو مقصود سفر ہی فوت ہوا جاتا ہے یا وہ سری گاڑی جاتی ہے۔ یا کام غیر ضروری ہے۔ مثلاً سیر کرنے جا رہا

ہے۔ تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟
 نمبر ۴ اس مسئلہ کو کشتی پر قیاس کرنے میں کوئی قباحت ہے؟
 نمبر ۵ اس مسئلہ کو قافلہ کے مسئلہ پر قیاس کریں گے یعنی جیسے وہاں چلتے لونٹ پر
 نماز جائز ہے۔ یہاں جائز ہو گا یا نہیں؟

پچھراہوں

الجواب

نمبر ۱ نماز فرض واجب اور سنت فجر چلتی ہوئی گاڑی میں ناجائز ہے۔ اور نفل و دیگر
 سنن جائز۔ اس لئے کہ فرائض وغیرہ میں جگہ کا ایک رہنا اور قبلہ کو نمازی کا منہ ہونا شرط
 ہے۔ اور چلتی ہوئی ریل اور دیگر سواریوں میں یہ دونوں باتیں مفقود ہیں۔ لہذا کسی چلتی
 ہوئی سواری پر یہ نمازیں جائز نہیں۔ بجز کشتی و جہاز کے۔ درمختار میں ہے۔ ولو صلی
 علی دابة فی شق محمل وهو یقدر علی النزول لا تجوز الصلوة علیہا
 وهذا کله فی الفرض والواجب بانواعه وسنة الفجر واما فی النفل
 فتجوز علی المحمل والعجلة مطلقاً۔ درمختار میں ہے۔ والحاصل ان کلا
 من اتعاد المکان واستقبال القبلة شرط فی الصلوة غیرا لناقل۔ عالمگیری
 میں ہے۔ ولا تجوز المكتوبة علی الدابة الا من عذر وکذا الواجبات مش
 الوتر والمندور۔ شامی میں ہے۔ اذا كانت العجلة علی الارض ولم یکن
 شئی منها علی الدابة وانما لها حبل تعیرها الدابة به تصح الصلوة
 علیہا وكانت سائرة فی هذه الحالة لا تصح الصلوة علیہا بلا عذر
 (ملخصاً)

نمبر ۲ اس صورت میں آخر وقت تک ریل کے رکنے کا انتظار کرے۔ جب وقت
 جاتا دیکھے تو پڑھ لے اور بعد میں بوقت موقع قضا کرے کہ ریل کا کم ٹھہرنا ان اعذار میں

سے نہیں، جن سے نماز سواری پر جائز ہوتی ہے۔

نمبر ۳ اس کا جواب اوپر گزر گیا۔

نمبر ۴ اس مجبوری سے سفر غیر ضروری منع نہ ہوں گے کیونکہ نماز کی صورتیں اس میں ممکن ہیں۔ کما لا یمنع من الجماع فاقد الماء کشتی پر ریل کا قیاس صحیح نہیں کہ وہ پانی پر چلتی ہے اور ریل زمین پر اور کشتی بھی اگر کنارہ پر کھڑی اور اترنا ممکن ہو تو کشتی میں بھی یہ نمازیں جائز نہیں۔ عالمگیری میں ہے۔ وان لم تکن مستقرة وتمکنه الخروج عنها لم تجز الصلوة فیہا۔

نمبر ۵ اونٹ کا حکم بھی یہی ہے کہ نفل نماز اس پر جائز ہے۔ اور فرض وغیرہ ممنوع بلکہ اونٹ تو اگر کھڑا ہو جب بھی اس پر فرض وغیرہ نمازیں جائز نہیں۔ بخلاف ریل اور دیگر چارپایوں والی گاڑی کے کہ اگر کھڑی ہوں تو ان پر نماز جائز کہ یہ مثل تخت کے ہیں۔ لہذا ان کا اونٹ پر قیاس کیسا؟ اور قیاس سے کیا فائدہ؟

فتویٰ نمبر ۳۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجھ کو ۳۱ روپیہ سرکار سے پنشن ملتی ہے۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ اپنی پنشن میں سے دس روپیہ سرکار کے ہاتھ فروخت کر دوں۔ اس کی قیمت اپنے لڑکے کی شادی میں خرچ کروں از روئے شرع اب جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

پنشن گورنمنٹ کی طرف سے ایک انعام ہے جو گورنمنٹ کی طرف سے کار گزار ملازموں کو دیا جاتا ہے۔ کل پنشن یا بعد کے بدلہ میں نقد روپیہ لینا حقیقت میں انعام کے

عوض دوسرا انعام لیتا ہے۔ گویا تبدیل انعام بالانعام ہے۔ نہ یہ بیع ہے اور نہ رشوت لہذا اس میں کوئی قباحت نہیں۔ کما فی العربیۃ فانہا مبادلۃ بھیتۃ یا زیادہ سے زیادہ ایک حق (پیشن) بعوض چھوڑنا ہے اور حقوق نفع بعوض مل چھوڑنا جائز ہیں للعرف بخلاف حقوق دفع ضرر کے۔ در مختار میں ہے۔ فیفتی بعواز النزول عن الوظائف بمال شامی میں ہے یجوز اخذ الموض علی وجه الاسقاط للمعق۔ اسی میں ہے ہذا حق جملہ لدفع الضرر و ذالک حق فیہ صلۃ فلا جامع بینہما فافترقا۔ الاشباہ والنظائر میں ہے۔ قد تعارف الفقہا بقاۃ النزول عن الوظائف بمال یعطی لصاحبہا وتعارفوا ذالک فینبی العواز۔ مکرمل یہ عمل جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں مفتی مد

فتویٰ نمبر ۳۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صحیح تاریخ ولادت باسعادت کیا ہے۔ آیا یکم ربیع الاول یا ۹ یا ۱۳؟ علامہ شبلی مرحوم نے ۱۳ ربیع الاول سے انکار کیا ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانی نے ۹ ربیع الاول کو ترجیح دی ہے۔ اس میں ترجیح کس تاریخ کو ہے اور کس پر اتفاق ہے۔

الجواب

تمام اہل سیر و تاریخ اس پر متفق ہیں۔ کہ روز ولادت باسعادت دو شنبہ مبارک ہے۔ اختلاف تین چیزوں میں ہے۔ اولاً یہ کہ سال کون سا تھا۔ دوم یہ کہ مہینہ کیا تھا۔ سوم یہ کہ تاریخ کیا تھی۔ سال کے بارے میں اصح یہ ہے کہ وہ سال لیل تھا۔ ہلاکت اصحاب لیل

سے بچپن دن کے بعد ولادت مبارکہ ہوئی۔ لہذا اپریل ۱۵۷۰ء تھی۔ مہینہ کے بارے میں
چھ قول ہیں۔ محرم، صفر، ربیع الاخر، رجب، رمضان لیکن صحیح ربیع الاول ہے۔ تاریخ کی
بابت سات قول ہیں۔ ۲-۸-۱۹-۲۲-۲۸-۱۸-۲۲ ان سب میں مشہور تر اور معمول بہ
قول بارہ کا ہے۔ لہذا قتل عمل و قول یہ قول ہے کہ ولادت مبارکہ ۱۳ ربیع الاول دو شنبہ
مطابق اپریل ۱۵۷۰ء بوقت صبح صادق ہوئی اور اسی پر اہل عرب و عجم کا اتفاق ہے۔ اور اہل
تاریخ اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ حرمین شریفین میں اسی تاریخ میں محفل میلاد
شریف کا انعقاد ہوتا ہے۔ اور اسی تاریخ میں اہل مکہ مکرمہ مولد پاک مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ
والتسلیمات کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ ابراہیم میں فرماتے ہیں۔ کہ
مشہور آیت کہ در ربیع الاول بود و در روز دہم ربیع الاول بود بعضیے گفته اند کہ بدو شے کہ
گذشتہ بعض ہشت شے کہ گذشتہ و نزد بعضیے وہ آمد و قول اول اشہر و اکثر است و عمل اہل
مکہ بر ایں ست در زیارت کردن ایشان موضع ولادت دریں شب و خواندن مولود
مواہب و زر قلنی میں ہے۔ فقیر ولد للیلین خلنا منہ وقیل لثمان خلنا
منہ وقیل اثنا عشر من ربیع الاول وعلیہ عمل اہل مکہ قدیمہ و حدیثہ فی
زیارتہم موضع مولدہ فی ہذا الوقت ای ثانی عشر ربیع الاول وقیل لسبع
عشر ربیع الاول وقیل ثمان عشرہ والمشہورانہ صلی اللہ علیہ وسلم
ولد یوم الاثنين ثانی عشر ربیع الاول وهو قول محمد ابن اسحاق وغیرہ
قال ابن کثیر وهو المشہور عند الجمهور وبالف ابن الجوزی وابن الجزار
فنفلا فیہ الاجمع وهو الذی علیہ العمل تاریخ ترجمہ ابن خلدون سوم صفحہ ۷ میں
ہے۔ جمہور مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ عبد اللہ ابن عبد المطلب کے انتقال کے چند
مہینہ بعد بارہویں ربیع الاول کو عام الفیل کے پہلے برس بچپن روز کے بعد آنحضرت
ﷺ پیدا ہوئے۔ اس میں حاشیہ پر ہے۔ عام الفیل ۱۵۷۰ء کے مطابق ہے۔ اسی
میں حاشیہ پر ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ولادت ۱۵۷۰ء میں ہوئی تھی۔ غرض قتل

اہم و مشہور ترین روایت یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول دو شنبہ صبح صادق ہوئی۔ ۹ ربیع الاول
 کا کسی نے قول نہیں کیا۔ جبکہ لوہر کی روایتوں سے معلوم ہوا۔ مولوی منظور صاحب کا ۹
 کو ترجیح دینا جہالت ہے۔ جب ۹ کو قول ہی نہیں تو ترجیح کیسی؟ زیادہ تحقیق اعلیٰ حضرت
 قدس سرہ کے رسالہ مبارک نطق الہلال میں دیکھو۔ واللہ اعلم۔
 احمد یار خاں غنی

فتویٰ نمبر ۳۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جدید طریقہ فوٹو گرافی سے جاندار کی
 تصویر کھینچنا یا کھچوانا جائز ہے یا ناجائز۔ اگر جائز ہے تو کیوں؟ اور ناجائز ہے تو کیوں؟ اور اگر
 ناجائز ہے تو شرعاً کھینچنے اور کھچوانے والے کا کیا حکم ہے۔ اور ضرورت شدیدہ میں جیسے
 پاسپورٹ وغیرہ کے موقع پر یہ فوٹو کھچوانا کیسا ہے؟ بینواتو جروا۔

الجواب

جاندار کی تصویر کھینچنا یا کھچوانا مطلقاً ناجائز ہے۔ خواہ قلم سے۔ کھینچی جائے یا فوٹو سے
 لی جائے یا مٹی لوہے پتھر وغیرہ کی بنا کی جائے۔ مسلم و بخاری نے حضرت صدیقہ رضی اللہ
 تعالیٰ عنہما سے روایت فرمائی۔ ان اصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال
 لهم احيوا ما خلقتم انہی بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ اشد الناس عذاباً يوم
 القيامة الذين يضاؤون بخلق الله۔ نیز انہیں بخاری و مسلم نے حضرت عبد اللہ
 بن مسعود سے روایت کی۔ اشد الناس عذاباً عند الله المصرون۔ بخاری میں
 ہے۔ من صور صورة عذب بم۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔
 فان كنت لا بد فاملا فاصنع الشعر وما لا روح فيه۔ در مختار میں ہے۔ هذا

كله فی افشاء الصورة اما فعل التصوير فهو غیر جائز مطلقا لانه مضاهاة
بخلق الله

ان احادیث و عبارات تقبیہ سے معلوم ہوا کہ جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً ناجائز ہے۔
بنانے والا سخت گنہگار ہے اور مستحق عذاب۔ فوٹو کو آئینہ کی صورت پر اس لئے قیاس کرنا
کہ ان دونوں میں صورت خود بخود چھپ جاتی ہے اور فوٹو گرافر اس میں کوئی عمل نہیں
کرتا غلطی ہے اس لئے کہ ان دونوں میں چند وجوہوں سے فرق ہے۔ اولاً تو آئینہ میں
صورت لینے سے وہ تصویر مقصود نہیں بلکہ اپنے چہرہ کے نقائص و عیوب یا خوبیاں معلوم
کر کے نقائص کو دور کرنا ہے۔ لہذا اس کو تصویر سازی کہنا ہی بے جا ہے۔ بخلاف فوٹو کے
کہ اس میں صورت ہی مقصود ہے۔ دوم آئینہ کی صورت کو بقا نہیں۔ جہاں مقلد سے
ہٹایا، صورت غائب ہو گئی۔ فوٹو کی صورت باقی ہے اور باقی رہنے والی صورت کشتی حرام
ہے۔ سوم اگرچہ فوٹو میں صورت خود بخود آتی ہے۔ لیکن اس کو باقی رکھنے کے لئے عمل
کیا جاتا ہے اس کو صاف کیا جاتا ہے۔ جو کہ ہمارے فعل ہیں۔ چہارم، فوٹو کے یا تصویر
کے حرام ہونے میں حکمت یہ ہے کہ مشرکین اس کی پرستش کرتے ہیں۔ لہذا ان کا بنانا
منع کر دیا گیا اور چونکہ غیر جاندار کی پرستش نہیں ہوتی۔ اس کی اجازت دی گئی۔ فوٹو اور
قلمی تصویر کی یکساں پرستش کی جاتی ہے بلکہ فی زمانہ مشرکین فوٹو ہی کی زیادہ پرستش
کرتے ہیں۔ آئینہ کی صورت نیز دھوپ یا چاندنی کا سایہ پوجا نہیں جاتا لہذا فوٹو حرام ہے
کہ اس میں حکمت ممانعت موجود ہے۔ اور آئینہ وغیرہ میں صورت دیکھنا جائز کہ اس میں
علت حرمت مفقود۔ اسی لئے پہل کے درخت یا آفتاب یا چاند یا آگ کی تصویر حرام
نہیں۔ کہ اگرچہ یہ تمام چیزیں پوجی جاتی ہیں۔ اس لئے ان کی اصل کی پرستش ہے۔
لیکن ان کی تصویر کی پرستش نہیں۔ اگر جاندار تصویر کا سر غائب کر دیا گیا تو اب اس کا رکھنا
مضر نہیں۔ نیز اگر جاندار کے صرف جسم کی تصویر قلم سے بنائی سر نہ بنایا تو جائز اور صرف
سر و چہرہ کا نقشہ بنایا تو حرام کہ صرف سر و چہرہ کی پرستش ہے۔ صرف جسم کی نہیں۔

رد المحتار میں مقطوعۃ الراس کے تحت میں ہے۔ لانہا لا تعبد بدون الراس عادة وقید بالراس لانہ لا اعتبار بازالة العاجبین او العینیین لانہ تعبد بدونہما۔ اسی شامی میں ہے۔ فان قيل عبد الشمس والقمر والكواكب والشجرة الخضراء قلنا علینہ لا تمثال۔ پنجم۔ تصویر کی ممانعت نص سے ثابت ہے اور حضور انور ﷺ کا چہرہ مبارکہ کو آئینہ میں ملاحظہ فرمانا بھی نص سے ثابت ہے۔ کما فی الحدیث لہذا پانی اور آئینہ کی شکل کا جواز تو نص میں آگیا۔ نوٹ کے جواز کے لئے کون سی نص ہے۔ لہذا یہ تصویر ہی کے حکم میں داخل رہے گا۔ تصویر کھینچنے والے کے احکام مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہو گئے۔ کہ ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ وہ شریعت کے بڑے مجرم ہیں۔ ان سے قیامت میں کہا جائے گا کہ ان تصویروں میں جان ڈالو۔ یہ لوگ مرتکب حرام ہیں۔ تاوقتیکہ اس سے تائب نہ ہوں۔ ان کو لام نہ بنایا جائے۔ نیز تصویر کھچوانا بھی اسی جرم میں داخل ہے۔ لانہ اعانتہ علی المعصیۃ ورضاع بہ۔ اور ضرورت شرعیہ کے موقعہ پر تو ہر جگہ مستثنیٰ رہتے ہیں کہ۔ الضرورات تبیح المحظورات۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۳۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ذیل کی آیات کی تحریر کردہ تفسیر درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جردا۔

والشمس وضعتها ○ والقمر اذا قلہا ○ قسم ہے اس رخ انور کی جس کا فیض خاص و عام ہے۔ قسم ہے اس رخ جمل کی جس کی شیداہر جان ہے۔ یا ایہا المزمس ○ اے سلیہ رحمت رکھنے والے سارے جہان پر (کبل کی صورت میں) یا ایہا المدثر ○ اے سلیہ رحمت رکھنے والے اسلام پر (چادر کی صورت میں) الم

الف اللہ، لام جبریل، میم محمد۔

الجواب

توجیہات مذکورہ ان آیات کی تفسیر نہیں ہے بلکہ تلویلیں ہیں۔ ان میں کسی قسم کی قباحت نہیں۔ بالکل درست اور صحیح ہیں۔ اس قسم کی تلویلیں اور توجیہیں مفسرین کرام کرتے ہیں۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے:-

فَقَالُوا مِثْلًا فِي الْمِ الْفِ اللَّهُ وَ لَامِ جِبْرِيلِ وَمِيمِ مُحَمَّدٍ يَعْنِي أَرْسَلَ اللَّهُ جِبْرِيلَ إِلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقُرْآنِ أَوِ الْفِ أَنَا وَاللَامِ اللَّهُ وَالْمِيمِ أَعْلَمُ يَعْنِي أَنَا اللَّهُ أَعْلَمُ۔ اسی طرح روح البیان میں وَالْفُحْيُ وَاللَّيْلُ اِذَا جِيءَ بِهَا تَوْجِيهًا يَهِيَ كَيْ هِيَ۔ یا اشارت ست بروشنی روئے حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام و کنایت ست از سیاہی موئے وے صَلَّيْنا عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ ۔

وَالْفُحْيُ رَمْزٌ زُرْدٌ بِحُجْرَةٍ مَصْطَفَىٰ۔ معنی وَاللَّيْلُ گیسوئے سیاہ مصطفیٰ احمد یار خاں غنی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں دو طالب علم قیام پذیر ہیں اور مسجد مذکورہ میں ایک حجرہ ہے جو ان کو رہنے کے لئے دیا گیا ہے۔ اور طالب علمان مذکورہ کے پاس دو چارپائیاں ہیں جن کو کبھی اندر اور کبھی باہر بچھا لیتے ہیں۔ اب ان چارپائیوں کو انہوں نے مسجد کے اندر بچھانا شروع کیا ہے اور لائین میں مٹی کا تیل پڑا ہوتا ہے۔ اس کو رکھ کر اخبار بنی کرتے ہیں۔ یہ فعل ان کا جائز ہے یا ناجائز اور ان کے اس فعل سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے یا نہ؟

از مغلیہ پورہ۔

الجواب

مسجد میں نماز و عبادت کے لئے ہیں۔ ان میں کوئی دنیاوی کام بلا ضرورت جائز نہیں اور اگر ضرورتاً کسی کام کی اجازت دی جائے گی تو بقدر ضرورت۔ نیز اس کا ادب و احترام بہت ضروری ہے لولا ”مسجد میں سونا مسافر اور معتکف کے سوا کسی کو جائز نہیں ہے۔ در مختار میں ہے۔ ویکرہ اکس ونوم الا المعتکف وغریب طلباء اگر پرہیزی ہوں اور دوسری جگہ سونے کا انتظام نہ ہو سکے۔ تو ان کو مسجد میں سونا جائز ہے۔ لیکن چارپائی بچھانا ضرورت سے زائد کام ہے اور مسجد کے ادب کے خلاف“ اس لئے جائز نہیں۔ اگر کوئی مسجد میں میز و کرسی لگائے تو ضرور اسے روکا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ فعل ادب مسجد کے خلاف ہے۔ اسی طرح چارپائی کا بچھانا بھی آداب مسجد کے خلاف ہے۔ لہذا منع کیا جائے گا۔ اسی طرح مسجد میں مٹی کا تیل جلانا بھی جائز نہیں کہ مٹی کا تیل بدبودار چیز ہے۔ مسجد میں لانا جائز نہیں۔ لہسن و پیاز کچی کھا کر جس کی منہ سے بو آتی ہو۔ مسجد میں آنا منع ہے۔ شامی میں ہے۔ الحدیث الصحیح فی النہی عن قربان اکس ثوم والبصل المسعد۔ اسی میں ہے۔ ویلحق مما نص علیہ فی الحدیث کس مالہ رائحة کربہہ ماکولاً او غیر ماکول۔ ہاں اگر کسی صورت سے مٹی کے تیل کی بدبو اڑادی جائے یا اس طرح لیمپ وغیرہ میں بند کیا جائے تو اس کی بدبو ظاہر نہ ہو تو جائز ہے۔ مسجد میں اخبار بنی اگر دینی ضرورت کی وجہ سے ہو تو جائز ہے ورنہ منع کہ یہ دنیاوی فعل ہے۔ جیسے دنیا کی باتیں مسجد میں کرنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی منع۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں مفتی مد

فتویٰ نمبر ۳۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حج لائن پر جو جہاز چلتے ہیں وہ سندھیا کمپنی کے ہیں یہ ایک ہندو کمپنی ہے اور اس نے جدہ میں اپنا دفتر قائم کیا ہے۔ زمانہ حج میں اس کے دفتر مکہ مکرمہ اور منی وغیرہ میں بھی ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کی اسلام دشمنی جس حد پر پہنچ چکی ہے وہ ظاہر ہے کہ انہیں مسلمانوں کی کسی تباہی پر بھی صبر نہیں اور وہ ہر دم مسلمانوں کو برباد کرنے کی سرگرم کوششوں میں مشغول ہیں۔ ان کی زبانوں سے ان کے ٹپاک ارادوں کا اظہار بھی ہو چکا ہے۔ کہ معاذ اللہ کعبہ معظمہ پر آدم کا جھنڈا گاڑیں گے۔ اور اپنے دین باطل کے تبلیغ کریں گے۔ عدن بھی ہندو پہنچ چکے ہیں اور ان کی ساہوکاری وہاں کے مسلمانوں کا اسی طرح شکار کر رہی ہے۔ جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کو برباد کر چکی ہے۔ عراق بھی ہندو پہنچ گئے ہیں اور اپنے دین باطل کی دھن میں ہیں۔ ان حالات میں اندیشہ ہے کہ اگر سندھیا کمپنی کے جہازوں میں حاجی سفر کرتے رہے اور جدہ ان کا مستقر بن گیا تو غریب عرب ان کی ساہوکاری سے بہت جلد تباہ ہو جائیں گے اور ان کی املاک و اراضی اور بلاد مقدسہ کی زمینیں ان کے قبضہ میں آجائیں گی۔ اور جس طرح فلسطین میں یہودیوں کی آبادی عربوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔ اس سے بدرجہا زیادہ مصیبت حجاز کی سرزمین میں رونما ہوگی۔ ان خطرات کے پیش نظر مسلمانوں کو مدینہ السند و غیرہ سندھیا کمپنی کے جہازوں میں سفر کرنے کا کیا حکم ہے۔ بنیو اتو جروا۔

الجواب

بلاد عرب خصوصاً حجاز مقدسہ کی سرزمین پاک زادھا اللہ تعالیٰ عزہ و عظمتہ و صانہا عن مکر فتنہ و حفظ اہلہا من شر مکر و کائد بجاہ حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و مشرکین سے محفوظ رکھنا اور ان کی دست برد سے بچانا

بہت اہم ہے اور اہم واجبات میں سے ہے۔ کیونکہ کفار و مشرکین نجس ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ **انما المشرکون نجس** اور ملک عرب خصوصاً حجاز مقدس پاک اور مرکز اسلام ہے۔ ان نجس لوگوں کے خطرہ تسلط سے اس سرزمین کو بچانا بہت اہم ہے۔ نیز حضور انور ﷺ نے اپنے آخری عہد مبارک میں خطہ عرب کو کفار و مشرکین سے پاک کرنے کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ صحیح مسلم و صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ **لما اشتد برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعه قال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب** اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی مرضہ الذی مات فیہ لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب** اسی طرح سیدنا امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی مؤطا میں حضرت عمر بن عبد العزیز سے روایت کی۔ **بلغنی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یبقین دینان بجزیرۃ العرب** مسلم نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ **انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یرجن الیہود والنصری من جزیرۃ العرب حتی لا ادع فیہا الا مسلما**۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے کفار و مشرکین سے جزیرہ عرب کو پاک کرنے کا تاکید حکم دیا۔ اسی فرمان عالی شان پر عمل کرتے ہوئے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بلاد عرب سے تمام کفار کو نکل دیا۔ حتیٰ کہ ملک عرب میں صرف مسلمان ہی رہے۔ مؤطا امام محمد میں ہے۔ **فاخرج عمر من لم یکن مسلماً من جزیرۃ العرب بهذا الحدیث** فتح القدیر میں ہے۔ **قال ابن شہاب فتفحص عمر ذالک حق اتاہ الیقین عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب** فاجلی یہود خیبر واجلی یہود نجران وفدک یہاں تک کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کفار تاجروں کو بھی مدینہ

منورہ میں تین دن سے زائد ٹھہرنے کی اجازت نہ دی۔ اسی موطا میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ ان عمر ضرب للنصارى واليهود والمجوس بالمدينة اقلية ثلث لیل لیقیمون ویقضون حوائجهم ولم یکن احد منهم یقیم بعد ذالک درختار میں ہے ویمنعن من استیطان مكة والمدينة لا فہما من ارض العرب قال علیہ الصلوۃ والسلام لا یجتمع فی العرب دینان ولو دخل للتجارة جاز ولا یطیل۔ روا المختار میں ہے۔ افادان الحكم غیر مقصود علی مكة والمدينة بل جزيرة العرب کلها کذا لک۔ بحرالائق میں ہے۔ وفي ارض العرب یمنون من ذالک فی امصارها وقرائنها القولہ علیہ السلام لا یجتمع دینان فی جزيرة العرب وشمس کلامہ المواضع کلها۔ اسی بحر میں ہے۔ وفي التتار خانية یمکنون من المقام فی دار الاسلام۔ وہ روایت عامۃ الکتب۔ الا ان یكون من امصار العرب وارض العجاز۔

ان احادیث صحیحہ و عمل صحابہ کرام و عبادت فقہائے کرام سے کالشمس والا مس یقینی طور پر معلوم ہوا کہ ملک عرب کو کفار و مشرکین سے محفوظ رکھنا شرعاً بہت ضروری ہے۔ اگر وہاں پہلے سے آہل ہوں تو ان کو نکالنا مسلمانوں پر واجب ہے چہ جائیکہ ان کے پہنچنے کے اسباب کو تقویت دینا اور اس کا ذریعہ بننا۔ اب چونکہ سند حیا کمپنی کے جہازات سے حاجیوں کو سفر کرنے میں وہ زبردست خطرات موجود ہیں۔ جو مسفتی نے بیان کئے۔ اس لئے مسلمانوں کو کسی طرح درست نہیں کہ اس میں سفر کر کے اس کمپنی کو تقویت دیں۔ اور مشرکین کو عرب میں قدم جمائے اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے جل پھیلانے میں مدد و معاون ثابت ہوں۔ جب کہ ہم اپنی ذاتی جائیداد و املاک کو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رکھتے ہیں اور اس کے لئے ہر کوشش عمل میں لاتے ہیں۔ تو حجاز مقدس کی زمین پاک کی حفاظت اور اس کو خطرات سے بچانا نبی اکرم ﷺ کے حکم

کی تعمیل کے لئے ہمارے ذمہ اہم فرائض میں سے ہے اس میں کوتاہی کرنا۔ اور تعادل برقرار نہ کسی طرح جائز ہو سکتا ہے۔ نہ قرین عقل و دانش ہے۔

سندھیا کمپنی کے جہازات سے یا جس سے یہ خطرات ہوں سفر قطعاً ترک کر دینا چاہیے۔ اگرچہ اس میں بہ نسبت اور جہازوں کے زیادہ آسائش بھی ہو۔ کیونکہ اپنی آسائش کی غرض سے سرزمین مقدس کے لئے خطرات کو گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ اگر مسلمانوں نے سندھیا کمپنی کے جہازات میں سفر ترک نہ کیا اور اس کو طاقت پہنچاتے رہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ انہوں نے خود سرزمین پاک میں ہندوؤں کے قدم جمائے اور انہیں تبلیغ کفر و تخریب بقعہ پاک پر مدد دی۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

ان حالات میں مناسب تو یہ ہے کہ مسلمان اپنی جہاز کمپنی قائم کر کے اس میں سفر کریں۔ کہ اس عمل سے خطرات سے بھی امن ہو گا اور ایک مفید تجارت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے گی۔ جس وقت تک اپنی جہاز کمپنی تیار نہ ہو اس وقت تک مغل لائن سے سفر کریں تا کہ سندھیا کمپنی ناکام ہو اور ہندوؤں کے منصوبوں کو وجود میں آنے کا موقع نہ ملے۔ مار لسن کمپنی میں بھی اگرچہ غلبہ نصاریٰ کا ہے۔ اور مسلمانوں کے حصے بہ نسبت ان کے کم ہیں۔ لیکن یہ کمپنی مدت سے کام کر رہی ہے اور ایک زمانہ کے تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے تجارتی منافعوں کے علاوہ اس طرف نظر نہیں ڈالتی۔ جو ہندوؤں کا مطمح نظر ہے۔ اور خطرات اور اندیشہ سندھیا کمپنی سے ہیں۔ اس کے وجوہ مار لسن کمپنی سے نہیں پائے جاتے لہذا باقاعدہ اذا ابتلیت بین بلیتین فلیخترا ہونہما۔ بحالت موجودہ سفر حج مار لسن کمپنی میں کیا جائے اور مسلمانوں کو سندھیا کمپنی کے جہازوں میں سفر کرنے سے بکوشش روکا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

احمد یار خاں علی مد

فتویٰ نمبر ۳۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں گرمیوں کے موسم میں عام طور پر لوگ مساجد کی چھتوں پر چڑھ کر نماز پڑھتے ہیں اور جماعت ہوتی ہے۔ کیا مسجدوں کی چھت پر نماز کے لئے چڑھنا بلا کراہت جائز ہے؟ اور گرمی اس کے لئے عذر ہو سکتی ہے۔ بعض لوگ اس مسئلہ میں ضد کرتے ہیں۔ اس لئے کتاب کا حوالہ مع عبارت تحریر فرمائیے۔ بیوا تو جروا۔

الجواب

اگر مسجد کے بلائی حصہ پر عمارت نہ ہو اور چھت محض سقف مسجد ہو۔ تو اس پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں مسجد کی بے ادبی ہے۔ زیرین حصہ مسجد میں گرمی ہونا عذر نہیں۔ ہاں اگر اس حصہ میں گنجائش نہ رہی اور آدمی زیادہ ہیں تو چڑھنا جائز ہے۔ غنیہ شرح منیہ میں بحث تراویح میں ہے۔ وکذا الوصلی علی سطح المسجد فی شدة الحرای یکرہ لقوله تعالی قل نار جہنم اشد حرا لو کانوا یفقیہون۔ کبیری میں یہ سے نقل کیا۔ امام یصلی التراویح علی سطح المسجد اختلف فی کراہیتہ والاولی ان لا یصلی علیہ عند العذر فکیف بغيره عالمگیری کتاب الکراہیت میں ہے۔ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولہذا اذا اشتد الحریکرہ ان یصلو فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحينئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورة۔ در مختار میں ہے۔ ثم رایت القہستانی نقل عن المنیہ کراہۃ لصعودہ علی سطح المسجد ویلزمہ کراہۃ الصلوۃ ایضا فوقہ۔ شامی کتاب الصلوۃ اداب المسجد۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ مسجد کی چھت پر چڑھنا اسی لئے مکروہ ہے کہ اس

میں مسجد کی بے ادبی ہے۔ ضرورت شدیدہ کے وقت الضرورات تبیح المحظورات کی بنا پر جائز ہو گا۔ گرمی سے بچنا راحت حاصل کرنا ہے۔ یہ وہ ضرورت نہیں۔ جس سے ایک ممنوع شے کو مباح کیا جاسکے۔ لہذا گرمی سے بچنے کے لئے چڑھنا ممنوع ہے۔ اور اگر پست کی مرمت وغیرہ کرنا ہے یا کہ مسجد میں نماز کی جگہ بالکل نہ رہی۔ تو جائز ہے۔ کراہت اسی صورت میں ہے۔ جب کہ مسجد کی چھت پر کوئی عمارت نہ ہو۔ کیونکہ اب وہ جگہ محض چھت ہے۔ لہذا اس پر چھت کے احکام جاری ہوں گے۔ اور بصورت دیگر وہ جگہ اوپر کی عمارت کا صحن وغیرہ ہے۔ اس لئے اس جگہ پر جانا محض چھت پر جانا نہیں بلکہ بلائی منزل کے صحن وغیرہ میں جانا ہے۔ لہذا جائز ہے۔ اس لئے کہ از تحت الشری تاساء مسجد مسجد ہے در مختار لانه مسجد الی عنان السماء۔ اس کے باوجود مسجد کے نیچے تہ خانہ مصالح مسجد کے لئے اور اوپر اس کے بالا خانہ یا امام کے رہنے کے وقت تعمیر مسجد مکان بنانا جائز ہے۔ بحر میں کتاب الوقف میں احکام المسجد میں ہے۔ بخلاف ماذا کان السرداب او الملو موقوفاً لمصالح المسجد فانه يجوز۔ اسی مقام پر ہے۔ لوینی بیتا علی سطح المسجد یسکن الامام فانه لا یضر لکونہ مسجد لانه من المصالح اسی میں ہے اذا بنی مسجد اوینی عرقہ وهو فی یدہ فله ذالک۔ در مختار میں ہے۔ واذا جعل تحتہ سردا بالمصالحہ جاز المسجد القدس۔ اسی میں ہے۔ لوینی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانه من المصالح۔ ردالمحتار میں ہے۔ بخلاف ما اذا کان السرداب والملو موقوفاً لمصالح المسجد بنو کسرداب بیت المقدس۔ تو اب اگر مطلقاً سطح مسجد پر چڑھنا ہر حال میں مکروہ ہو تو تہ خانہ والی کے فرش پر آنا منع ہو گا۔ کہ یہ جگہ تہ خانہ کی چھت ہے۔ اور امام کو اس رہنے کے مکان میں جانا منع ہو گا کہ یہ جگہ سقف مسجد ہے۔ حالانکہ یہ دونوں امور جائز۔ لہذا معلوم ہوا کہ مسجد کی خالی چھت پر چڑھنا منع اور اگر اوپر عمارت ہو تو جائز۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں مفتی مد

فتویٰ نمبر ۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے سر سے بیوی کی رخصتی مانگی سر نے کہا کہ دو مہینے کے بعد رخصتی ملے گی۔ رخصتی مانگنے والا نشہ میں تھا۔ ایک دوسرے شخص سے اس نے کہا کہ ہم نے جواب دے دیا۔ میری چیز دلوادیتے۔ اس کے بعد ہی پھر اس نے اپنے سر سے کہا کہ میری چیز دے دیتے۔ ہم نے طلاق دے دیا۔ اس کے بعد اس نے ایک خط لکھا مجھ کو کہ ہم نے اپنی بیوی کو نشہ میں طلاق دے دیا ہے۔ اب ہم رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے دریافت کرتے ہیں۔ کہ صورت مسئلہ میں طلاق ہوا یا نہیں۔ اگر ہوا تو رجوع ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر رجوع ہو سکتا ہے۔ تو اس کی کیا ترکیب ہے۔ مفصل لکھیں۔ بنو اتو جرو۔

الجواب

صورت مذکورہ میں ایک طلاق واقع ہو گئی۔ کہ نشہ والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وفي التتار خانیہ طلاق السكران واقع اذا سکر من الخمر والنبیذ وهو مذهب اصحابنا۔ اب اگر اس کی عورت پہلے اپنے شوہر کے پاس رہ چکی ہے تو طلاق رجعی واقع ہوئی کہ عدت کے اندر اندر اگر چاہے بغیر دوبارہ نکاح کئے ہوئے رجوع کر سکتا ہے۔ در مختار میں ہے۔ ان الصریح نوعان صریح رجعی صریح ہائن فالاول ان یکون بعرف الطلاق بعد الدخول۔ رجوع کرنے کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ منہ سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کیا اپنی بیوی سے اور بہتر یہ ہے کہ اس پر گواہ بنائے اور بی بی کو خبر بھیج دے۔ در مختار میں ہے۔ ہی استدلال

الملک فی العدة بنعورا جعتک وردتک الی ان قال وندب اعلامها وندب الاشهاد بعد لیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ فالصنی ان یراجعها بالقول ویشهد علی راجعتها ویعلمها۔ لیکن اگر وہ بی بی اس شوہر کے بالکل نہیں آئی۔ صرف نکاح ہی ہوا ہے یا آئی تھی مگر طلاق دیئے ہوئے بہت دن ہو گئے کہ عورت کی عدت گزر گئی۔ تو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ اگر عورت اس مرد کے پاس آ چکی ہے اور طلاق کو دیئے ہوئے اتنا عرصہ نہیں گزرا کہ جس میں عدت گزر جائے تو رجوع کر سکتا ہے رجوع کے لئے اتنا منہ سے کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اپنی اس بیوی سے رجوع کیا واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خاں مفتی مد

فتویٰ نمبر ۳۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

- (۱) مشرہ محرم میں تعزیر داری جو کہ ہندوستان میں رائج ہے۔ جس میں ضریع و علم و ماتم و نوحہ وغیرہ ہوتا ہے۔ لٹل سنت کے نزدیک جائز ہے یا ناجائز ہے؟
- (۲) شریعت مطہرہ نے مشرہ محرم کس طرح گزارنے کا حکم دیا ہے؟
- (۳) کیا شوکت اسلام کے لئے تعزیر داری جائز ہے؟
- (۴) اس کی اصلیت کیا ہے اور ابتداء کیونکر اس ملک میں ہوئی؟

الجواب

فی زمانہ مروجہ تعزیر داری بہت سے عمرات اور خرافات پر مشتمل ہے اس لئے یہ

مروجہ تعزیہ داری ناجائز ہے۔

(۱) اکثر تعزیوں میں جاندار براق اور پری وغیرہ کی تصاویر ہوتی ہیں اور تصویر بنانا اور تصویر کو حرمت و احترام سے رکھنا دونوں ناجائز ہیں۔ بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی۔ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل مصور فی النار یجعل لہ بکن صورة صورہا نفسا فیعذبہ فی جہنم۔ انہی بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرمایا۔ ان اصحاب هذه الصور یعذبون یوم القیامة یقال لہم اھیو اما خلقتم انہی بخاری و مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ فان کنت لا بد فاعلا فاصنع الشعر وما لا روح فیہ ان احلیث سے معلوم ہوا کہ تصویر سازی سخت حرام اور باعث عذاب الہی ہے۔ نیز بخاری و مسلم میں سیدنا ابو طلحہ سے روایت کیا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولا تصاویر۔ نیز سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یترک فی بیتہ شیئا فیہ تصاویر الا یقضہ ان روایات سے معلوم ہوا کہ تصویر رکھنا (شوقیہ یا عزت و احترام) منع ہے۔

(۲) بہت پیسہ خرچ کر کے تعزیہ بنایا جاتا ہے۔ پھر اس کو توڑ پھوڑ کر دفن کر دیا جاتا ہے جو مال کا ضائع کرنا ہے اور اسراف ہے جو حرام ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ ان اللہ لا یحب المرفین۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ان المبذرين کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفورا ○ وقال نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قیل وقال امراً وکثرة السؤال واضاعة المال۔

(۳) بہت سی جگہ تعزیہ کے ساتھ سینہ کوہی اور لوح ہوتے ہیں جو سخت غضب

الہی کا باعث اور بدترین جرم ہے۔ ابو داؤد میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے

روایت کیا۔ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحة والمستمعة
یعنی حضور ﷺ نے نوحہ کرنے والوں اور نوحہ کو (بہ رضا) سننے والوں پر لعنت
فرمائی ہے۔ نیز سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مسلم و بخاری نے روایت کی۔
لیس منا من ضرب الحدود و شق الجيوب و دعا بدعوى الجاهليق۔ ابن ماجہ
نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان تتبع جنازة معها رائحة نیز نوحہ اور دیگر طریقہ سے اظہار بے صبری
کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم تو فرماتا ہے۔ یا ایہا الذین امنوا استعینوا
بالصبر والصلوة ان اللہ مع الصابرين ○ نیز فرماتا ہے۔ بشر الصابرين الذین
اذا اصابتهم مصيبة قالوا ان اللہ وانا الیہ راجعون ○ قرآن پاک تو مصیبت کے
وقت صبر اور نماز کا حکم دے اور ہم بے صبری کا اظہار کریں۔

(۴) تعزیہ کے ساتھ باجے گانے ہوتے ہیں۔ اور باجہ بجز چند موقعوں کے دوسری
جگہ حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ مع کل مزممار شیطن نیز در مختار میں ہے۔
استماع صوت الملامی کضرب القصب ونحوہ حرام لقولہ علیہ السلام
استماع الملامی معصیۃ والجلوس علیہا فسق وثلذ ذبہا کفرای
بالنعمۃ سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں صوت اللہو
والغناء یبنت النفاق فی القلب کما یبنت الماء النبات۔ یعنی گانے باجے
کی آواز دل میں نفاق پیدا کرتی ہے۔

(نوٹ) اگر غور کیا جائے تو تعزیہ مروجہ یزیدیوں کے فعل کی نقل اور ایک طرح کی
اظہار خوشی ہے۔ اس لئے کہ یزیدیوں نے سید الشہداء شہید کر بلا اللہ تعالیٰ وغیرہ کے
سروں کو نیزوں پر چڑھا کر شہرہ شہر پھرایا۔ اسکی نقل یہ اتاری گئی کہ علم ہنا کر اس کو گشت
کر لیا گیا۔ یزیدیوں نے اس اپنی ظاہری فتح کی خوشی میں کھیل و کود اور دیگر خرافات کام
کئے۔ ان جملاء یا بے دلوں نے ماتم کے نام سے اچھل کود کر ان کی نقل اتاری۔ غرضیکہ

یہ طریقہ اظہار غم کا عقلاً و نقلاً کسی طرح درست نہیں۔ حقیقت میں اگر یہ اظہار غم کا طریقہ ہوتا تو ہم سے زیادہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام و دیگر پسماندگان اہل بیت کو صدمہ و غم ہوا۔ ان سے ضرور منقول ہوتا۔ حالانکہ کہیں ثابت نہیں۔ کہ ان حضرات نے کسی طرح کھیل کود اور ہلچل بجا کر شہروں میں گشت کیا ہو۔ بہر حال یہ فعل یزید کی نقل ہے۔ نہ کہ فعل سیدنا امام حسین علیہ السلام۔ کہ روافض جو کہ حقیقت میں قاتلین سیدنا امام حسین علیہ السلام ہیں۔ اور یزیدیوں کی یادگار اگرچہ تقیہ کر کے اپنے کو محب اہل بیت کہتے ہوں۔ وہ فتح یزید کی خوشی میں ان افعال شنیعہ کے مرتکب ہوں تو ہوں۔ ایک سنی غلام اہل بیت و صحابہ کرام کس طرح ان افعال کا مرتکب ہو کر یزیدیوں میں شامل ہو سکتا ہے۔

(۲) عشرہ محرم میں عبادات کی کثرت کریں۔ خدا تعالیٰ توفیق دے تو پورے دس دن نہیں تو کم از کم نویں و دسویں کو روزہ رکھیں۔ اس زمانہ میں ذکر سید الشہداء کی مجالس منعقد کر کے صحیح روایات واقعہ کر بلا پڑھیں کہ صالحین کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ بکثرت سبیلین لگائیں۔ کچھ دالمیدہ وغیرہ بنا کر حضرت سید الشہداء کی جناب میں ایصال ثواب کریں۔ کثرت سے صدقہ و خیرات کر کے ان کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچائیں۔

(۳) دور حاضر میں مصلحت یہ ہے کہ تعزیہ داری سے مذکورہ بالا محرمات اور افعال شنیعہ کو نکل دیا جائے۔ اور اصل جلوس باقی رکھا جائے۔ کیونکہ اس اجتماع سے خصوصاً بنوٹ وغیرہ دیگر ہنر کے اظہار سے کفار کے قلوب پر مسلمانوں کی ہیبت اور اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر تعزیہ داری میں سے وہ امور جو اوپر مذکور ہوئے۔ نکل دیئے جائیں اور صرف روضہ پاک کا نقشہ بنایا جائے تو اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فرمان سے ثابت ہوا۔ بلکہ اس کا رکھنا باعث برکت ہے۔

(۴) ایک تاریخی سوال ہے۔ جس کا تعلق فتویٰ سے نہیں۔ مشہور یہ ہے کہ تیمور لنگ کے زمانے سے اس کی ابتداء ہوئی۔

فتویٰ نمبر ۳۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ خدا فراچکا قرآن کے اندر میرے محتج ہیں پیرو پیغمبر۔ بکرنے روک دیا کہ کلمہ کفریہ ہے۔ امام مجلس میں سنا تا گمراہ کرتا ہے۔ قرآن پاک میں محتج کا لفظ پیرو پیغمبروں کے واسطے مخصوص کہیں نہیں آیا۔ بلکہ خطاب کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ محتج کا لفظ نہایت گستاخانہ ہے۔ باقی ہر مخلوق خدا کی محتج ہے۔

(۱) کیا زید اپنے عقیدہ اور قول میں سچا ہے؟ اور کوئی آیت قرآن پاک میں ہے؟ جس کا ترجمہ یہی ہو۔ میرے محتج ہیں پیرو پیغمبر۔

(۲) کیا بکرا اپنے قول و عقیدہ میں سچا ہے اور محتج کا کلمہ کفریہ ہے؟ اور قرآن پاک میں کس آیت کے ترجمہ میں محتج کا لفظ ہے۔ مدلل جواب عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے۔

از ردی شریف ضلع بارہ بنگی

الجواب

زید بے قید اپنے قول میں کاذب محض ہے۔ قرآن کریم پر بہتان باندھا ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ من شخص کسی ایسی بات کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کرے جو حضور نے نہ فرمائی ہو وہ جہنمی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حدیث گمراہ گناہ ہے۔ زید ایک غلط بات گھڑا

اللہ واستغفر لہم الرسول لوجود اللہ تو اباً رحیمًا جس سے معلوم ہوا کہ مجرم و گنہگار اپنی مغفرت میں حضور کے محتاج ہیں کہ شفاعت فرماویں تو گناہ معاف ہوں۔ غرضیکہ ہر طرح ثابت ہوتا ہے۔ کہ تمام عالم انبیاء کا محتاج ہے اور انبیاء تمام مخلوق کے محتاج الیہ۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ ولسوف یعطیک ربک فترضی۔ آپ کا چہرہ انور کے آسمان کی طرف اٹھنے کو دیکھ رہے ہیں۔ لہذا ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں۔ جسے آپ چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جو مرضی محبوب ہوتی ہے۔ وہ امر الہی ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ زید کا قول محض باطل اور توہین انبیاء پر مشتمل ہے اور بکر کا اعتراض نہایت حق اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فتویٰ نمبر ۴۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نماز کا پابند نہیں بلکہ نماز قضا کرتا ہے اور مقتدیوں کو معلوم نہیں۔ لیکن عمرو کے علم میں ہے۔ زید جمعہ کی نماز پڑھانے جایا کرتا ہے تو اس صورت میں عمرو مقتدیوں کو اس حالت سے مطلع کر دے یا نہیں؟
(۲) زید کے ہاتھ پر چوٹ لگی ہے۔ جس سے کان تک ہاتھ نہیں پہنچتا تو زید کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

از مراد آباد

الجواب

جو شخص مذکور امام کے اس عیب سے واقف ہو۔ وہ ایسے شخص کو اپنا امام نہ بنائے کہ یہ شخص تارک صلوٰۃ فاسق ہے۔ اور فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے۔ در مختار میں ہے۔ ویسکرہ تنزیہا امامۃ عبد و امرابی و فاسق۔ لیکن جو لوگ کہ اس امام کے اس

عیب سے واقف نہ ہوں۔ ان پر اس کے فسق کو ہرگز ظاہر نہ کرے کہ یہ غیبت ہے اور مسلمان کی غیبت کرنا اور کسی مسلمان کے عیب ظاہر کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ **وَلَا تَجَسَّوْا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا** ایحب احدکم ان یاکس لعم انھمہ میقادرتھا میں ہے۔ **وَمَا تَكُونُ الْغِيبَةُ بِاللِّسَانِ** تکون بالفصل وکل ما یفہم منہ المقصود فہو داخل فی الغیب وھو حرام ملخصا جو لوگ امام مذکور کے اس فسق سے واقف نہ ہوں۔ ان کی نماز بلا کراہت اس کے پیچھے جائز ہے۔ **لَا نَهَیْصُ بِفَاسِقٍ مَّعْلُنٍ** ہاں اس فاسق امام کو خفیہ تنبیہ کرے کہ تم اس گناہ سے باز آؤ ورنہ تمہارے عیب ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ ممکن ہے کہ وہ اس خوف سے اپنے گناہ سے توبہ کر لے کہ یہ فاسق کو فسق سے روکنے کی ایک موثر تدبیر ہے۔ جس کا ہاتھ ٹوٹا ہوا ہو۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے اگر لوگ کراہت کرتے ہوں تو اس کو امام نہ بنانا چاہیے۔ اور اگر لوگ راضی ہوں تو اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے۔ شامی میں ہے۔ **وَمَنْ لَهٗ يَدٌ وَاحِدَةٌ فَتَاوَى الصَّوْفِيَّةَ عَنِ التَّحَفُّةِ وَالظَّاهِرَانَ الْعِلَّةَ النَّعْرَةَ وَاللَّهٗ تَعَالٰی اَعْلَمُ**

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض مقلات میں پشت مسجد میں دروازہ کھول کر دروازہ کے سامنے چبوترہ بنا کر جنازہ چبوترہ پر رکھا جاتا ہے اور امام و مقتدی مسجد میں کھڑے ہو کر نماز جنازہ ادا کرتے ہیں۔ آیا اس طریقہ پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو بلا کراہت یا بکراہت۔

لھ پھر ایوں (مراد آہاں)

الجواب

مسجد جماعت میں بلا مجبوری نماز جنازہ پڑھنا ہر طرح مکروہ ہے۔ خواہ جنازہ مسجد سے باہر ہو۔ اور کل یا بعض نمازی مسجد میں یا جنازہ مسجد میں ہو اور نمازی کل خواہ بعض مسجد سے باہر ہوں۔ یا جنازہ اور نمازی دونوں مسجد میں ہوں۔ بہر حال نماز جنازہ مسجد جماعت میں مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ و صلوٰۃ الجنائزۃ فی المسجد الذی تقام فیہ الجماعة مکروہۃ سواء کان المیت والقوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد او کان الاعمام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقی فی المسجد او المیت فی المسجد والامام والقوم خارج المسجد وهو المختار ولا تکرہ بعذر المطر ونحوہ۔ در مختار میں ہے۔ و کرمۃ فی مسجد جماعة ہواۃ المیت فیہ وحدہ او مع القوم واختلف فی الخارجی عن المسجد وحدہ او مع بعض القوم والمختار الکراہۃ مطلقاً۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتاویٰ نمبر ۴۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان سلطان جمعہ کی ادائیگی کے لئے ضروری شرائط میں سے ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ موجودہ زمانہ میں جب کہ مسلم سلطان یا اس کا نائب نہیں اور مصر کی تعریف میں بھی اختلاف ہے۔ جمعہ پڑھتے ہیں۔ وہ بعد جمعہ ظہر ادا کریں یا نہ۔ اور اگر ادا کریں۔ تو نیت مستحب سے ادا کریں۔ یا نیت واجب سے اور اگر مستحب ہو۔ تو تمام لوگ ادا کریں یا خاص خاص۔

از لوریوالا (گوجرانوالہ)

الجواب

صحت جمعہ کے لئے سلطان اسلام وغیرہ کی موجودگی شرط نہیں۔ بلکہ کسی مسجد میں اگر جمعہ قائم کرنا ہو۔ تو اس کے لئے حاکم، والی مسلمان کی اجازت لینا ضروری ہے۔ خواہ وہ والی بادشاہ اسلام ہو۔ یا بادشاہ کا کوئی مقرر کردہ حاکم یا بصورت بادشاہ اسلام کے نہ ہونے کے مسلمان کسی کو والی مان لیں۔ در مختار میں۔ والثافی السلطان او مامورہ باقامتہا۔ رد المحتار میں ہے۔ فلو كان الولاية كفارا يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيا بتراضى المسلمين۔ بحر میں ہے۔ ان اذن السلطان او نائبه انما هو شرط لا قامتہا عند بناء المسجد ثم بعد ذالك لا يشترط الاذن بكن۔ عالمگیری میں ہے۔ بلاد عليها ولاية كفارا يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيا بتراضى المسلمين۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اقامت جمعہ کے لئے اذان والی اسلام ضروری ہے۔ صحت جمعہ کے لئے والی اسلام کی موجودگی ضروری نہیں۔ لہذا فی زمانہ ہندوستان میں نماز جمعہ جائز ہے۔ مگر اس کا خیال رہے کہ جب کسی مسجد میں جمعہ قائم کرنا ہو تو وہاں کے کسی ایسے عالم سے اجازت حاصل کر لیں۔ جس کو مسلمان اپنا پیشوا مانتے ہوں۔ آج کل جو رواج ہو گیا ہے کہ مسجدیں اور ان میں بلا اجازت جمعہ شروع کر دیا۔ بالکل خلاف شرع ہے۔ بزاز یہ میں ہے۔ ولو اجتمع العامة على تقديم رجل لم يأمره القاضي ولا خليفة الميت لم يجوزوا لم يكن جمعة وان لم يكن ثم قاضي ولا خليفة الميت فاجتمع العامة على تقديم رجل جاز لمكان الضرورة۔

(۲) احتیاط اس میں ہے کہ فی زمانہ جہل کو ظہر احتیاطی کا حکم نہ دیا جائے۔ کہ اس سے فریضہ جمعہ میں شک کریں گے۔ اور فتنہ ہو گا۔ صرف اہل علم حضرات جن سے یہ اندیشہ نہیں بعد نماز جمعہ چار رکعت بہ نیت ظہر پڑھ لیا کریں۔ بحر میں ہے۔ حتیٰ

وقع انی افیت مرا رابعدم صلوتها خوفا علی اعتقاد الجہلۃ بانہا الفرض وان الجمعة لیست بفرض۔ شامی میں ہے۔ نعم ان ادی الی مفسدة لا تفصل جہارا والکلام عند عدمہا والذا قال المقلدسی نحن لانامر بذالک امثال هذه العوام بن ندل علیہ الخواص ولو بالنسبة الیہم۔ اسی میں ہے۔ فقد ثبت انه ینبغی الاتیان بہذا لا ربع بعد الجمعة۔

(۳) اگر کسی جگہ شرائط جمعہ پائے جانے میں شک ہو۔ توبہ نیت واجب یہ رکعتیں پڑھے اور اگر بلا دلیل صرف وہم ہی ہو۔ توبہ نیت مستحب شامی میں ہے۔ ذکر ابن السعنة عن جده التصريح بالنذب ینبغی ان یکون عند مجرد التوہم اما عند قیام الشک والاشتباہ فی صحة الجمعة فالظاهر الوجوب۔ بصورت وجوب یہ چار رکعتیں سنت جمعہ کے قائم مقام نہ ہوں گی۔ اور بصورت استحباب ہو جائے گی۔ رد المحتار میں ہے۔ وبہ یعلم انها هل تجزی عن السنة ام لا فمتد قیام الشک لا وعند عدمہ نعم۔ مصرکی تعریف میں اختلاف ہے۔ وجوب جمعہ میں شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ تعریف مفتی بہ یہ ہے کہ جس جگہ کوچہ بازار ہوں اور ضروریات چیزیں ملتی ہوں اور وہاں کوئی مجسٹریٹ یا تحصیلدار حاکم رہتا ہو۔ وہ مصر ہے واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۴۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کلمہ کفر اور سجدہ بت کی وجہ سے مرتد ہو گیا تھا اور کچھ عرصہ تک اسی ارتداد پر قائم رہا۔ بعد برداری کی سختی اور سمجھانے پر بتوں کو پوجنے سے توبہ کی اور مسلمان ہو گیا۔ اب مسلمان ہونے پر وہ شخص اپنی بیوی کو جس نے اس کے مرتد ہو جانے پر اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ زبردستی

لانا چاہتا ہے۔ تو کیا وہ شخص عند الشرح اس عورت کو زبردستی اپنے مکان پر واپس لا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ مرتد اب اس کے مکان پر جانے سے قطعی انکار کرتی ہے۔ اور کیا ایسی صورت میں وہ عورت جو عاقلہ بالغہ ہے اپنے اختیار سے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ مہربانی فرما کر جواب شرح اور واضح بحوالہ کتب احادیث و فقہ عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ فقط۔

الجواب

صورت مسئلہ میں شخص مذکورہ کا نکاح اس کے مرتد ہوتے ہی ختم ہو گیا۔ اب اس کی بیوی بعد عدت جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ شخص مذکورہ اسلام لانے پر عورت مذکورہ کو اپنے سے نکاح کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اور بغیر اذن عورت اس سے نکاح درست نہیں۔ بحر الرائق میں ہے۔ وارتداد احدهما فسخ فی الحال یعنی لا یتوقف علی مضي ثلثة قروء فی المدخول بها ولا علی قضاء القاضی۔ عالمگیری میں ہے۔ ارتداد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقہ بغیر طلاق فی الحال قبل المدخول بعده در مختار میں ہے۔ وارتداد احدهما لی الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء واللہ اعلم بالصواب۔
احمد یار خان عثمانی

فتویٰ نمبر ۴۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:-
نمبر ۱ کہ ہندو سیہ کا عقد اس کے والد خالد نے لا علمی کی وجہ سے زید دیوبندی سے کر دیا۔ معلوم ہونے پر عقد فاسد ہے یا نہیں؟ مع اولہ جواب مرحمت فرمائیں۔

نمبر ۲ اگر دیوبندی سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر دے تو کیا جواب دے۔

از مدرسہ سبحانیہ مراد آباد

(ب) دیوبندی کو سلام کرنا چاہیے یا نہیں؟ مع اولہ جواب ارسال فرمائیں۔

الجواب

حضور ﷺ کی توہین کرنے والے یا توہین کرنے والوں کو ان کی توہین پر مطلع ہو کر مسلمان جاننے والے دیوبندی مرتد ہیں۔ در مختار میں ہے۔ والکافر یسب نبیا من الانبیاء الی ان قال ومن شک فی عذابه وکفره کفر۔ عالمگیری میں ہے۔ محمد درویشک بود او قل جامہ پیغمبر۔ مناک بود او قل طویل الظفر فقد قیل یکفر مطلقا وقد قیل یکفر اذا قال علی وجه الالہانۃ اور مرتد کا نکاح عالم میں کسی کے ساتھ جائز نہیں۔ نہ مسلمان سے نہ کافر سے نہ اپنے مثل مرتد سے لہذا وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ عالمگیری میں احکام المرتدین میں ہے۔ ومنها ما هو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمة ولا مرتدة ولا ذمیۃ۔ در مختار میں ہے۔ ویبطل منه اتفاقا النکاح والذبیحة الخ

(۲) کفار کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں اور اگر جواب دے تو وعلیک کہہ دے۔ اس سے زیادہ نہ کرے در مختار میں ہے۔ ولو سلم یهود او نصاریٰ او مجوس علی مسلم فلا باس بالرد ولکن لا یزید علی قوله وعلیک۔ یہ تو کافر اصلی کا حکم ہے۔ وہابیہ مرتدین کے احکام بہت سخت ہیں۔ ان کو بلا ضرورت جواب سلام دینا جائز نہیں اور ضرورت درپیش ہو۔ تو وعلیک کہا جائے۔ اسی طرح کفار کو سلام بلا ضرورت جائز نہیں۔ اگر ضرورت درپیش ہو تو السلام علی من اتبع الهدی کہہ دے۔ در مختار میں ہے۔ ویسلم المسلم علی اهل الذمۃ لولہ حاجۃ الیہ

والا کرم شامی میں ہے اذا اسلم علی اهل الذمة فلیقل السلام علی من اتبع الهدی وکذا لک یکتب الیهم۔ بلا ضرورت انہیں سلام ناجائز اور تعظیماً سلام کرنا سخت جرم ہے۔ معاذ اللہ کما فی الدوا المختار والہندیۃ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۴۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔

(۱) کہ ایک شادی ہونے والی ہے جس میں لڑکے والا باجہ وغیرہ کو منع کرتا ہے۔ اور بیٹی والا بغیر باجہ کے شادی نہیں کرتا۔ تو بتاؤ کیا ہونا چاہیے۔ نقاہ یا دف بجانا جائز ہے یا نہیں؟ یا نعت خوانی سے گشت۔

(۲) دولہا کے سرنگٹنا یا مندی لگانا۔ دولہا کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا کوئی نقصان تو نہیں ہے۔ یا برات سدے ایک دن پہلے جو مردوں کی فاتحہ ہوتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں یا حضرت بی بی کی فاتحہ جس کو کوٹھڑا بولتے ہیں ناجائز ہے یا نہیں۔ یا عورتیں شادی سے پہلے ڈھول بجاتی اور گاتی ہیں۔ اس کی بجائے نقاہ بجانا کوئی نقصان تو نہیں؟ یا رات کو عورتوں کا گانے کے بجائے میلاد کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(۳) جو رسمیں سسرال میں دولہا کے ساتھ برتی جاتی ہیں۔ اس کا گناہ کس پر ہو گا۔ اور جو تھی چالایا سماگ بیرا دولہا سے کھلوانا یا چوتھی کھیلی جاتی ہے۔ اس کا کچھ وہل ہے یا نہیں؟ یا پہلی شب کو دولہا دولہن کو الگ سلاتے ہیں۔ یہ بری بے حیائی کی بات ہے۔ اگر دولہا شرم کی وجہ سے اس رات کو نہ سوئے تو دولہن کی طرف سے گناہ تو نہیں؟

(۴) یہاں وہابیوں سے جھگڑا ہو رہا ہے۔ تعزیہ داری کے معاملہ میں اشتہار بھی عشرہ کے بارے میں لگاتے ہیں۔ اور اس میں بنی وہابی مولویوں کے نام بھی ہیں اور تعزیہ

داری حرام، کھجڑا حرام، شربت کرنا حرام، ڈھول بجانا حرام، ماتم کرنا حرام، مہندی لگانا، تعزیہ پر فاتحہ دلانا حرام۔ تو یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں۔ فقط

از مراد آباد

الجواب

(۱) اعلان نکاح کے لئے وقت نکاح دف و نقاد وغیرہ کو ٹاپیٹنا جائز ہے۔ بشرطیکہ لہو و لعب سے خالی ہو۔ امام احمد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے محمد ابن حاسب حمی سے روایت کی۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فصل ما بین الحلال والحرام الصوت والدف۔ نیز ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلنوا هذا النکاح واجعلوها فی المسجد واضربوا علیہ بالدفوف۔ نیز ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلنوا هذا النکاح واجعلوها فی العرس یشتہر۔ نیز اسی شاہی کتاب النکاح میں ہے۔ ضرب الدف فی العرس مختلف فیہ وكذا اختلفوا فی الفناء فی العرس والولیمۃ فمنہم من قال بعدم کراهۃ بضرب الدف کذا فی بحر الرائق۔ غرضیکہ بکثرت احادیث و تصریحات فقہاء سے اعلان نکاح کے لئے دف پیٹنا جائز ثابت ہوتا ہے۔ مگر اس شرط سے کہ اس سے لہو و لعب مقصود نہ ہو۔ صرف اعلان نکاح کا مقصد ہو۔ لہذا شرط یہ ہے کہ دف جھانج سے خالی ہو اور اس کو باقاعدہ گت کے ساتھ نہ بجایا جائے۔ صرف لکڑی وغیرہ سے بلا لحاظ گت پیٹ دیا جائے۔ عالمگیری کتاب الکراہتہ میں ہے۔ وسئل ابو یوسف عن الدف اتکرہ فی غیر العرس بان تضرب المرأة فی غیر فسق للصبی قال لا لکرہ واما الذی یجئ منہ اللعب الفاحش للفناء فانی لکرہ۔ رد المحتار میں ہے۔ لا بأس بالدف فی العرس تشتہرو فی

السراجیۃ هذا اذا لم یکن له جلاجل ولم یضرب علی هیئۃ اضطراب بحر کتاب النکاح میں ہے۔ وفي الذخیرۃ ضرب الدف فی العرس مختلف فیہ و محلہ مالا جلاجل له اماما له جلاجل فمکروه۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں حدیث یضرب بن بالدف کے ماتحت میں ہے۔ وکان دفن غیر مصحوب جلاجل فیہ دلیل علی جواز ضرب الدف عند النکاح والزفاف للاعلان اماما فیہ جلاجل فینبغی ان یکون مکروہا بالاتفاق۔ اسی لئے باجوں کی حرمت بیان فرماتے وقت فقہا مزامیرا ملاہی فرماتے ہیں۔ در مختار میں ہے۔ استماع صوت الملاہی حرام۔ اسی میں ہے۔ استماع الملاہی معصیۃ والجلوس علیہا فسق۔ اور اس موقع پر ضرب دف کا اطلاق نہیں فرماتے۔ جس سے معلوم ہوتا کہ گت کے ساتھ دف بجانا لو کی نیت سے ملاہی میں داخل ہو کر حرام ہے اور بغیر گت اعلان کے لئے دف وغیرہ پیٹنا جائز ہے۔ اسی طریقہ سے احادیث مخالفت مزامیر اور اعلان بلد دف وغیرہ کے جائز ہونے میں تطبیق کی جاوے گی۔ رد المحتار میں ہے۔ وهذا یفیدان الۃ اللہو لیست مہرمۃ لنفسها بل یقصد اللہو منها الاتری ان ضرب تلک الۃ بعینہا حل تارة وحرم اخری باختلاف النیۃ والامور بمقا صدھا۔ شادی بیاہ عید وغیرہ خوشی کے موقعوں پر اگر بچیاں یا لونڈیاں دف بجائیں اور مباح گیت گائیں تو مضائقہ نہیں۔ کہ احادیث صحیحہ میں بچیوں کا دف بجانا عید اور سرور نکاح میں ثابت ہے۔ ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی شادی کا بیان فرماتے ہوئے فرماتی ہیں۔ فجعلت جویریات یضربن بالدف ویند بن من قتل بابائی مرقات میں اس کے ماتحت ہے۔ قوله جویریات قیل تلک البنات لم تکن بالغات حد الشهوة بحر میں ہے۔ لا یاس یضرب فی العروس وفي الذخیرۃ لا یاس بالفناء فی الاعیاد۔ لیکن یہ دف اور گیت مردوں اور شریف بالغہ عورتوں کو ممنوع ہے۔ رد المحتار کتاب اشارات میں ہے۔ جواز ضرب الدف منہ خاص بالنساء

لما فی البعر عن المعراج بعد ما ذکر انه مباح فی النکاح وما فی معناه من حادث سرور قال وهو مکروه للرجال علی کل حال لتشبه بالنساء اسی طرح بیاہ شادی کے موقعوں پر بطریقہ مروجہ عورتیں گاتی بجاتی ہیں۔ یہ رسم سخت حرام اور بہت سے محرمات پر مشتمل ہے۔ عورتوں کی آواز اجنبی مرد سنیں۔ یہ حرام جس پر احادیث کثیرہ و اقوال فقہاء شاہد ہیں۔ دوم جو گیت گائے جاتے ہیں ان میں شہوت انگیز مضمون اور نیز بے حیائی کے اشعار ہوتے ہیں۔ لڑکی والے کے کہنے سے باجہ وغیرہ دیگر محرمات کا ارتکاب نہ کرے۔ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق کو ناراض نہ کرے۔ در مختار میں ہے لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ اس کو سمجھا دے سمجھ جائے تو خیر ورنہ خداوند قدوس اس سے بہتر لڑکی عطا فرمائے گا۔ بلکہ حالت زمانہ کو دیکھتے ہوئے یہ فتویٰ ہے۔ کہ اب گانا بجانا بہر حال ناجائز ہے۔ بچیوں کو اجازت نہیں کیونکہ اگر بچیوں کو اجازت دی جائے تو بالغہ عورتیں بھی بچیوں کا نام کر کے گائیں گی۔

(۲) پھولوں کا سرہ باندھنا جائز ہے۔ یہ خوشبو کا استعمال ہے اور خوشبو حضور ﷺ کو بہت مرغوب تھی۔ فرماتے ہیں۔ حبیب الی من دینا کم النساء والطیب۔ سرے میں صرف پھولوں کو ڈورے میں ڈال لیا گیا ہے تا کہ ہاتھ نہ گھیر لے اور ہاتھ میں رہنے سے پھول مرجھانہ جائیں۔ ہاں نوشہ کے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا گنگنا باندھنا یا سنہری لڑیوں والا سر باندھنا منع ہے۔ کہ گنگنا اور نکلی والا سر اشعار کفار ہے اس میں ان سے مشابہت ہے اور مہندی لگانا عورتوں سے مشابہت ہے اور دونوں ممنوع فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم رواہ احمد و ابوداؤد عن ابن عمر اسکے ماتحت مرقاة میں ہے۔ ان شبه نفسه بالکفار فی اللباس وغیرہ او بالفساق والفسجار قالص الطیبی هذا عام فی الخلق والخلق قلت بن الشعر هو المراد بالتشبه لا غیر۔ رد المحتار میں ہے۔ و نہضاب شعر لعیة لا یدیه ورجلیه فانه مکروه للتشبه بالنساء۔

(۳) جو تھی وغیرہ دیگر رسوم مروجہ بہت سے حرام کاموں پر مشتمل ہے۔ یہ رسم ادا کرنے والیاں نوشہ اور تمام شرکاء جو اس سے راضی ہوں اور جو اس کے روکنے پر قادر ہو کر باقاعدہ نہ روکیں وہ سب گنہگار ہیں کہ بقدر طاقت امر بالمعروف واجب ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر۔** سرکار فرماتے ہیں۔

من رای منکم منکر فلیغیر بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فمن لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان۔ جس شخص کو خبر ہو کہ وہاں یہ رسوم ہوں گی۔ وہاں شرکت نہ کرے اور وہاں پہنچنے کے بعد یہ خرافات شرع ہوں تو وہاں سے اٹھ آوے قرآن کریم فرماتا ہے۔ **فلا تقعد بعد الذکر مع القوم الظالمین۔** در مختار میں ہے۔ **قلو علی المائدۃ لا ینبغی ان یقعد بل ینخرج معرضا اسی میں ہے فان قدر علی المنع فعل وان لم یقدر خرج ولم یقعد لان فیہ شین الدین ملخصاً۔**

(۴) دولہا دولہن کو علیحدہ جگہ دینا اگر لغویات اور مراسم یہود سے خالی ہو تو جائز ہے کہ احادیث سے ثابت ہے در مختار میں ہے۔ **وهل یکرہ الزفاف المختار لا اذا لم یشتمل علی مفسدۃ دینیۃ رد المختار میں ہے۔ الزفاف اهداء المرأة مہنا اجتماع النساء کذلک فانہ لازم لہ عرفاً۔** اسی میں ہے۔ **مستد لا بیمار واہ عن عائشۃ قالت رفعتا امراتہ من الانصار الخ رد المختار شروع کتاب النکاح میں ہے۔ واختلفو فی کراہیۃ الزفاف و المختارانہ لا یکرہ الا اذا اشتمل علی مفسدۃ دینیۃ۔**

(۵) مروجہ تعزیہ داری جو باجا ماتم فضول خرچی تصاویر جاندار پر مشتمل ہے ناجائز ہے۔ فی زمانہ بہتر یہ ہے کہ ان محرمات کو اس میں سے نکال دیا جائے۔ اور نفس جلوس باقی رکھا جائے۔ کہ اس سے مشرکین پر رعب طاری ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ میں بنوٹ وغیرہ کے اکھاڑے ضرور ہوں کہ یہ تیاری کا اظہار اور کفار کو مرغوب کرنے میں معاون

ہے۔ کچھ ایا شربت پر فاتحہ کرنا سبیل لگانا بہت اچھی چیزیں ہیں۔ کہ اس میں صدقات و خیرات کا ایصال ثواب ہے۔ اور اسلام کے عقائد میں سے ہے کہ صدقات و عبادات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ کمانی شرح العقائد وغیرہ اس کا انکار دشمنی بزرگان دین پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خاں مغلّی مد

فتویٰ نمبر ۴۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں اپنے خیال میں قریب آٹھ نو برس سے عیسائی مذہب کو اچھا خیال کرتی تھی۔ جب گھر والوں کو معلوم ہوا کہ یہ عیسائی مذہب پسند کرتی ہے اور عیسائی ہوا چاہتی ہے۔ تو انہوں نے میرا نکاح جبریہ ایک بد معاش کے ساتھ کر دیا اور مجھ کو گھر میں سے باہر کسی عزیز کے ہاں تک جانے نہ دیا۔ بھائی بھالوج نے ایک چاقو دکھا کر ایک کاپی پر دستخط کرائے جب میرا موقع ہوا تو میں بھی گر جا جا کر عیسائی ہو گئی۔ اب میں عیسائی ہوں۔ لہذا اب میرا نکاح جو کہ بھائی اور بھالوج وغیرہ نے پڑھایا تھا۔ وہ بحالت عیسائی باقی رہا یا نہیں؟ اب اس وقت میری عمر تقریباً ۲۲-۲۳ برس کی ہے۔ بیوا تو جردا۔

از قدسیہ بیگم میگو این عیسائی مراد آباد

الجواب

سائلہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہے۔ اس کے ارتداد عیسائی ہو جانے سے نکاح نہیں اٹھا اور وہ آزاد نہیں ہوئی۔ اس کا یہ بیان کہ بھائی نے یہ جبر اس سے رضا حاصل کی تھی۔ یا نکاح حالت عیسائیت ہوا قطعاً معتبر نہیں۔ کیونکہ رسوم شادی سرا بند ہوانا "مندی لگانا"

دلہن بننا عروسی جوڑا پہننا، دولہا کے یہاں کے آئے کپڑے پہننا۔ اس کے یہاں کے زیور پہننا، رخصتی کے وقت ڈولے میں بیٹھنا۔ شوہر کے یہاں جانا، اس کے ساتھ خلوت اور حکمین یہ سب دلالت رضا ہیں۔ اور اس کے بیان کی مکتب عالمگیری میں ہے۔ وکذا ان مکنت الزوج من نفسها بعد ما زوجها الولی فهو رضا وکذا لو طالبت بعد اقها بعد العلم فهو رضا۔ اسی میں ہے وکما يتعلق رضاها بالقول يتعلق بالدلالة كطلب مهرها ونفقتها وتمكينها من الوطوء در مختار میں ہے۔ رضاہی یکون دلالة کما ذکره بقوله وما فی معناه فی فصل يدل علی الرضا كطلب مهرها ونفقتها وتمكينها من الوطوء ودخوله بها رضاها۔ رخصتی کے وقت بالعموم مجمع ہوتا ہے۔ رشتہ دار موجود ہوتے ہیں۔ تمام مراسم کی ادا ان کے سامنے ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک رسم کے وقت چھری چاقو اس کے سینہ پر رکھا گیا ہو اور قتل کی آمادگی کی گئی ہو۔ اگر رخصتی کے وقت رسوم میں سے کوئی رسم بھی بغیر جبر کے عمل میں آگئی۔ اس سے رضا ثابت ہے۔ پھر شوہر کے یہاں جانا رونا خلوتیں تنکین اور آمد و رفت کا ہونا سب اس کی رضا کی تاکیدات ہیں۔ ان حالات میں رضا کا انکار کرنا کذب محض ہے۔ اسی طرح وقت نکاح عیسائی ہونے کا بیان ابطال نکاح میں موثر نہیں۔ کفر کا یہ اقرار اس کو اپنے ماں باپ اور ہر مورث کے ترکہ سے تو محروم کر دے گا لیکن نکاح پر اثر انداز نہ ہو گا۔ کیونکہ جس اقرار سے غیر کا ضرر ہوتا ہو وہ اقرار غیر کے حق میں معتبر نہیں در مختار میں ہے۔ الاصل ان اقرار الانسان علی نفسه حجة لا علی غیره۔ کتاب الاقرار۔ شامی میں ہے۔ بخلاف ما اذا اقرت بالردة۔ معلوم ہوا کہ ردت کے اقرار سے نکاح فسخ نہیں ہو گا۔ اسی طرح جو عورت شوہر سے ناراض ہو۔ وہ ایک ایسی جھوٹی بات بنا کر نکاح سے باہر ہو جایا کرے۔ شریعت نے ان حیلہ سازیوں کا موقعہ نہیں دیا۔ اس طرح بعد نکاح گر جائیں جا کر عیسائی بننے سے بھی عورت نکاح سے باہر نہیں ہوئی کہ عورت کے انداز سے نکاح نہیں فسخ ہوتا۔ اسی طرح

باقی رہتا ہے۔ درمختار میں ہے۔ وافتی مشائخ بلخ بعدم الفرقۃ بردتھا زجراً۔ ہر
 الرائق میں ہے۔ وبعض مشائخ بلخ ومشائخ سمرقند افتوا بعدم الفرقۃ
 بردتھا حسماً لباب المعصیۃ والحیلۃ للخلاص منه۔ قاضی خاں میں ہے۔
 منکوحۃ ارتدت والعیاذ باللہ حکمی عن ابی القاسم الصفار انھا لا تقع
 الفرقۃ بینہما حتی لا تصل الی مقصودھا انتہی والذین قالوا بالفرقۃ
 بارتدادھا قالوا لا یجوز لھا النکاح بزواج اخر بل تجبر علی الاسلام وعلی
 تجدید النکاح بالزوج الاول وعلی القاضی تجدید نکاحھا بزواجھا
 الاول رضیت بذالک النکاح ام لا قال فی الدرالمختار تجبر علی
 الاسلام وعلی تجدید النکاح زجراً لھا وعلیھا الفتوی۔ وقال فی
 الردالمختار فلک قاض ان یجددہ بمہر یمیر رضیت ام لا وتمنع من
 التزوج بغيرہ بعد اسلامھا۔ وفی الخانیۃ وفی الروایات الظاہرۃ تقع
 الفرقۃ وتجنس المرأۃ حتی تسلم ویجدد النکاح سد هذا الباب علیھا۔
 بحر حل عورت اپنے شوہر کے نکاح میں ہے اور وہ اس کو اپنے پاس رہنے پر مجبور کر سکتا
 ہے۔ اللہ پناہ میں رکھے نکاح سے نکلنے کے لئے ارتداد اختیار کرتا کیسی ناعاقبت اندیشی اور
 بد عقلی ہے۔ شوہر سے آزادی حاصل کرنے کے لئے شریعت کی بتائی ہوئی راہیں اختیار
 کی جاسکتی تھیں۔ لیکن کفر جیسی ملعون خبیث مصیبت کو گوارا کرنا انتہا درجہ کی بدنصیبی
 ہے۔ یہ تمام اس صورت میں تھی۔ کہ لڑکی کی رخصت ہو چکی ہو۔ اگر رخصت نہ ہوئی
 ہو تو بھی نکاح ہو گیا۔ کہ بلا کراہ نکاح درست ہوتا ہے شامی کتاب الاکراہ میں ہے۔ وصح
 نکاحہ وطلاقہ۔ اسی شامی کتاب النکاح میں ہے۔ حقیقۃ الرضا غیر مشروطۃ
 فی النکاح الصحۃ مع الاکراہ والہزل۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں۔

(۱) بعض لوگ ملدار ہیں۔ غریبوں کو بازاری نرخ سے زیادہ قیمت پر غلہ دیتا ہے۔ مثلاً چاول وغیرہ کا بازاری نرخ ایک روپیہ کا سولہ سترہ سیر ہے۔ تو غریبوں کو روپیہ میں گیارہ بارہ سیر کے نرخ سے ادھار دیتے ہیں۔ اور قیمت اس ماہ آگن و پوس میں لیتے ہیں۔ یا اس روپیہ کا فصل دھان کے وقت روپیہ کا چھ سات پ سیری کے نرخ سے لیتے ہیں یا نہیں تو جو نرخ اس وقت بازار کا ہوتا ہے۔ اس نرخ سے لیتے ہیں۔ اس کو عرف میں لگانی کہتے ہیں۔ یہ لگانی غلہ چاول وغیرہ کی ماہ "اساڑھ" و سالون میں ہوتی ہے اور ماہ آگن و پوس میں صول پالی۔ از روئے شرع یہ لگانی یا فروخت کی حسب ذیل شرائط مذکورہ بالا جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جواب بحوالہ کتب مجتہدہ تحریر فرمایا جائے۔

(۲) روپیہ دینا اس شرط پر کہ فصل کے وقت میں فلاں غلہ اتنے من یا پ سیری لیں گے۔ جائز ہے یا نہیں۔

(۳) اس ملک میں کوئی شخص پیسہ روپیہ آنہ دو آنہ یعنی خرداغلہ خریدنے والا ہوتا ہے جس کو یہاں غلہ بٹانے والا کہتے ہیں۔ اس کا سیر سیر مروجہ سے کچھ بڑا ہوتا ہے و نیز بازاری نرخ سے کچھ زائد غلہ خرید کرتا ہے۔ اب زید جو کہ تجارت کرتا ہے ان کا یہ دستور ہے کہ جو شخص غلہ لے کر سودا خرید کرنے آتا ہے تو غلہ کو وہی بٹانے والا سیر اور نرخ سے لیتے ہیں۔ اور اپنا سودا سیر مروجہ سے دیتے ہیں۔ یہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

(۴) میوہ کو درخت پر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ بلع بیع کرے اور مشتری میوہ کو فوراً توڑ ڈالے تو جائز ہے۔ یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کوئی صورت جواز کی ہو۔ تو بحوالہ کتب احادیث و فقہ تحریر فرمائیے۔ اگر شرعاً یہ بیع ناجائز ہے۔ تو اس میں گنہگار فقط بلع ہو گا۔ یا مشتری بلع دونوں۔ اس زمانہ میں آم و پکی وغیرہ

اکثر درخت پر فروخت ہوتا ہے جس کو ہر خاص و عام خرید کر کھاتے ہیں۔ یہ کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۵) فصل دھان و گیہوں وغیرہ جب تیار ہوتا ہے۔ تو اس کو مزدور لوگ کاٹتے ہیں۔ اور اپنی مزدوری کاٹی ہوئی شے میں سے ہی یعنی اپنے کاٹے ہوئے شے کو فلاں حصہ قائم کر کے ایک حصہ اپنی مزدوری لیتے ہیں۔ یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بعض لوگ ناجائز کہتے ہیں۔ لہذا جواب بالصواب تحریر فرمائیے۔

(۶) تلاب کے اندر مچھلی فروخت کرنا کیسا ہے۔ اگر شرعاً ناجائز ہے تو کوئی شرعی صورت جواز کی ہو سکتی ہے یا نہیں۔

(۷) (سکہ نوٹ) کا ادھار فروخت کرنا مثلاً ایک نوٹ جو کہ پانچ روپیہ کا ہے۔ اس کو سات آٹھ روپیہ میں ادھار فروخت کرنا اور روپیہ دو تین ماہ کے بعد لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) اگر زید روپیہ کے عوض میں یہ بیع کرتا ہے اور بازار میں نرخ مشتری و بائع کو معلوم ہے تو جائز ہے۔ کہ جس نرخ پر بائع مشتری کی رضامندی ہو جائے۔ اس پر بیع جائز ہوتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ الا ان تکون تجارة عن تراض منکم۔ ہاں ضروری ہے کہ بازاری نرخ بائع نے غلط نہ بتایا ہو۔ اور اگر غلہ کے عوض ادھار بیع ہے تو حرام کہ سود ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والبر بالبر والشعیر بالشعیر یدابید من زادا واستزاد فقد ربی رواہ مسلم عن ابی سعید الخدری۔ در مختار میں ہے۔ ان وجد احدهما حل التفضل حرام النساء رد المحتار باب الرومیں ہے۔ وساء والموزونات غیر التقد لا یجوز ان تسلم فی الموزونات وان اختلف اجناسها کاسلام جدید فی دهن وزیت فی حبن۔ اور اگر بعض روپیہ ادھار

فروخت کیا۔ پھر اس قرض روپیہ سے بطریق سلم اس غریب سے دھان وغیرہ خرید اتو بھی منع ہے۔ کہ سلم میں وقت عقد روپیہ دینا شرط ہے۔

در مختار میں ہے۔ فان اسلم مائة درهم فی مکر بر مائة دینا علیہ ای علی المسلم الیہ ومائة نقد او افتراقا فالسلم فی الدین باطل۔

(۲) غلہ کی کٹوتی جس کو بیع سلم کہتے ہیں جائز ہے۔ مگر سولہ شرطوں سے جن کا مال یہ ہے۔ کہ بروقت بیع عقد تام ہو اور قیمت فوراً عقد کے وقت ادا کی جائے۔ اور بیع میں کوئی جھگڑے کی بات باقی نہ رہ جائے۔ اسی لئے غلہ کا نام غلہ کی قسم کا نرخ غلہ کس جگہ لے گا۔ وصولی کا وقت سب مقرر ہو جاتا ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ واما الذی یرجع الی البدل فستة عشر سنة فی راس المال وعشر فی المسلم فیہ۔

(۳) اگر بائع کے علم میں یہ بات لائی گئی ہو کہ تجھ سے غلہ اس سیر سے خریدتا ہوں اور اس کے عوض سودا اس سیر سے دیا جائے گا اور وہ اس پر راضی ہو گیا۔ تو جائز ہے غرضیکہ اگر کسی قدر دھوکا دیا گیا ہے تو بیع درست نہ ہوئی اور اگر تمام باتیں صاف طور پر ظاہر کر دی گئی ہوں تو جائز قرآن کریم میں ہے۔ الا ان تکون تجارة عن قراض منکم۔

(۴) اگر اس شرط سے درخت کے پھل خریدے کہ پکنے کے وقت تک نہ توڑے گا۔ تو بہر حال بیع فاسد ہوئی۔ اگر یہ بیع بالشرط ہے۔ خواہ سب پھل آگئے ہوں یا کچھ آگئے، اور کچھ آنے والے ہیں۔ اور خواہ پھل پورے طور پر پڑ چکے ہوں یا ابھی چھوٹے ہوں۔ در مختار میں ہے۔ وان شرط ترکھا علی الاشجار فسد البیع۔ عالمگیری میں ہے۔ وان باع بشرط التروک لم یصح قیاسا عند ابی حنیفة وابی یوسف۔ بحر الرائق میں ہے۔ وان شرط ترکھا علی النخل فسد البیع۔ اگر بیع پھل آ چکنے کے بعد تو بلا شرط کی تھی۔ مگر بعد بیع بائع کی اجازت سے کچھ روز پھل درخت پر رہنے دے تو مطلقاً جائز ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ ولو اشتراها مطلقاً وترکھا باذن

البائع طاب له الفضل۔ در مختار میں ہے۔ قید باشتراط الترك لانه لو اشتراها مطلقاً وتركها باذن البائع طاب له الزيادة قال رد المحتار هي ملاذقي ذات البيع وحامله ان المراد ههنا الزيادة المنصلة لا المنضمه۔ اگر اس حال میں خریدے ہوں کہ درختوں پر کچھ آئے ہیں۔ کچھ آنے والے ہیں۔ تو بیع ناجائز ہے کہ معدوم کی بیع کو شامل ہے۔ در مختار میں ہے۔ بوز بعضها دون بعض لا يصح في ظاهر المذهب شائي میں ہے۔ واطلاق المضاف معمول على ما اذا باع الموجود والمعدوم۔ ہمارے ملک میں آج کل جو بہار کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ فاسد ہے۔ بعض جگہ تو سالہا سال کی بہار خریدی جاتی ہے۔ اور بعض جگہ پھل آنے سے پیش اور عاۃ "درختوں کا پھل پکنے تک اپنے استعمال میں رکھنا شرط بیع ہے۔ ان صورتوں میں بیع فاسد ہے کہ لولا "تو یہ بیع معدوم ہے۔ دوسرے بیع بالشرط۔ اس کی بحث رد المحتار میں ہے۔ المعروف عرفاً كالمعروف نصاً وههنا فساد البيع وعدم حل الزيادة۔ لہذا ضروری ہے کہ اس قسم کی بیع میں اول جواز کی صورتوں پر عمل کریں جو شریعت نے بتائی ہیں۔ ان میں سہل تر صورت یہی ہے کہ ہری کھیتی خریدی ہے تو خریدنے کے بعد زمین کو مدت معین تک کے لئے کرایہ پر لے لے۔ اور اگر باغ کی بہار خریدی ہے تو بعد بیع باغ کی خدمت نوکری کرے اور تھوڑے پھل مالک کو دے اور باقی پھل اپنی اجرت میں رکھے مثلاً بعد بیع یہ طے کرے کہ باغ کی بہار تیری ہے۔ میں اس کی حفاظت کروں گا پیدلوار کا ہزارواں حصہ تیرا اور باقی تمام بحق خدمت میرا۔ تو وقت بیع موجود پھل کی تو یہ محنت ہوئی اور جو آئندہ پھل ہوں ان کے لئے معالجہ۔ در مختار میں ہے۔ والعيلة ان ياخذ الشجرة معاملة على احواله جزء من الف جزاء وان يشتري اصول الرطبة والبارنجان واشجار البطيخ ببعض الثمن ويستاجر الارض مدة معلومة۔ اور اگر پھلوں کو کسی نے بہ بیع فاسد خریدا۔ تو وہ بعد قبضہ اس کا مالک ہو گیا۔

احمد یار خاں غنی مد

فتویٰ نمبر ۴۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کرنے والا چم قربانی فروخت کر کے اس کی قیمت تعمیر مسجد میں لگائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر قربانی والا قربانی کی کھل فروخت کر دے۔ تو اس قیمت کا صدقہ دینا ضروری ہے اور صدقہ میں فقیر کا حصہ معتبر لہذا اس کھل کی قیمت مسجد میں خرچ نہیں کر سکتے۔ کہ اس صورت میں قبضہ کون کرے گا۔ عالمگیری کتاب الاضحیہ میں ہے۔ ویصدق بجلدھا لو یعمل منها نحو غربال۔

احمد یار خاں غنی مد

فتویٰ نمبر ۴۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ گاؤں میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں بعض لوگ گاؤں میں بھی جائز کہتے ہیں۔ اگر یہ غلط ہے تو کیوں؟

الجواب

نماز جمعہ و عیدین کے لئے شہر یا فناء شہر شرط ہے۔ گاؤں یا جنگل میدان میں جائز نہیں۔ اس پر آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ صریحہ اور افعال نبی کریم ﷺ و

صحابہ کرام و آل ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ فاسمعوا لی ذکر اللہ وذروا البیع۔ جس سے بطریق اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ وہاں ہی ہو گا۔ جس جگہ بازار ہو اور بیع و شرا ہوتی ہو ظاہر ہے کہ یہ شہر اور بڑے قصبے میں ہی ہوتی ہے۔ لانہ لولم يتحقق البیع فكيف يترك فان ترک الحثی فرع وجودہ۔ تفسیر کبیر میں ہے۔ لان البیع والشراء فی الاسواق غالباً۔ عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنے اپنے مصنف میں بروایت حارث قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ نقل کیا۔ جمعة ولا تشريق الا فی مصر جامع از عینی شرع بخاری جلد ۳ صفحہ ۲۶۳ و از فتح القدیر۔ قال فی فتح القدیر کفی بقول علی قدوة وامام۔ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۲۱ میں حضرت ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے روایت کیا۔ عن حذیفة قال لیس علی اهل القری جمعة انما الجمعة علی اهل الامصار مثل المدائن۔ بخاری میں باب ہی باندھا ہے۔ کہ باب من این تؤتی الجمعة وعلی من تعجب وقال عطاء اذا كنت فی قرية جامعة نودی بالصلوة من یوم الجمعة فحق علیک ان یشہدھا۔ اسی بخاری میں ہے۔ عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان الناس ینتابون یوم الجمعة من منازلہم والموالی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ سید عالم ﷺ میں اہل دیہات باری باری سے مدینہ منورہ جمعہ پڑھنے آتے تھے۔ اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا۔ تو مدینہ طیبہ آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اپنے اپنے گاؤں میں لو کیا کرتے۔ اور اگر اہل دیہات پر جمعہ فرض ہوتا تو باری باری سے کیوں آتے۔ سب ہمیشہ ہی آیا کرتے۔ نیز حضور سید عالم ﷺ ہجرت کر کے قبا میں بروز بد شنبہ تشریف فرما ہوئے اور روایت بخاری دس دن سے زیادہ وہاں قیام فرمایا۔ مگر وہاں جمعہ ادا نہ فرمایا حالانکہ جمعہ ہجرت سے پہلے فرض ہوا مگر ادا بعد ہجرت کیا گیا۔ کہ قبل ہجرت مکہ مکرمہ حکم نہ ہونے کی وجہ سے گاؤں کے حکم میں تھا۔ کہ مدینہ مطہرہ آکر نماز جمعہ ادا کیا کریں۔ ترمذی میں ہے۔ عن ثوبان عن رجل من اهل قبا عن ابیہ وکان من اصحاب

النبي صلى الله عليه وسلم قال امرنا النبي صلى الله عليه وسلم ان نشهد الجمعة من قبل- فجتہ الودائع بمؤذ جمعہ ہوا۔ مگر میدان عرقات میں نہ تو خود حضور سید عالم ﷺ نے جمعہ پڑھانہ اہل مکہ کو حکم دیا۔ صحابہ کرام سے کہیں ثابت نہیں کہ انہوں نے فتوحات کرتے وقت گاؤں میں جمعہ قائم کیا ہو۔ فتح القدر میں ہے۔
ولهذا لم ينقل عن الصحابة حين فتعوا البلاد واشتغلوا بنصب المنابر والجمع الا في الامصار۔ موطا امام مالک میں باب ہے۔ باب الجمعة في العوالي۔ ووطا امام محمد میں۔ صلوة العیدین وامر الخطبة میں ہے۔ عن ابن شهاب عن ابي عبيد مولى ابن ابي قهر قال شهدت العيد مع عثمان ف صلى ثم انصرف وقال انه قد اجتمع لحکم فی يومکم هذا عیدان فمن احب من اهل العالیۃ ان ينتظر الجمعة فليظروها ومن احب ان يرجع فقد اذنت له۔ یعنی عثمان رضی اللہ عنہ نے عید کے دن دہائی لوگوں سے فرمایا کہ آج دو عیدیں جمعہ و عید جمع ہو گئی ہیں۔ عید تو پڑھ لی۔ جو جمعہ پڑھنا چاہے۔ وہ ٹھہرا رہے۔ جو نہ پڑھنا چاہے وہ گھر واپس جاوے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں۔

ان تمام دلائل سے کالشس والا مس ثابت ہوا کہ جمعہ گاؤں میں ادا نہیں ہو سکتا۔ مخالفین کے پاس مجز و کمزور دلائل کے اور کوئی دلیل نہیں۔ اول یہ کہ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق عموم ثابت ہے۔ قرآنی عام کو ان اخبار احوال سے خاص نہیں کر سکتے۔ کما هو مصرح فی الاصول۔ دوم یہ کہ احادیث میں وارد ہے کہ صحابہ کرام نے قرئی یعنی گاؤں میں جمعہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ ہجرت سے قبل مدینہ منورہ قریہ یعنی گاؤں تھا اور صحابہ نے جمعہ وہاں ادا کیا۔ اس طرح جو اٹا جو کہ گاؤں ہے۔ بحرین میں وہاں مسجد عبد القیس میں صحابہ نے جمعہ ادا کیا۔ یہ دونوں دلائل بہت کمزور ہیں۔ اول تو اس لئے کہ قرآن میں جمعہ کے لئے کوئی شرط نہیں۔ تو وقت کی اور جنگل یا آبادی کی بھی قید نہیں۔ لہذا لازم آتا ہے۔ کہ نماز جمعہ بمؤذ جمعہ ہر وقت کبھی فجر کے وقت کبھی دوپہر کو کبھی عصر

کبھی مغرب کے وقت جنگل اور آبادی ہر جگہ ہوا کرے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں تو ماننا پڑے گا کہ یہ عام مخصوص البعض ہے اور جب کسی قطعی عام میں ایک بار تخصیص قطعی دلیل سے ہو چکی۔ تو آئندہ دلائل ظنیہ سے بھی تخصیص جائز ہے۔ حکما ہو فی الاصول۔

دوم یہ کہ آیت مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے۔ حکما لا یغنی علی اهل العلم۔ اور مجمل کی تفصیل ظنیات سے جائز ہے۔ جیسا کہ مسح راس میں ہوا۔ سوم تخصیص اول خبر احوال نہیں بلکہ عرفات میں حضور سید عالم ﷺ کا جمعہ روانہ کرنا ان تمام لوگوں نے دیکھا جو اس محلہ الوداع میں شامل تھے اور وہ ایک لاکھ آدمی کے قریب۔ جب اتنے لوگ ایک فعل کو دیکھیں۔ تو وہ خبر احوال کیسی، چارم ہم کہہ چکے کہ وذروا البیع میں اشارہ اس طرف ہے۔ کہ جمعہ شہر میں ہو۔ رہی وہ سری دلیل، وہ اس لئے کمزور بلکہ باطل ہے کہ ان مقامات کا گاؤں ہونا ثابت نہیں کہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی عام طور پر ہوتا ہے۔ مکہ مکرمہ کو کہتے ہیں۔ ام القری قرآن پاک میں فرمایا گیا۔ وقالوا لو لا نزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیمہ ○ اس میں مکہ اور طائف کو قریہ کہا گیا اور اگر مان لیں کہ قریہ بمعنی گاؤں اس جگہ بولا گیا ہو تو کیا خبر کہ اس وقت گاؤں قحط ممکن ہے کہ پہلے گاؤں رہا ہو اور بعد وقت نماز جمعہ شہر میں چکا ہو اس سے بھی چشم پوشی کر لیں تو کیا معلوم کہ خود سرکار لبد قرار ﷺ کے حکم سے یہ جمعہ ہوا۔ یا کہ صحابہ کرام کے اجتہاد سے۔ غرضیکہ یہ دلائل کمزور ہیں۔ اصح یہی ہے کہ گاؤں یا جنگل میں جمعہ جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غنی عنہ

قبر میں نبی کریم ﷺ کی زیارت پاک کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت کو نکیرین ہمدقت سوالات قبر ردضہ مطہرو کی زیارت کراتے ہیں یا شبیہ پاک کی یا خود سید عالم ﷺ وہاں موجود ہوتے ہیں اور جو اس کو بعید از عقل سمجھے اس کا کیا حکم ہے؟ نیز جو لوگ دفن نہیں کئے جاتے ان سے کس طرح سوالات ہوتے ہیں۔ جیسے کسی کو جلا دیا یا شیر کھا گیا۔ بیوا تو جردا۔

الجواب

مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان سوالات کے بارے میں جو روایت نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ **فبقولان ما كنت تقول في هذا الرجل لمحمد** مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر یعنی نکیرین میت سے کہتے ہیں کہ تم ان صاحب کے بارے میں کیا کہتے تھے خود راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ نے (رجل) کی تفسیر میں فرمایا **لمحمد** یعنی **هذا الرجل** سے اشارہ ذات کریم سید عالم ﷺ کی طرف ہوتا ہے۔ **اشد اللغات** میں ہے۔ یعنی **هذا الرجل** کہ می گویند آنحضرت را میخواستند۔ حدیث پاک کے الفاظ اور خود راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس تفسیر سے ظاہر یہ ہی ہے۔ کہ خود سرکار ابد قرار **هذا الرجل** رونق افروز ہوتے ہیں۔ نیز محدثین کرام بھی اسی معنی کو زیادہ ارجح قرار دے کر اس کو مرثیہ عظیم جاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث اشہ اللغات میں اسی باب اثبات عذاب القبر کی اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

”یابہ احضار ذات شریف دے در حیاتی بایں طریق کہ در قبر مثالے از حضرت دے

هذا الرجل حاضر ساختہ ہے باشند“ اسی پر اعتماد فرما کر دلولہ عشق سے فرماتے ہیں۔ دریں

جاہل تبت سر مشتاقان غمزہ را کہ اگر بر امید این شادی جان دهند و زندہ در گور روند
جائے آں وارد ۔

در ظلمت فراق تو گر جان و ہم چہ غم - غم نیست گر زماہ رخصت پر توے قد

صوفیائے کرام و عاشقان عظام بھی اسی بنا پر تمنائے موت کرتے پائے گئے ہیں۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے۔ فقیر یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ
وسلم وہی بشری عظیمہ۔ تہذیب علی البخاری جلد ۳ ص ۳۹۰ کتاب الجنائز میں

ہے۔ فقیر یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہی

بشری عظیمہ للمومن ان صح۔ معلوم ہوا کہ ظاہر یہ ہے کہ خود سرکار لبد قرار

صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مشاہدہ میت کو ہوتا ہے۔ کہ اس کے سوا دیگر تو جیہوں میں ہذا الرجل کی

تاویل کرنی پڑے گی اور مجاز وغیرہ ماننا پڑے گا۔ اور اس توجیہ پر کوئی تاویل کی حاجت نہیں

کہ رجل روح مع الجسم کو کہتے ہیں۔ جو شخص محض بعید از عقل ہونے کی وجہ سے اس کا

انکار کرے وہ ابھی تک ایمانیات سے بے خبر ہے۔ عجائبات قدرت کی کس کس بات کو اپنی

ناقص عقل سے معلوم کرے گا ماں کے پیٹ میں بچہ جب تیار ہوتا ہے۔ فرشتہ اسی جگہ

تقدیر لکھ جاتا ہے۔ ماں کو خبر نہیں ہوتی اور ایک ہی فرشتہ ایک ہی وقت میں ہزار ہا بیٹوں

میں جا کر یہ کام کر آتا ہے۔ ایک ہی منکر نکیر ایک ہی وقت میں تمام دنیا کے مدفونین سے

سوال کر لیتے ہیں۔ ایک سونے والا آنکھ لگتے ہی عالم کی سیر کر لیتا ہے۔ جب اٹھا جو جہاں

تھا وہیں موجود۔ تو اگر میت کی قبر جیسے کہ جنت کی کھڑکی قبر میں کھلتی ہے۔ حجاب اٹھا کر اور

اگر اس لئے کوئی شخص اس کا انکار کرے۔ کہ بعض محدثین نے اس کے علاوہ بھی قول

کئے ہیں۔ وہ انہی کو اختیار کرتا ہے۔ تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(۲) عذاب قبر اور سوالات قبر میں جو لفظ قبر بولا جاتا ہے۔ اس سے مراد خاص گڑھا

(جس کو ہم قبر کہتے ہیں) نہیں ہے بلکہ مراد عالم برزخ ہے۔ جو دنیا کی زندگی اور قیامت

کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ لہذا جو شخص اس قبر میں بھی نہ دفن کیا جاوے اس کا جسم

جس جگہ بھی ہو گا۔ وہاں ہی روح سے تعلق پیدا کر کے اس سے سوال و جواب اور اس کو عذاب ہو گا۔ حتیٰ کہ اگر میت کو جلا دیا گیا یا شیر کھا گیا یا پھلیوں نے کھا لیا۔ تو اس کے اجزاء اصلہ جس کو اجزائے لانتجزی بھی کہتے ہیں۔ خود ان اجزاء سے روح کو تعلق دے کر سوال و جواب ہو گا کہ اجزائے تنجزی کبھی فنا نہیں ہوتے۔ جسم راکھ ہو گیا یا شیر کا پاخانہ بن گیا۔ مگر وہ اجزاء بحالہا ویسے ہی باقی رہے۔ اسی پر قیامت کے دن جسم بنایا جائے گا۔ اسی لئے آریہ کے آواگون میں اور اس حشر اجساد میں فرق ہو گیا۔ کیونکہ آریوں کے ہاں خود روح بدل جاتی ہے۔ اور ہمارے ہاں نہیں اور آریوں کے ہاں دو سرا جسم پہلے جسم کا بالکل غیر ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں نہیں بلکہ جسم کے اصلی اجزاء ان دونوں جسموں میں ایک ہی ہیں۔ اگرچہ ان جسموں کی صورت مختلف ہے۔ اور اس میں کچھ حرج بھی نہیں ہے۔ دیکھو بچپن جو لنی پڑھاپے اور ہماری تدرستی میں جسم کی شکلیں مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن اس سے آدمی نہیں بدل جاتا۔ کیونکہ اس کے اصلی اجزاء وہی ہیں۔ ایسے ہی قیامت میں اجزاء وہی ہوں گے۔ جسم کی شکل بدل جائے گی۔ اسی طرح کسی میت کو دفن نہ کیا گیا تو اسے اسی میدان میں سوال و جواب ہوں گے جہاں وہ پڑا ہوا ہے۔ اگر کسی کو تابوت میں ہی رکھ دیا گیا۔ تو تابوت میں اس سے سوال و جواب ہوں گے اگرچہ کسی کو شعور نہ ہو۔ اشحہ اللمعات باب اثبات عذاب القبر میں ہے۔ ”و مراد بقبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت و تعلق دارد بہر دو مقام نہ آن گورے کہ مردہ در دو دور گور کنند کہ بسا مردگان کہ در آب عرق شوند و در آتش سوختہ گردند و در حکم جانور ہاں بحلیل روند الا جزوے ازاں کہ آن را جزو اصل خوانند از اول عمر تا آخر آن باقی ماند ہم بدل جزو روح را متعلق سازد و جائے بخشد و عذاب کند و نعمت دہد ملخصاً۔“ نیز شرح عقائد سنی میں ہے۔ حتیٰ ان الفریق فی الماء والماکول فی بطون الحیوانات والمصلوب فی الهواء یعذب وان لم نطلع۔ حاشیہ شرح عقائد میں کنز العباد سے ہے۔ فی الروضة فی الباب السادس والعشرون فان قيل

ما تقول اذا مات الرجل ولم يدفن ايماثم يدفن هل يسئل في البيت فنقول
 يختلف المشايخ فيه الخ وقال بعضهم يسئل في البيت في ليلة يصعد
 الارض حوله فيصير كالقبر ويسال لانه روى الاخبار انه يسئل الميت
 بعد الموت بلا فصل ولومات رجل في القرية فجعلوه في التابوت ليحملوه
 الى بلد آخر متي يسئل في القبر ام في التابوت قال الفقيه ابو جعفر البلخي
 يسئل في التابوت لانه كالقبر۔ ان عبارات سے بخوبی وہ امور معلوم ہوئے جو
 کہ ہم نے بیان کئے۔ واللہ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم واحکم۔
 احمد یار خاں عثمانی

حضرت مسیح کے ابن ہونے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۵

علمائے دین کی خدمت میں عرض ہے کہ ایک عیسائی نے ۲۶ محرم ۱۳۵۹ ہجری ۲۴
 مارچ ۱۹۴۰ء کے اخبار الفضل میں ایک مضمون دیا ہے۔ جس میں اس نے قرآن پاک
 سے حضرت مسیح علیہ السلام کا ابن اللہ ہونا اور افضل الرسل ہونا ثابت کیا ہے۔ اور دعویٰ
 کیا ہے کہ ان دلائل کا کوئی عالم جواب نہیں دے سکتا۔ مہربانی کر کے جوابات ارقام کئے
 جائیں۔

الجواب

اشتہار مذکورہ فقیر کی نگاہ سے گذرا۔ اس میں محض دھوکہ بازی سے کام لیا گیا ہے۔
 اس کے دلائل تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ ملاحظہ ہو۔
 دلیل نمبر (۱) میں پوری نے لکھا ہے۔ ومبشرا برسول یاتى من بعدى اسمه

احمد میں مسیح فرماتے ہیں کہ میں ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہو گا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اگر احمد رسول نے آکر دین مسیح کو جھٹلانا تھا۔ اور مسیح کے خلاف چلنا تھا۔ تو مسیح ایسے رسول کی آمد کو بشارت کیونکہ کہہ سکتے تھے اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ احمد رسول نے آکر مسیح کے لئے راستہ صاف کرنا تھا اور لوگوں کو بتانا تھا کہ نجات مسیح کے ساتھ ہے۔

جواب پوری جی! اسلام نے دین مسیح کو کب جھٹلایا اور اس کی مخالفت کہاں کی اگر اسلام کہتا کہ دین مسیحی جھوٹا تھا یا حضرت مسیح نبی نہیں تو جھٹلانا ہوتا اسلام نے تو دین مسیح کیا تمام آسمانی دینوں کی تصدیق کی اور ان کے لانے والے نبیوں کو برحق فرمایا۔ ہاں ان تمام دینوں کی ایک ایک میعاد تھی کہ جس پر وہ پہنچ کر ختم ہو گئے۔ دین موسوی جس طرح حضرت مسیح کی تشریف آوری سے ختم ہو گیا اسی طرح دین عیسوی دین اسلام سے تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مسیح نے دین موسوی و ابراہیمی کو جھٹلادیا۔ قاعدہ ہے کہ جب بچہ سکول جاتا ہے تو چھوٹی کلاسوں اور چھوٹے مدرسوں میں تعلیم پاتا ہے۔ جس قدر اس کی علمی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر بڑی کلاسوں اور بڑے مدرس کے پاس پہنچتا ہے۔ تو کیا بڑے مدرس چھوٹے مدرسوں کو جھٹلاتے ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ ان کے غیر مکمل کام کو مکمل کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ لڑکائی اے بی بی پاس کر کے راحت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح اور انبیائے کرام دنیا کو حسب ضرورت تعلیم دیتے رہے۔ یہاں تک کہ دنیا کے آخری اور کامل معلم ﷺ ایک مکمل دین لیکر تشریف لائے اور اب مکمل سبق دنیا کو دے گئے۔ کہ اب کسی استاد کی ضرورت نہیں رہی اور فرمایا 'الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی' (پارہ ۶) رہا یہ کہ حضرت مسیح نے تشریف آوری حضور ﷺ کی خوشخبری کیوں دی۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔ اول تو یہ کہ دنیا نے حضرت مسیح کو جھٹلایا۔ اور دنیا کے اس تاجدار ﷺ نے ان کی تصدیق فرمائی جس سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں ان کی تصدیق ہو گئی۔ دنیا نے ان کو اور ان کی کنواری طیبہ

ظاہرہ والدہ ماجدہ کو عیب لگایا۔ اس رحمت عالم علیہ السلام نے ان کے دامن عفت سے یہ وجہ ایسا دور فرمایا کہ جو قرآن پڑھے ان کی طہارت کے گیت گائے اور جس درس توحید کو وہ لائے تھے۔ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ غرضیکہ اس رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بدولت ان کی رسالت کی تصدیق ان کی والدہ ماجدہ کی پاکدامنی کی تائید ان کی کتاب کی حمایت ان کے کام کی تکمیل ہوئی۔ پھر کیوں نہ خوش ہو کر فرماتے کہ مبشرا برسول یاتى من بعدى اسمه احمد۔ اگر قرآن نے اس طرح ان کا چہ چانہ کیا ہو تا تو دنیا ان کے نام سے نا آشنا ہو چکی ہوتی۔ آج دنیا میں ان ہی انبیاء اور کتابوں کا نام روشن ہے جس کو اس آفتاب رسالت ﷺ نے ظاہر فرمادیا۔ جن کا اسلام نے ذکر نہ کیا۔ ان کے نام بھی بھولے جا چکے۔

پوری جی! مسیح کا نام اسلام سے زندہ ہے نہ کہ آپ سے پوری جی نے شاید سوتے میں کہہ دیا کہ احمد رسول نے آکر مسیح کے لئے رستہ صاف کرنا تھا۔ جناب ہوش سنبھالو۔ بادشاہ کے آنے سے پہلے راستہ صاف ہوتا ہے۔ یا گزر چکنے کے بعد اور بادشاہ کی آمد کی خبر اس کے ماتحت لوگ دیتے ہیں یا کہ ماتحت کی خبر بادشاہ۔ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک بادشاہ کی آمد کی خبر اور ان کے لئے راستہ صاف فرما دیا۔ تمام انبیاء نے ان کی تشریف آوری کی خبریں اپنی امتوں کو دیں اور ان کی آمد کی دعائیں مانگیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ وابعث فیہم رسولا منہم۔ انہی مکہ والوں میں رسول ان ہی میں پیدا فرما۔

گن گائیں جنکے انبیاء مانگیں رسل جن کی

دعا

- وہ دو جہاں کے مدعا صل علیٰ ہی تو ہیں

دوسری دلیل

آپ فرماتے ہیں۔ کیف تہلک امة انا اولھا وعیسیٰ ابن مریم اخرھا

یعنی امت کے شروع میں ہوں اور آخر میں مسیح ابن مریم ہیں۔ وہ جہاد نہیں ہو سکتی۔ دیکھئے کس صفائی سے فرمایا۔ کہ اگرچہ امت کی نجات شروع میں مجھ سے وابستہ ہے مگر آخری زمانہ میں مسیح ابن مریم ہی نجات کا ذریعہ ہوں گے۔

جواب پوری جی ایہ الٹی گنگا کس طرح بہہ رہی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام تو حضور سید عالم ﷺ سے سینکڑوں برس پہلے گزر چکے ہیں۔ پھر وہ حضور سے بعد میں کیوں ہو گئے۔ انفسوس تم نے آنکھ پر پٹی باندھ کر حدیث لکھی۔ سنئے پہلے عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں نبی کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ اب دوبارہ امت نبی آخر الزمان کی حیثیت سے تشریف آوری ہوگی۔ اور اسلام کے مبلغ کی حیثیت سے۔ جیسے کہ ایک جج کسی بڑے جج کی پچھری میں کسی مقدمہ کی گولہی دینے جائے۔ تو اگرچہ وہ اپنی پچھری میں جج ہے۔ مگر یہاں اس بڑے جج کا گواہ اور اس جج کا ماتحت۔ سبحان اللہ اس امت مرحومہ کا کیا رتبہ ہے کہ ایک نبی معظم اس کی امت کا فرد ہے۔ اس حدیث میں یہ ہی ہے۔

تیسری دلیل

چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمان گویں گوں مصائب میں گرفتار ہیں اور دنیا میں ہر لحاظ سے گر رہے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہی ہے کہ جناب مسیح کو مسلمان قبول کر کے دین سکھ میں داخل نہیں ہوتے۔

جواب مسلمانوں کی پستی اور کمزوری صرف اس لئے ہے کہ وہ اسلام پر پوری طرح قائم نہ رہے۔ ورنہ جب تک مسلمان پختہ تھے۔ تب تک انہوں نے یہودی عیسائی مشرکین وغیرہم تمام کو اپنا غلام بنا لیا۔ پوری صاحب کچھلی لڑائیاں بھول گئے کیا قادیانہ اور یرموک کے میدان آپ کو یاد نہ رہے کہ جہاں عیسائی ۷ لاکھ اور مسلمان صرف چالیس ہزار تھے۔ مگر عیسائیوں کو وہ مار پڑی کہ آپ اب بھی جانتے ہوں گے۔ اور آپ کا سراب

تک یاد کرتا ہو گا۔ مسلمانوں نے روم و ایران بلکہ تمام دنیا پر صد ہا برس تک نہایت شان و شکوہ سے حکومت کی۔ ابھی سو رہے ہیں۔ مگر سمجھ لو کہ یہ سوئے ہوئے شیر ہیں۔ اچھا اگر ہم مان لیں کہ عیسائیت سے عزت ملتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ اینگلو انڈین کی انگریز عیسائیوں کے سامنے موچی کے برابر بھی عزت نہیں۔ امریکہ والے اپنی خیرات سے چندہ میں روپیہ ملانے ان کو تنخواہ دیتے ہیں جس سے بمشکل تمام ان کی گزران ہوتی ہے۔ نہ پاؤں میں جوتا ہے نہ سر پر ٹوپی نہ بدن پر عہہ کپڑے۔ ان کا گرجا علیحدہ ان کا قبرستان علیحدہ کیوں صاحب مسیحی تو یہ بھی ہیں۔ انہیں کیوں نہ عزت ملی۔ آؤ اسلام کی آغوش میں تو عزت بھی پاؤ گے اور ہدایت بھی۔

چوتھی دلیل

جب کوئی نبی زندہ آسمان پر نہ گیا اور خدا نے اس قاتل نہ سمجھا کہ دوبارہ اگر امت محمدیہ کی اصلاح کرے اور اس عظیم الشان کام کو کرنے کے لئے صرف مسیح کو ہی منتخب کیا۔ تو مسیح کی فضیلت میں کیا کمی رہ گئی۔

جواب میں ایک مثل بیان کرتا ہوں 'بادشاہ نے دشمن کے مقابلہ میں ایک سپہ سالار کو سردار لشکر بنا کر بھیجا مگر دشمن اس سے نہ دب۔ بلکہ اس کے قتل کی تیاری کی۔ لہذا بادشاہ نے اسے واپس بلا لیا اور دوسرا سپہ سالار بھیجا۔ جس نے تمام دشمنوں کو مغلوب کر لیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر حکم دیا کہ چونکہ تم دشمن پر غالب آگئے اور دنیا تم کو مان گئی۔ لہذا تم وہاں ہی رہو اور جہاد کئے جاؤ۔ خوب حکمرانی کرو۔ پھر پہلے کو دوسرے کا ماتحت بنا کر بھیجا۔ ان دونوں میں کون سپہ سالار بڑے رتبہ والا ہے۔ ہر عقلمند کہے گا کہ دوسرا جناب مسیح علیہ السلام کے یہودی ایسے دشمن ہوئے کہ ان کو قتل کرنے کے ارادے سے قید کر دیا۔ اس وقت مدائنی نے ان کی دھگیری کی اور ان کو آسمان پر بلا لیا۔ برخلاف اس کے کہ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ بغیر دنیاوی سلمان اور شوکت کے ساری دنیا سے مقابلہ کیا۔ صرف ۲۳ سال کی تھوڑی مدت میں عالم کی ہوا بدل دی۔ پیغام الہی پہنچتا رہا۔ یا ایہا النبی جاهد الکفار والمعتقین واغلظ علیہم اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ اور ان پر خوب سختی کرو۔ کہئے جو کفار سے تنگ آکر تارک الدنیا ہو جائے اور جو ان میں رہ کر ان کی اصلاح کرے۔ ان میں کون افضل ہے؟ رہا آسمان پر جانا، رہتا۔ اس میں کوئی ایسی خاص افضلیت نہیں کہ صرف اس کی وجہ سے تمام انبیاء سے افضل کہا جائے حضرت اور لیں علیہ السلام تو حضرت مسیح سے بھی اوپر ساتویں آسمان پر بلکہ بہشت میں تشریف فرما ہیں۔ ملائکہ، چاند، ستارے، سورج، آسمان پر ہی ہیں۔ کیا پوری صاحب ان سب کو حضرت مسیح سے افضل جانیں گے۔ ہاں آسمان پر بلایا جاتا۔ وہاں کی سیر کرنا کہ خدائے قدوس کی مہمانی ہو۔ ملائکہ زمین پر لینے کو آئیں۔ تمام جنت و دوزخ عرش و کرسی کی سیر کرائی جائے۔ راز و نیاز ہو۔ اس جانے میں اور اس جانے میں بڑا فرق ہے۔ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس طرح معراج میں بلایا گیا۔

پانچویں دلیل

ہم مسیح کو خدا کا بیٹا کیوں نہ مانیں جب قرآن کہتا ہے کہ خدا ہی جی و قیوم ہے یعنی زندہ اور غیر متغیر ہے۔ مگر مسیح دو ہزار سال سے زندہ اور غیر متغیر آسمان پر بیٹھا ہے۔ لہذا وہ بھی خدا یا خدا کا بیٹا ہے۔

جواب

پوری جی۔ یہ تو خوب کہا کہ جس کی عمر بڑی ہو اور آسمان پر بیٹھا رہتا ہو، وہ خدا کا بیٹا

تو سارے فرشتے خدا کے بیٹے چاند سورج، حضرت اور لیس علیہ السلام خدا کے بیٹے بتاؤ تو خدا کے کتنے بیٹے ہیں۔ اور کس کس بیوی سے پیدا ہوئے اور تمہارے خدا کا نکاح کتنی جگہ ہوا۔ کہل کہل خدا کی سسرال ہوئی۔ وما قدرہ اللہ حق قدرہ اگر اوپر رہنے میں افضلیت ہوا کرے۔ تو دریا میں حباب اوپر اور موتی نیچے ہے۔ ہر ہلکی چیز اوپر اور وزنی چیز نیچے رہتی ہے۔ تو کیا موتی سے حباب افضل ہوتا ہے۔ ع

حباب بر سر آب و گہرتہ دریاست۔

حضرت مسیح علیہ السلام صرف ڈیڑھ دن آسمان پر قیام فرمائیں گے۔ جو یہاں کے صد ہا سال ہوئے۔ اس زمانہ میں جب وہ اس دنیا میں قیام فرمانہ ہوئے تو وہ زمانہ عمر قرار نہ پائے گا۔ اور عمر زمان بھی لیں تو کیا ضروری ہے۔ ہر بڑی عمر والا چھوٹی عمر والے سے ہر طرح افضل ہوا۔ اگر باپ کی عمر پچاس سال اور بیٹے کی سو سال ہو تو کیا بیٹا باپ سے افضل ہوا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ۳۳ سال دنیا میں قیام فرمایا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے پندرہ سو برس۔ تو کیا حضرت نوح کو تم عیسیٰ علیہ السلام سے افضل مطلق مانو گے۔ سانپ، گدھ اور بعض درختوں کی عمریں انسان سے بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ تو کیا یہ چیزیں انسان سے افضل ہیں ہرگز نہیں۔

چھٹی دلیل

خدا کے سوا کسی انسان کی کیا مجال ہے کہ وہ مردے زندہ کرے آدم سے لے کر اب تک کسی نے ایسا نہ کیا۔ لیکن ایک ہستی ایسی پائی جاتی ہے جس نے مردے زندہ کئے۔ وہ ہمارے منجی خداوند مسیح ہیں۔ اب آپ کے لئے وہی راستہ ہیں یا تو یہ تسلیم کریں کہ قرآن کی یہ آیت درست نہیں۔ کہ خدا ہی مردے زندہ کرتا ہے یا یہ مانیں کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ کیونکہ بیٹا باپ سے جدا نہیں۔

جواب پوری جی! معجزوں کا کون مکر ہو سکتا ہے۔ بے شک جناب مسیح علیہ السلام نے

مردے زندہ کئے۔ لیکن معجزے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کام خدا کی طرف سے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا 'واحي الموتى باذن اللہ' یعنی میں خدا کے حکم سے مردے زندہ کرتا ہوں۔ ان معجزات سے کوئی بھی نبی خدا کا بیٹا نہ بنا۔ آپ کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ آدم سے لے کر اب تک کسی نبی اور ولی نے مردے زندہ نہ کئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ایک شخص (مردے) کو گائے کے کچھ اعضاء مار کر زندہ فرمایا اور ان کا یہ معجزہ تو مشہور ہی ہے۔ کہ لاشی کو زندہ سانپ بنا دیتے تھے۔ طور پر ستر آدمی زندہ کئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندوں کو زنج فرما کر زندہ فرمایا۔ جس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ ثم ادعہن یا تینک سعید۔ خود حضور سید عالم ﷺ نے مردے زندہ کئے چنانچہ حجتہ الوداع میں اپنے والدین ماجدین کو زندہ فرما کر انہیں اسلام کی تلقین فرمائی۔ دیکھو شاہی۔

اسی طرح حضرت جابر کے دو بچوں کو زندہ فرما کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ جن میں سے ایک کو دوسرے نے زنج کر دیا تھا۔ اور دوسرا چھت سے گر کر فوت ہو چکا تھا۔ ان کے صحابہ کرام نے ان کا نام لے کر مردے زندہ کئے۔ چنانچہ ایک انصاری نابینا بڑھیا نے اپنے بیٹے کو آپ کا نام لے کر زندہ کیا۔ دیکھو شرح قصیدہ بردہ الخروقی کی اس شعر کی شرح ۔

لو ناسبت قدرہ اہلہ عظما - احي اسمہ حين يدعى دارس الرمم

لام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔

وصالت ربک فی ابن جابر بعدما - ان مات احياء قد ارضاک

ان کی امت کے اولیاء نے ہزار مردے زندہ کئے جیسے حضور شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اگرچہ آپ ان باتوں کو نہ مانیں۔ مگر چونکہ آپ نے ہم کو ہمارے مذہب سے الزام دیا۔ اس لئے یہ جواب دیا گیا۔

اور سنئے حضرت اسرائیل صور پھونک کر تمام مردوں کو زندہ کریں گے حضرت عزیر

علیہ السلام نے اپنے مرے ہوئے گدھے کو سو برس کے بعد زندہ فرمایا آپ شاید ان سب کو خدا کا بیٹا مانیں گے۔ العیاذ باللہ۔ پوری جی! یہ خوب کہہ گئے کہ باپ سے بیٹا جدا نہیں۔ تو جو خدا کا حل وہ بیٹے کا حل وہ خدا کا تو عیسائی مذہب پر تو یہودیوں نے حضرت مسیح کو سولی دیدی تو کیا عیسائیوں کے خدا کو بھی یہودیوں نے سولی دیدی۔ اگر ایسا ہے تو ایسے مجبور اور مظلوم خدا کو ہمارا دور ہی سے سلام جو کہ یہودیوں سے بھی کمزور ہو۔

ساتویں دلیل

آدم سے رسول عربی تک کسی نے کچھ بھی پیدا نہ کیا۔ لیکن یہاں بھی مسیح کی امتیازی شان موجود ہے چنانچہ سورہ آل عمران میں لکھا ہے۔ انی اخلق لکم من الطین کھینۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا۔ اب یا تو یہ کہو کہ قرآن کی یہ آیت صحیح نہیں کہ صرف خدا ہی خالق ہے۔ یا یہ تسلیم کرو کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے اور باقی نبیوں سے افضل۔

جواب پوری جی! تم نے دھوکہ دینے کو آیت صحیح پوری نہ لکھی اور ترجمہ بھی غلط کیا۔ سنئے! آیت پوری یہ ہے۔ انی قد جنتکم بایۃ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھینۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ وابرئ الاکمرہ والابرص واحی الموتی باذن اللہ۔ یعنی میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ وہ پھونک مارنے سے خدا کے حکم سے فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اور میں شفا دیتا ہوں ماور زاد اندھے اور کوڑھی کو اور زندہ کرتا ہوں مردے کو خدا کے حکم سے (آل عمران) اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردے زندہ کرنا بیماروں کو اچھا کرنا اور تمام معجزات دکھانا خدا کے حکم سے تھا۔ اخلق کے معنی اس جگہ بنانے کے ہیں۔ نہ کہ پیدا کرنے کے ورنہ کھینۃ الطیر کا لفظ بیکار رہے

گاہ۔ یعنی میں پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ قرآن پاک میں خلق کا لفظ بنانے کے لئے اور جگہ بھی بولا گیا ہے۔ کفار سے خطاب کر کے فرمایا گیا وتخلقون افکار۔ (عنکبوت) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کو پکار کر زندہ فرمایا۔ ماں کے پیٹ میں فرشتہ بھی یہی کرتا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کے بطن میں اسی طرح پھونک مار کر خود مسیح کو بنایا۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کا جسم بنایا۔ شاید ان سب کو آپ خدا کا بیٹا تسلیم کریں۔ سبحان اللہ! اتنی سی قابلیت اور علم میں مسلمانوں سے الجھ بیٹھے۔

آٹھویں دلیل

قرآن مسیح کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہتا ہے۔ زمین پر آپ کا کوئی باپ نہ تھا۔ اور نہ آپ انسانی نطفہ سے پیدا ہوئے؟ اور یہی وجہ ہے کہ آپ پر موت قبضہ نہ کر سکی؟

جواب پوری جی! اور بھی تعجب کی بات سنئے کہ میں اور آپ بھی روح اللہ ہیں یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی روح، ہر چیز اللہ نے بنائی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ خلاف عادت طریقہ سے بغیر واسطہ باپ پیدا ہوئے۔ ان کی عزت بڑھانے کے لئے روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا گیا۔ یعنی بغیر واسطہ باپ اللہ کی پیدا کی ہوئی روح، جیسے کہ آپ گر جا کر کہتے ہیں بیت اللہ، کیا خدا اس میں رہتا ہے؟ نہیں بلکہ مطلب یہ کہ کسی انسان کا اس پر دعویٰ ملکیت نہیں اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل ہو۔ تو حضرت آدم و حوا بدرجہ اولیٰ خدا کا بیٹا اور بیٹی ہوں گے۔ اور تمام فرشتے خدا کی اولاد۔ یہ سب بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے۔ غرضیکہ یہ تمام باتیں لغو اور بے بنیاد ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

احمد یار خاں غنی عنہ

قرآن کریم کو ہندی رسم الخط میں لکھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید غلام بھیک نیرنگ نے ایک تجویز پیش کی ہے کہ قرآن کو ہندی رسم الخط میں چھپا جائے تا کہ اس سے دیگر اقوام ہند میں تبلیغ کا کام ہو سکے آیا جائز ہے یا نہیں؟ نیز عرض ہے کہ قرآن کی تحریر کی آیات قرآنیہ سے مشق جائز ہے یا نہیں؟ اور حمایتیں وغیرہ چھاپنا کیسا ہے۔ بینواتو جروں۔

الجواب

خدائے پاک میر صاحب کے حل پر رحم فرمائے۔ ان کو اس بڑھاپے میں جو سو جھتی ہے وہ نرالے پر فتن ہیں ابھی عورتوں کو طلاق کا حق دلوا دیا اور برعکس نام نہند زنگی کا فور نام رکھا خلع بل اب یہ نئی سو جھی۔ خدائے پاک فرماتا ہے۔ نعن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون۔ اس آیت میں حافظوں کو مطلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم تلاوة و کتابتہ ”ہر طرح محفوظ ہے۔ جس طرح اس کی عبارت بدلنا جائز نہیں اور وہ قرآن نہ ہو گا۔ اسی طرح اس کا رسم الخط بھی بدلنا جائز نہیں کہ وہ قرآن کی تحریر نہ ہو گی ہندی یا انگریزی تو دور کا سوال ہے یہاں تو خط نستعلیق میں قرآن لکھنا منع ہے۔ نسخ میں ہی لکھا جائے گا۔ اور نسخ میں اسی طرح اسی روشن بے جس طرح منقول ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اگرچہ اب ہماری رسم الخط اس کے خلاف ہو گئی ہو۔ بسم اللہ کا سین دراز ہی کر کے لکھا جائے گا نصفاً بتوین ہی سے لکھا جائے گا۔ نہ کہ نون خفیفہ سے بئس الاسم الفسوق۔ لام الف سے لکھا جائے گا اگرچہ پڑھنے میں صرف لام آتا ہے۔ غرضیکہ طریقہ تحریر بھی سلف عثمانی کے موافق ہو گا۔ اتقان جلد دوم صفحہ ۱۷۱ میں کتابتہ القرآن کے ذکر میں ہے۔ وہں یجوز غیر عربی الاقرب المنع کما تعمر

قراۃ بغیر لسان العربی قولہم القلم احدی اللسانین وقد قال تعالیٰ بلسان عربی مبین۔ اسی میں صفحہ ۱۷ پر ہے وقال الامام احمد یحرم مخالفة خط مصحف عثمان فی واوا ویاہ اوالف وغیر ذالک اسی صفحہ پر ہے۔ قال البیہقی فی شعب الایمان من یکتب مصحفا فینبغی ان یحافظ علی الہجاء الذی کتبوہ تلک المصاحف ولا ینخالفہم فیہ ولا یغیرہ مما کتبوہ شیئا فانہم کانوا اکثر علما واصدق قلبا ولسانا واعظم امانۃ منا فلا ینبغی ان نظن بانفسنا استدراکا علیہم اتقان جلد دوم صفحہ ۱۷ نوع فی مرسوم الخط میں ہے سن مالک ہل یکتب المصحف علی ما احدثہ الناس من الہجاء فقال لا الاعلیٰ الکتبۃ الاولیٰ اسی صفحہ ۱۷۰ میں ہے عن ابن سیرین انه کان یکرہ ان تمد الباء الی المیم حتی تکتب السین۔ ان عبارات سے بالکل ظاہر و باہر ہو گیا کہ قرآن کریم کی تحریر عربی خط میں ہی ہوگی اور وہ بھی موافق مصحف عثمانی خواہ آج کل کی رسم الخط اس کی موافقت کرے یا نہ کرے۔ جبکہ رسم الخط قرآن میں اس قدر پابندی ہے تو ہندی یا انگریزی رسم الخط میں قرآن لکھنا تو صریح تحریف ہے کہ اولاً ”تو اوپر ذکر کی ہوئی پابندیوں کے خلاف ہے۔ دوم سین ’صلو‘ ثاء میں اسی طرح اور ک میں ز۔ ذ۔ ظ میں فرق بالکل نہ ہو سکے گا۔ مثلاً ظاہر کے معنی ہیں ظاہر اور زاہر کے معنی ہیں چمکدار یا تروتازہ اب اگر ہندی میں آپ نے یا انگریزی میں ZAHIR لکھا تو کیسے معلوم ہوا کہ ظاہر ہے یا زاہر اسی طرح ظاہر اور ظاہر دوم یہ قدر اور قادر اور دونوں انگریزی اور ہندی میں ایسے لکھے جاتے ہیں QADIR بتائیے قادر اور قدیر۔ سامع اور سمیع، عالم اور علیم میں کس طرح فرق رہے گا۔ غرضیکہ اوصاف الفاظ تو درکنار خود حروف ہی منقلب ہو جائیں گے۔ اور معنی ہی ختم۔ میر صاحب قبر میں جانے کو ہیں کیا یہ اعمال منکر نکیر کو دکھائیں گے۔ اب قرآن کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔ بعض علماء تو قرآن میں رکوع اور نقاط اعرابی اور آیات اور اسماء سور

لکھنے کے بھی خلاف رہے مگر یہ محسوس کر کے کہ ان کے بغیر لوگ قرآن صحیح نہ پڑھ سکیں گے۔ اور ان سے قرآن غیر قرآن سے مشتبہ نہیں ہوتا اور دلالات قراۃ میں اس لئے جائز رکھا گیا۔ اسی اختلاف کو صاحب اتقان بیان فرما کر فرماتے ہیں۔ **واما النقط فیجوز لانہ لیس لہ صوۃ فیتوہم لا جملہا لیس بقرآن قرانا۔** جب اعراب قرآنیہ میں یہ صورت ہے تو مسخ قرآن کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ خدا ہدایت نصیب فرمائے آمین۔
 احمد یار خاں غفرلہ

بوقت نکاح خاوند کی شرائط لکھنے اور پورا نہ کرنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۳

علمائے دین و ہادیان شرع متین مسئلہ ذیل میں از روئے شرع شریف کیا فرماتے ہیں۔ زید کی شادی ہندہ سے بہ تحریر اس شرائط ہوئی۔

- (۱) مہر عند الطلب ۵۰۰ ادا کیا جائے گا۔
- (۲) نان و نفقہ کا کفیل رہوں گا۔
- (۳) زوجہ کی دلجوئی رکھوں گا۔
- (۴) چکی وغیرہ پینے پر مجبور نہ کروں گا۔
- (۵) بصورت انقلاب ناچاقی دس روپے ماہوار گزارے کے لئے دیا کروں گا۔
- (۶) بوجوہات مجبوری زوجہ کو تفویض طلاق کا بھی اختیار ہے۔

مولوی سید احمد شاہ ان لاہور

(۷) جو معروف خانہ داری اور زیور طلائی و نقری 'میری جانب سے زوجہ کو دیئے گئے ہیں۔ وہ ملکیت زوجہ ہوں گے۔ قبل از نکاح دارمان زوج نے علفی قول سے اطمینان دلایا کہ زوج پٹواری ملازم ہے اور انگریزی دسویں جماعت پاس ہے۔ بعد نکاح جو

زیور نکاح میں چڑھائے گئے۔ وہ عاریتہ "تھے۔ جو کہ دوسرے ہی دن اتار لئے گئے۔ اور ثابت ہوا کہ نہ تو زوج دسویں جماعت پاس ہے اور نہ پٹواری ہے۔ بلکہ جنگل میں موسیٰ چاتا ہے۔ ایسی صورت میں زوجہ کو یہ اختیارات کام میں لانے کا اختیار ہے یا نہیں۔ کیونکہ وارثان زوج کی غلط بیانی اور دھوکہ دہی پورے طور پر ثابت ہے۔

الجواب

صورت مذکورہ میں عورت کو طلاق لینے کا حق نہیں۔ جب تک کہ شوہر اپنی طرف سے طلاق نہ دے۔ تب تک وہ نکاح سے خارج نہیں ہوگی۔ اولاً "تو اس لئے کہ سائل کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ شرائط مذکورہ پہلے طے کر کے پھر ایجاب و قبول ہوا یعنی شرائط نکاح سے پہلے طے ہوئیں لہذا یہ نکاح بالشرط ہوا۔ اور نکاح بالشرط میں نکاح صحیح اور شرائط فاسدہ فاسدہ رہتی ہیں۔ در مختار میں قبیل باب الولیٰ میں ہے۔ ولکن لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد وانما یبطل الشرط دونہ ولکن لو کان النکاح معلقاً علیٰ هذه الشروط لم یعتقد النکاح کما هو مصرح فی هذا المقام۔ نیز نکاح سے قبل زوج خود ہی طلاق دینے کا مالک نہ تھا۔ تو جس کا خود مالک نہ ہو اس کا دوسرے کو کس طرح مالک کر سکتا ہے۔ فان التملیک یتفرع علی الملک۔ ہاں اگر زوجہ کی طرف سے ایجاب بشرط تملیک طلاق ہو تو تفویض درست ہے۔ در مختار باب الامر باید میں ہے۔ نکھا علی ان امرها بیدھا صح۔ اس کے ماتحت رد المحتار میں ہے۔ مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك علی ان امری بیدی اطلق نفسي كلما ارید فقال الزوج قبلت لایبداء الزوج لا تطلق ولا یصیر الامر بیدھا۔

لام اس لئے کہ تحریر یہ ہے کہ بوجوہات مجبوری زوجہ کو تفویض طلاق کا اختیار بھی ہے اس عبارت میں مجبوریوں کی بناء پر طلاق کی تفویض کا اختیار دیا گیا ہے اور مجبوریوں

کی تفصیل بالکل نہیں کی گئی کہ کسی قسم کی مجبوری اور ظاہر ہے کہ شوہر کا انگریزی دسویں جماعت پاس نہ ہونا یا پٹواری نہ ہونا یا زیورات کا عاریتہ "ہونا ایسی مجبوری نہیں جس سے طلاق حاصل کی جاوے۔ اور نکاح جیسی نعمت کو خیر باد کہا جاوے۔ زیور کے بغیر زندگی بے تکلف گزاری جاسکتی ہے۔

سوم لکھا گیا ہے کہ تفویض طلاق کا بھی اختیار ہے اس میں طلاق کا اختیار نہ دیا گیا بلکہ تفویض طلاق کا اور یہ الفاظ اختیار طلاق کے نہیں کہ اختیار کے لئے الفاظ خاص ہیں۔ در مختار باب تفویض الطلاق میں ہے۔ والفاظ التفویض ثلثة تعبير وامرید ومشیة خلاصہ جواب یہ ہوا کہ بوجہ ثلاثہ مذکورہ بالا عورت کو طلاق لینے کا حق نہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں مغلّی عنہ

ضیاء بلوغ کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کے والدین بحالت شیر خوارگی فوت ہو گئے۔ اور پانچ سال کی عمر میں اس کی ثانی نے اس کا نکاح کر دیا۔ بالغہ ہوتے ہی لڑکی نے نکاح کو نامنظور کر دیا اور کہا کہ نہ میرا نکاح ہوا اور نہ مجھے منظور۔ نہ مجھے خبر حکام وقت سے اجازت نکاح ثانی ہو گئی اور انہوں نے نکاح اول فسخ کر دیا اب شرعاً "اس کا نکاح ثانی درست ہے یا نہیں۔ بیوا تو جروا۔

از مہجرات

الجواب

صورت مسئلہ میں چونکہ ٹاہنہ کا نکاح ثانی نے کیا ہے۔ اس لئے لڑکی کو خیار بلوغ ملے گا۔ اور ہاں ہوتے ہی فسخ کر سکے گی۔ ہدایہ میں ہے۔ وان زوجھا غیر الاب والجد فلکفر واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النکاح وان شاء ففسخ باب الاولیاء والاکناف لیکن اس فسخ کے لئے قضائے قاضی ضروری ہے۔ کنز میں ہے۔ ولهما الفسخ بالبلوغ فی غیر الاب والجد بشرط القضاء۔ چونکہ اس زمانہ میں شرعی سلطانی قاضی نہیں۔ اس لئے کسی ایسے احکام کے لئے وہ ہی قاضی ہیں۔ پچھری کے حکام کا حکم اس بارے میں نافذ نہیں۔ کہ ان میں سے اکثر غیر مسلم ہیں اور جو مسلم ہیں وہ قانون انگریزی کے پابند ہیں۔ شرعی احکام نافذ نہیں کر سکتے۔ لہذا اس صورت میں عالم مذکور کو ہی بعض امور میں قاضی مانا جائے گا۔ شاہی کتاب الجملہ (فیما یصیر دار الاسلام دار حرب) میں ہے۔ واما فی بلاد علیہا ولایۃ کفار فیہموز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی بتراضی المسلمین۔ اسی شاہی کتاب القضا میں ہے۔ واذا لم یکن سلطان والامن یعوز التقليد منه یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منهم یعملونہ والیافیولی قاضیا ویكون هو الذی یقضی بینہم۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ صورت مذکورہ میں اگر لڑکی نے بالغ ہوتے ہی بلا تامل فسخ نکاح کر دیا تو کسی با اثر عالم دین سے حکم فسخ لے کر اور حاکم وقت سے جاری کرا کر اور جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں مفتی مد

دوسرے قوے میں ہاتھ چھوڑ کے دعا مانگنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۵

بخدمت شریف جناب مولانا صاحب السلام علیکم۔ واضح رائے عالی ہو کہ جامع مسجد کالری دروازہ گجرات میں سید غیاث اللہ شاہ نے جدید طریقہ سے صبح کی نماز فرض شروع کر دی ہے۔ یعنی دوسرے قوے میں ہاتھ چھوڑ کر دعا مانگنی بعدہ سجدہ کرنا۔ آپ اس کے جواب میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ مجھے تحریری بحوالہ کتب عنایت فرمادیں۔ والسلام

الجواب

زمانہ موجودہ میں کسی نماز کے قومہ میں کوئی دعا خواہ قنوت نازلہ ہو یا کچھ اور پڑھنا منع ہے کہ اس سے تاخیر سجدہ لازم آتی ہے۔ سوائے وتر اور کسی نماز میں دعائے قنوت جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ ولا یقنت فی صلوٰۃ غیرہا۔ اسی میں ہے۔ ولہما انہ منسوخ باب الوتر۔ حضور سید عالم ﷺ سے جو قنوت نازلہ پڑھنا ثابت ہے وہ منسوخ ہے۔ کہ صرف ایک ماہ حضور ﷺ نے پڑھی۔ پھر چھوڑ دی چنانچہ مسلم اور بخاری میں ہے۔ کان اذا اراد ان یدعوا علی احدا یدعوا لاحد قننت بعد الركوع حتی انزل اللہ لیس لک من الامر شئی۔ نیز ابوداؤد نسائی میں ہے۔ قلت شہرا ثم ترکہ۔ مشکوٰۃ باب القنوت۔ ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ فجر کے فرضوں میں بعد رکوع دعا پڑھنا منسوخ ہے۔ اور قرآن کریم کی اس آیت سے منسوخ ہے۔ لیس لک من الامر شئی۔ اشعہ اللغات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ ”خواندن اس قنوت در نماز صبح نمود و در نماز صبح کہ قنوت خواندہ اندر ہمیں قضیہ بود فقط نہ کہ دائمی“ اسی اشعہ اللغات میں ہے۔ ”نیست قنوت نہ در نماز صبح نہ فیہر آن جزو تر“ یعنی وتر کے سوا کسی نماز میں دعاء قنوت نہیں ہے۔ ابن ماجہ و ترمذی میں ہے۔ وعنہی

مالک الاشجعی قال قلت لابی انک قد صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان وعلی ہبنا بالکوفۃ نحو ما من خمس سنین لکانوا یقنتون قال ای بنی محدث۔ یعنی ابومالک انجی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ اور صدیق و قاریق و عثمان غنی و حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی۔ کیا یہ لوگ نماز صبح میں دعا قنوت پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اے بیٹے یہ بدعت ہے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ قومہ فجر میں کسی قسم کی دعا پڑھنا منع ہے۔ نیز اس میں فرض یعنی سجدے کی تاخیر ہے۔ یہاں تک کہ جماعت میں امام کے سمع اللہ لمن حمدہ تو مقتدی کے دینا لک الحمد۔ امام دینا لک الحمد نہ کہے۔ جب امام کو دینا لک الحمد کہنا بھی نہ چاہیے۔ تو اتنی لمبی دعائیں پڑھ کر سجدے میں تاخیر کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ حدایہ باب صفۃ الصلوۃ میں ہے۔ یقول المؤتم دینا لک الحمد ولا یقولہا الامام ہاں حنیفہ کے یہاں یہ حکم ہے کہ جب اسلام یا عاتہ المسلمین پر کوئی آفت آئے تو قنوت نازلہ پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ بہتر نہیں جیسا کہ شامی وغیرہ میں موجود ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ اس زمانہ میں اسلام یا عاتہ المسلمین پر کون سی ایسی آفت آن پڑی ہے جو چھ ماہ یا ایک سال پشتر نہ تھی۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ عمرو عثمان و علی و حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعیں کی شہادت ہوئی۔ اتنا بڑا واقعہ کربلا ہوا۔ مگر کہیں ان حضرات نے ایسے موقعوں پر قنوت نازلہ نماز صبح میں نہیں پڑھی۔ اب واقعہ کربلا سے بڑھ کر کون سا واقعہ ہو رہا ہے۔ جس کے لئے یہ دعا پڑھی جا رہی ہے کسی کاجیل میں ہو آنا یا حکومت کا کسی کے خلاف ہو جانا واقعہ ہائیکہ اسلام نہیں ہے۔ ہاں ہندوستان میں وہابی غیر مقلد یہ دعا پڑھتے ہیں۔ شاید دیوبندی جو کہ حقیقتاً غیر مقلد ہیں اور صرف مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے حنفی شکل ظاہر کرتے ہیں۔ وہ بھی پڑھتے ہوں غرضیکہ یہ قنوت نازلہ نماز فجر وغیرہ میں پڑھنا منع ہے۔ عامہ کتب فقہ میں اس کی ممانعت موجود ہے۔

مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہیے اور آفت ناگہانی کے لئے قنوت چند روز پڑھی جائے نہ کہ ہمیشہ۔ جیسے کہ حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ پڑھی۔ اور جیسے کہ استسقاء کہ صرف تین دن پڑھی جاتی ہے نہ کہ بارش کے آنے تک۔ پھر بھی بہتر یہی ہے کہ نماز سے خارج پڑھیں۔ اگر ایسے نازک موقعہ پر نماز فجر میں پڑھیں تو اگرچہ بہتر نہیں مگر جائز ہو گی۔

احمد یار خاں مفتی مد

حرمت اور غیر حرمت والی عورتوں کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۶

علمائے دین اس بارہ میں کیا فرماتے ہیں کہ محرمات عورتوں کے پہچاننے کا کیا قاعدہ ہے؟ اور ذی رحم محرم اور حرام عورت میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک عورت کبھی حرام اور کبھی حلال ہو یا حرام ہمیشہ حرام رہے گی اور حلال ہمیشہ حلال اور عورتوں کی تحریم میں کیا مصلحت ہے۔ بنو اتوجروا۔

الجواب

عورتوں کی حرمت دو طرح کی ہے۔ اصلی اور عارضی۔ اصلی یہ ہے کہ عورت اصل سے ہی حرام ہو۔ اور عارضی وہ ہے کہ کسی وجہ نے عورت کو حرام کر دیا۔ ورنہ بذاتہ وہ حلال تھی۔ عارضی حرمت پھر دو طرح کی ہے لازم اور غیر لازم لازم وہ جواب کبھی حلال نہیں ہو سکتی اور غیر لازم وہ کہ اگر یہ عارضہ اٹھ جائے۔ تو عورت حلال ہو جائے۔ عارضی غیر لازم کی کل چار صورتیں ہیں۔

(۱) عورت کا مشرکہ یا مجوسہ ہونا کہ اگر آج مسلمان ہو جائے۔ تو اس سے نکاح

جائز ہے۔

(۲) اجنبیہ عورت کا منکوحہ غیر ہونا کہ اگر اس کا شوہر مر جائے یا طلاق دیدے تو حلال ہے۔

(۳) اس کی بہن یا پھوپھی یا خالہ یا بھانجی یا بھتیجی کا اپنے نکاح میں چار عورتوں کا ہونا اس کی موجودگی میں ان سے نکاح ناجائز ہے۔ لیکن اگر اس کو طلاق دیدی یا مر گئی۔ تو ان سے نکاح جائز ہے۔

(۴) کسی مرد کے نکاح میں چار عورتوں کا ہونا تمام عورتوں کے نکاح کو حرام کرتا ہے۔ مگر اگر ان چاروں میں سے ایک بھی مر جائے تو فوراً ہی اور ایک کو طلاق دے دی۔ تو عدت کے بعد دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ حرمت لازمہ کی چند صورتیں ہیں۔

نمبر ۱ دادا باپ کا اس عورت سے نکاح و طلی یا مس۔ شہوت کرنا لولا پر ہمیشہ کے لئے عورت کو حرام کر دے گا۔

نمبر ۲ کسی کی بیٹی سے نکاح یا و طلی کر لینا

نمبر ۳ کسی کی ماں سے نکاح کر لینا اور و طلی کرنا کہ ان سے حرمت دائمی یعنی عارضی لازمی ثابت ہوگی۔

نمبر ۴ اپنے بیٹے کا کسی عورت سے نکاح یا و طلی کر لینا وغیرہ۔ حرمت اعلیٰ اور لازمہ کی کل تین وجہیں ہیں۔ نسب، مصاہرت، رضاعت، نسب کی کل چار عورتیں محرم ہیں۔ اپنے اصول اپنے فروع۔ اصول قریبہ کے فروع۔ اصول بعیدہ کے فروع قریبہ باقی تمام حلال، مصاہرت سے کل دو صورتیں محرم ہیں، بیوی کے اصول اور اس کے فروع، اپنی رضاعتی ماں کے اصول اور فروع اسی طرح رضاعتی باپ کے تمام اصول و فروع مثل نسب کے حرام ہیں۔ یعنی چار جتوں سے حرمت آئے گی۔ مگر رضاعت میں شرط ہے۔ کہ ڈھائی سال کی عمر میں منہ کے راستہ سے عورت کا دودھ بچہ کے پیٹ میں پہنچے، خواہ

عورت مرد ہو یا زندہ اگر دودھ کا مکھن یا لسی یا بلائی پیٹ میں گئی۔ یا پاخانہ پیشاب کے مقام یا ناک کان سے پیٹ میں گیا۔ تو اس سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ نسب کی جہت سے جو عورتیں حرام ہیں ان کو رحم اور محرم کہتے ہیں۔ یعنی ان سے رحمی رشتہ بھی حاصل ہے اور محرمیت بھی۔ اس کے علاوہ اور جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہوں۔ وہ محرم تو ہیں۔ مگر ذی رحم نہیں۔ ذی رحم محرم سے پردہ واجب نہیں اور اس کے ساتھ سفر اور خلوت جائز اور محرم غیر ذی رحم سے پردہ تو واجب نہیں۔ مگر ان سے خلوت اور ان کے ساتھ سفر جائز نہیں۔

عورتوں کی تحریم میں چند مصلحتیں ہیں۔ اولاً "تو محرمات سے نکاح عقلاً" بے غیرتی ہے کہ کفار بھی اس کو روا نہیں رکھتے اور بعض جانور بھی ماں وغیرہ سے بچتے ہیں۔ دوم یہ کہ ماں مخدومہ ہے اور بہن مساوی حقوق والی۔ اگر ان سے نکاح ہو۔ تو بیوی خادمہ ہوتی ہے اور مخدومہ یا مساویہ کو خادم بنانا ناجائز ہے۔ اسی لئے شوہر سے غلاموں کی طرح خدمت لینا عورت کو جائز نہیں۔ نیز باپ اور ماں کو نوکر رکھ کر مثل نوکروں کے کام لینا منع ہے۔ نیز اب جو ایسے نکاح سے بچہ ہو۔ اس کا بھائی کہا جاوے یا بیٹا بھانجا، ماں اور بہن کے پیٹ ہونے کی حیثیت سے تو چاہیے کہ اس کو بھائی یا بھانجا کہا جاوے اور نطفہ اپنا ہونے کی حیثیت سے اس کو بیٹا کہا جاوے، اگر منکوحہ ماں مرجائے تو اس کے ماں سے شوہر کی میراث حاصل کر لے۔ یا بیٹے کی اور اگر خود مرجائے۔ تو ماں بیوی ہونے کی میراث لے یا ماں ہونے کی معاذ اللہ! غرضیکہ بہت سی قباحتیں لازم ہیں۔ ذی رحم اور محرم کے کچھ خصوصیات اور بھی ہیں اپنی ملکیت میں آنے پر آزاد ہونا۔ عاجز اور فقیر کا نفقہ اپنے پر واجب ہونا اور ایسے صغیرین غلاموں کی بیع میں تفریق منع ہونا۔ نیز ان سے بہہ واپس نہ کر سکتا۔ دیکھو پوری بحث روح البیان تفسیر والمعصنات من النساء میں۔

احمد یار خاں مفتی مد

تقلید مخفی کا بیان فتویٰ نمبر ۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تقلید مخفی کرنا کیسا ہے۔ غیر مقلد تقلید پر چند طرح اعتراض کرتے ہیں۔

نمبر ۱ اولاً "تویہ کہ اگر تقلید ضروری ہوتی تو صحابہ کرام ضرور کرتے۔ حالانکہ کوئی کسی کا مقلد نہیں؟

نمبر ۲ دوم قرآن حدیث کافی راہبر ہیں۔ پھر تقلید کی کیا ضرورت؟

نمبر ۳ سوم یہ کہ قرآن نے تقلید کرنے والوں کی مذمت کی۔ قالوا بل نتبع ما

الفینا علیہ اباؤنا وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ راہ مصطفیٰ علیہ السلام سیدھی راہ ہے اور دیگر راہ ٹیڑھے۔ نیز کہتے ہیں۔

دین حق را چار مذہب ساختند۔ فتنہ در دین نمی انداختند

از گوجرہ

ان دلائل کے جوابات مع دلائل اور بہتر ہو کر قرآن و حدیث سے ہی دیئے جائیں۔
بینواتوجروا۔

الجواب

اس قسم کے شبہات کے جوابات کے لئے چند امور ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔ پھر جواب آسان ہے۔ تقلید کسے کہتے ہیں۔ تقلید کتنی قسم کی ہے۔ کون سی تقلید ضروری ہے۔ کون سی ممنوع۔ تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں؟

نمبر ۱ تقلید کی تعریف ہے کسی کے قول و فعل کی پیروی کرنا۔ یا کسی کے قول و فعل کو دلیل بنانا بغیر دلائل شرعیہ میں نظر کئے اور معنے ہیں گلے میں ہار ڈالنا۔ یہ بھی اطاعت پر دلالت کرتا ہے۔ شرح مختصر لامتناہی میں ہے۔ التقلید اتباع الرجل غیرہ فیما سمعہ یقول اوفیٰ فعلہ علیٰ زعم انہ معلق بلا نظر فی الدلیل۔ منقول از حاشیہ حسامی باب متابعتہ اصحاب رسول اللہ ﷺ صفحہ نمبر ۸۶۔ اس تعریف سے اطاعت خدا و رسول نکل گئی۔ کیونکہ ان کے کلام اور افعال خود دلیل شرعی ہیں۔ اور تقلید میں قید ہے کہ نظر فی الدلیل نہ کرے۔ اسی لئے ہم حضور علیہ السلام کے امتی ہیں۔ مقلد نہیں، مقلد توائمہ مجتہدین کے ہیں۔

نمبر ۲ تقلید دو قسم کی، تقلید شرعی اور غیر شرعی۔ تقلید شرعی تو امور شرعیہ میں کسی کی اتباع کرنا ہے۔ غیر شرعی علاوہ امور شرعیہ کے دوسرے امور میں کسی کی پیروی کرنا جیسے مسائل طب میں بوعلی سینا کی اتباع کریں۔ تقلید شرعی کی پھر دو صورتیں ہیں۔ مخالف اور غیر مخالف شریعت۔

نمبر ۳ تقلید غیر شرعی جو مخالف شریعت نہ ہو وہ جائز ہے جیسے کہ مناعات اور طب میں کسی خاص یا عام حقد میں کی پیروی اور جو مخالف شریعت ہو وہ حرام ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَلَا تَتَّبِعَنَّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ نیز فرماتا ہے۔ وَلَا تَطْعَمَنْ مِمَّا افْغَلْنَا قُلُوبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا نِزْفَرَمَاتَا هُوَ اِنْ جَاهِدَاكَ عَلَىٰ اَنْ تُشْرِكَ بِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔ یہ اور اسی قسم کی دوسری آیات اسی تقلید کے بارے میں آئیں۔ یہ ہی مراد اس آیت سے ہے جو وہابیہ نے پیش کی۔ کفار مقابل انبیاء اپنے آباء و اجداد کی تقلید مقدم رکھتے تھے۔ وہ یقیناً جرم اور کفر تھا۔ چنانچہ پوری آیت یہ ہے۔ وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلَى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَالِى الرَّسُولُ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاؤُنَا اَوْ لَوْ كَانِ اٰبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ نیز فرمایا گیا۔ وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا الْفِئْتَانَا عَلَيْهِ اٰبَاؤُنَا رَہی تقلید

شرعی اس کا قرآن کریم میں جگہ جگہ حکم ہے فرماتا ہے **وَالصَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ**۔ اتباع صحابہ ضروری ہوئی۔ نیز فرماتا ہے۔ **أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ**۔ یہاں اولی الامر سے مراد مجتہدین ہیں۔ نہ فقط سلاطین۔ کیونکہ اس کا عطف الرسول پر ہے اور معطوف۔ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ نبی کی تابعداری قول و فعل ہر طرح واجب ہے مگر سلطان کی اطاعت ہر طرح واجب نہیں۔ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق تو لامحالہ تقلید شرعی مراد ہے۔ نیز داری باب الاقتداء بالعلماء میں ہے۔ **اخبرنا یعلی قال ثنا عبد الملک عن عطاء اطمعوا الله واطيعوا الرسول واولی الامر منكم قالوا اولو العلم والفقہ**۔ نیز قرآن کریم فرماتا ہے۔ **فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون**۔ خازن میں ہے۔ **فاسئلوا المومنین العالمین من اهل القرآن**۔ درمنثور میں اسی آیت کے تحت ہے۔ **اخرج ابن مردويه عن انس انی سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الرجل یصلی ویصوم ویحج و یغزو وانه لمنافق قیل یا رسول الله بما ذادخل علیه الخفاق قال لطمعه علی امامه وامامه من قال الله فی کتاب فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون**۔ جماعت مجتہدین کا ذکر لیجئے۔ **ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم**۔ نیز فرماتا ہے۔ **واتبع سبیل من اتاب الی مسلم جلد اول صفحہ نمبر ۵۴**۔ **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدين النصیحة قلنا لمن قال لله والرسوله والکتابه ولائمة المسلمین وعامتهم**۔ امام لودی فرماتے ہیں۔ **ان من نصیحتهم قبول ماردوه وتقلیدهم فی الاحکام**۔

نمبر ۴ دلائل شرعیہ مجتہدین کے لئے چار ہیں۔ قرآن کریم۔ سنت رسول اللہ

ﷺ اجماع امت۔ قیاس مجتہد۔ ان سب کا ثبوت قرآن و حدیث میں ہے۔

قرآن و حدیث و اجماع امت تو مستقل دلیل ہیں اور قیاس ان سے مستنبط اور ان کے احکام کا مظہر ہے۔ قرآنی فرقہ کا صرف قرآن کو دلیل ماننا اس آیت سے ہے۔ کہ ان الحکم الا للہ اور فبای حدیث بعدہ یومنون۔ مگر یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ نیز فرماتا ہے۔ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم نیز فرماتا ہے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یعلموک فیما شئو بینہم جن سے معلوم ہوا کہ اطاعت پیغمبر بھی ضروری اور لازم ہے۔ ان الحکم الا للہ میں حکم حقیقی مراد ہے جیسے کہ لا ما فی السموت وما فی الارض۔ میں ملک حقیقی مراد ہے۔ کہ دوسرے بھی مالک مجازی ہیں۔ اسی طرح فبای حدیث میں احادیث کفار جو مقابل قرآن ہیں مراد ہیں نہ کہ حدیث مصطفیٰ ﷺ۔ اسی طرح وہابی غیر مقلد صرف قرآن و حدیث کو دلیل شرعی مانتے ہیں۔ اجماع اور قیاس سے منکر ہیں۔ یہ بھی باطل ہے۔ اجماع کے متعلق قرآن فرماتا ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدیٰ ویستبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساعات مصیرا نیز حدیث پاک میں آتا ہے۔ اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار۔ نیز حدیث میں ہے۔ ماراہ المومنون حسنا فهو عند اللہ حسن۔ مشکوٰۃ نیز خلافت صدیقی و فاروقی اجماع امت سے ثابت ہوئی اب جو ان کی خلافت کا منکر ہے کافر ہے۔ حالانکہ ان خلافتوں پر کوئی صریح آیت یا حدیث متواتر نہیں آئی۔ نیز سرکار فرماتے ہیں کہ جماعت مسلمین کو پکڑے رہو۔ بھیڑیا گلے سے علیحدہ بکری کو کھاتا ہے۔ وہابی قیاس کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ قیاس غنی چیز ہے اور ظن کو قرآن میں گناہ کہا گیا ہے۔ کہ یا ایہا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم۔ نیز قرآن و حدیث میں کیا چیز نہیں جو قیاس کی ضرورت پڑی ۔

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار - مت مان کسی کا قول و کردار

یہ بھی باطل محض ہے۔ قیاس کا حکم قرآن میں دیا گیا۔ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام نے قیاس فرمائے ہیں۔ قرآن فہمات ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ کفار کے احوال سن کر اپنے کو قیاس کرنا کہ اگر ہم بھی ان کی طرح ہوئے تو ہمارے بھی یہی حال ہوں گے۔ قیاس ہے بخاری میں ایک باب ہے باب من شبہ اصلاً معلوماً باصل مبین قد بین اللہ حکمها لیفہم المسائل۔ اسی میں نقل کیا۔ ان امراتہ جاءت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ان امی نذرت ان تعج فماقت افاجح عنها قال نعم حتی عنہا ارایت لو کان علی امک دین اکنت تقضیہ قالت نعم قال اقضوا الذین لہ فان اللہ احق بالقضاء۔ ابوداؤد جلد دوم صفحہ نمبر ۱۷ اور ترمذی و دارمی میں ہے کہ جب حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھیجا۔ تو پوچھا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے معاذ رضی اللہ عنہ نے آخر میں فرمایا۔ قال اجتہد برائی فلا الوقال فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صدرہ وقال الحمد للہ الذی وافق رسول رسولہ مما یرضی بہ رسول اللہ۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قیاس فرما کر اس عورت کو ہر مثل دلوا یا جو بغیر ہر نکاح میں آئی تھی اور شوہر مر گیا تھا۔ دیکھو نسائی جلد دوم صفحہ نمبر ۱۸۔

نمبر ۲ جس ظن کی قرآن کریم میں برائی آئی ہے۔ وہ . معنی بد گمانی کرنا ہے مسلمان پر۔ اس لئے آگے ذکر ہے۔ لا یفتب بعضکم بعضا۔ نیز قرآن نے بعض ظن کو برانہ کہا۔ بلکہ بعض الظن اثم فرمایا۔ بے شک وہ ظن برا ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو۔

نمبر ۳ قرآن و حدیث میں ہر چیز ہے۔ مگر اس سے نکالنے کے لئے قیاس کی ضرورت ہے۔ سمندر میں موتی ہے کتب طب میں طبی نسخے ہیں۔ مگر نکالنے کے لئے

غوطہ خور اور طبیب کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح قیاس کی ضرورت ہے۔
یہی تو چکڑالوی کہتا ہے۔ کہ قرآن میں سب ہے پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔ ولا
رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ جیسے قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی
ضرورت ہے۔ ویسے ہی حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کی ضرورت ہے۔ قیاس منظر ہے
نہ کہ مثبت۔ اگر قیاس واجماع معتبر نہ ہوں تو عورت سے اغلام کرنا کی حرمت مزنیہ کی ماں
کی حرمت کمال سے ثابت ہوگی۔ ہزاروں مسائل قیاسیہ ہیں۔ جیسے کہ ریل میں نماز
وغیرہ سب کا راستہ بند ہو جائے گا۔ جب یہ چاروں باتیں حل ہو گئیں تو جواب بالکل واضح
ہے۔

نمبر ۱ صحابہ کرام کو تقلید کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ توفیق صحبت مصطفیٰ علیہ السلام
کی وجہ سے مخلوق کے امام اور متبوع اور مقلد ہیں۔ تقلید کی ضرورت ہم جیسے ناقص علم
والوں کو ہے نہ کہ مجتہدین کو۔ حدیث میں ہے۔ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم
لہتدیتم نیز فرمایا گیا کہ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین۔ یہ تو ایسا
ہے۔ جیسے کوئی کہے ہم تو کسی کے امتی نہیں کیونکہ ہمارے نبی کسی کے امتی نہیں۔ تو کہا
جائے گا کہ بے وقوف غیر نبی امتی ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام تو نبی الانبیاء ہیں۔ اسی
طرح غیر مجتہد مقلد ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تو مجتہد اور امام ہیں۔

نمبر ۲ قرآن و حدیث بے شک کافی ہیں۔ مگر جب ان سے استنباط مسائل کی طاقت
ہو۔ قرآن حفظ کے لئے آسان ہے نہ کہ اجتہاد کے لئے۔ ولقد یسرنا القرآن
للذکر فہل من مدکر میں حفظ ہی مراد ہے۔

نمبر ۳ کا جواب معلوم ہو گیا۔

نمبر ۴ چوتھا سوال یہ دھوکہ ہے۔ یہ چار راستے حضور علیہ السلام کے راستے سے
علیحدہ نہیں۔ بلکہ ایک جھیل سے لگے ہوئے چار دریا ہیں۔

چار رسل فرشتہ چار چار کتب ہیں دین چار - سلسلے دو نو چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب خاک و باد سب کا انہی سے

ہے ثبات ☆ چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

ورنہ پھر تو غیر مقلد بھی ایک پانچواں سوار علیحدہ فرقہ ہے ان کی جماعتیں شاکہ اور
غزنوی سب بیدین ہوئیں -

سجدہ و بخشش علیحدہ ساختند ☆ فتنہ در ویں نی انداجند

لطیفہ

وہابیہ زمانہ ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ مقلد کہتے ہیں کہ چاروں مذہب حق
ہیں "اولا" تو یہ ممکن نہیں امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک امام کے پیچھے قراۃ مکروہ تحریمی
ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک واجب یہ کیسے ممکن ہے کہ قراۃ خلف الامام
واجب بھی ہو مکروہ تحریمی بھی "ثانیا" یہ مان بھی لیا جائے۔ تو پھر امام کی پیروی چاہیے۔
یعنی کسی مسئلہ میں حنفی کی اور کسی میں شافعی مالکی وغیرہ کی۔ یہ بھی محض دھوکہ ہے۔
چاروں مذہب کے حق ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں۔ کہ سب مطابق واقعہ ہیں۔ یہ تو غیر
ممکن ہے۔ بلکہ حق کے یہ معنی ہیں کہ کسی کی گرفت عند اللہ نہیں۔ مجتہد اگر غلطی کرے
تب بھی ثواب پاتا ہے۔ ان چاروں میں سے جو کوئی مطابق واقعہ نہ ہو عند اللہ مغفور ہے۔
حضرت علی و امیر مہدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قتل واقعہ ہوا۔ اسی طرح صدیق
الکبریٰ اور مولیٰ علی رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جنگ ہوئی۔ کیا معاذ اللہ ان میں سے
کسی کو باطل پر یا فسق پر مانا جاسکتا ہے۔ الصحابة کلہم عدول بلکہ دونوں فریقوں کو
حق پر مانا جائے گا۔ اسی معنی سے کہ کوئی بھی معذب نہیں۔ کیونکہ خطا اجتہادی ہے اسی
طرح صحابہ کرام کے اختلاف جس کے بارے میں کہا گیا بایہم اقتدیتم اقتدیتم۔ نیز

جنگل میں قبلہ کی خبر نہ ہوئی۔ تحری کر کے چار رکعت چار سمتوں میں پڑھی۔ چاروں رکعتیں ہو گئیں۔ اگرچہ قبلہ ایک ہی طرف ہے مگر خطا اجتہادی معاف ہے۔ رہا یہ قول کہ ایک کی تقلید کیوں کرتے ہیں۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔ اولاً یہ کہ مسلم نو کثوری جلد ۲ صفحہ ۴۸ میں روایت ہے کہ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں۔ من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوه اس میں مراد شخص دنیاوی احکام نہیں۔ بلکہ دینی احکام بھی ہیں اور یہ مجتہدین بھی ہیں۔ کیونکہ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ خود مسلم نے کتاب الامارات میں باب وجوب طاعة الامراء فی عور معصیة وتحريمها فی معصیة منعقد کیا۔ بہر حال اس حدیث سے ثابت ہے کہ ایک امام کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ افضل واعلم کے ہوتے مفضول کی تقلید جائز نہیں۔ حدیث میں ہے۔ من تولى امر المعلمین شیئاً فاستعمل علیہم رجلاً ویعلم ان منهم من هو اولی بذالك واعلم منه بكتاب الله وسنة رسوله فقه خان الله ورسوله وجماعة المسلمين فتح القدیر وغیرہ مسلم جلد اول صفحہ نمبر ۵۴ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدين النصيحة قلنا لمن قال الله ولرسوله ولكتابه ولائمة المسلمين وعامتهم اس جگہ نووی میں ہے۔ ان من نصيحتهم قبول ماردواہ وتقليدہم فی الاحکام۔ بخاری میں ہے۔ اذا اسند الامرالی غیر اهلہ فانتظر الساعة سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ لا تسئلونی مادام هذا العبر فیکم۔ ہدایہ جلد اول صفحہ نمبر ۲۸ جس کی ہم اب تقلید کر رہے ہیں اس کو افضل سمجھ کر کر رہے ہیں تو دوسرے کا مسئلہ لیا وہ کیوں؟

تقلید کا حکم تحری کا سا ہے کہ ایک تحری کسی دلیل پر مبنی ہو۔ تو جب تک تحری یا دلیل نہ بدلے اس کو چھوڑنا جائز نہیں۔ اگر کوئی جنگل میں ہوں جہاں قبلہ مشتبہ ہو اسی نیت سے نماز پڑھے کہ چار رکعتیں چار طرف پڑھوں گا۔ نماز نہ ہوگی۔ نیز ایسا شخص متبع

ہوا ہے۔ کہ جس میں اپنی آسانی دیکھتا ہے اسی کی پیروی کرتا ہے۔ نیز اس میں توفیق لازم آتی ہے۔ جس کی تفصیل شاہی میں ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔
احمد یار خاں عثمانی

نبی کریم کے چار یار کے مراتب کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرا عقیدہ ہے کہ بعد نبی کے حضرت علی امیر المومنین کی شان سب خلقت سے زیادہ ہے اور خصوصاً اصحاب ثلاثہ سے۔ میں بارہ اماموں کو امام معصومین مانتا ہوں۔ ان تمام کی شان بھی اصحاب ثلاثہ سے زیادہ سمجھتا ہوں اور ان کی عزت کرتا ہوں۔ مگر ان کو امام حق نہیں جانتا۔ اور نہ ہی بارہ امام معصومین کے برابر۔ کیا میں اہل سنت والجماعت ہو سکتا ہوں۔ بیوا تجروا۔

الجواب

جس کا یہ عقیدہ ہو وہ مرتد کافر اور اسلام سے خارج ہے پکا تیرائی رافضی ہے اور یہ جو کہتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی شان بھی بہت زیادہ سمجھتا ہوں محض اس کا تقیہ ہے۔ جب ان اصحاب ثلاثہ کی خلافت کو حق نہیں سمجھتا۔ تو ان کو معاذ اللہ خائن اور غاصب مانتا ہے۔ کیا خائن اور غاصب آدمی شان دار ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ کلمات صرف اہل اسلام کو پھنسانے کے لئے کہہ رہا ہے۔ حضرت صدیق و فاروق کی خلافت کو تسلیم نہ کرنے والا کافر مطلق ہے کیونکہ ان کی خلافت اجماعی قطعی ہے۔ حضرات اہل بیت عظام و تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو تسلیم کیا۔ اگر ان خلافتوں میں ذرہ برابر باطل کا شائبہ بھی ہوتا تو ذوالفقار حیدری اس طرح میان سے نکل آتی جس طرح کہ

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں لکل اور دست حسین ان کی بیعت سے علیحدہ رہے۔ جس طرح کہ یزید پلید کی بیعت سے۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر تقیہ کا الزام لگانا اس ذات کریم کے ساتھ انتہا درجہ کی دشمنی کا ثبوت ہے۔ کیونکہ تقیہ مذکورہ یا تو بزدل کرے گا یا محض منافق۔ میدان کربلا میں باوجود اس قدر دشواریوں کے حضرت امام مظلوم رضی اللہ عنہ کا تقیہ نہ فرمانا اس عقیدہ کی جڑ کاٹنا ہے۔ نیز سوائے انبیاء کرام اور ملائکہ کے کسی کو معصوم ماننا بھی گمراہی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰرِید اللہ لیدھب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم تطہیرا۔ اس سے ثابت ہے کہ حضرات لکل بیت معصوم نہیں۔ مغفور نہیں۔ معصوم تو وہ جس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہ ہو سکے۔ اگر ان میں کوئی خطا تھی ہی نہیں تو جس کو دور کرنے کے کیا معنی؟ دور وہ چیز کی جاتی ہے جو موجود ہو اور اگر یہ آیت عصمت ثابت کرتی ہے تو ازواج مطہرات بھی معصوم ہونی چاہئیں۔ کہ وہ لکل بیت سکونت ہیں اور اس آیت میں نیز اصحاب بدر کے بارے میں فرمایا گیا۔ ویذہب عنکم رجس الشیطان۔ یہاں بھی پلیدی دفع کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ لہذا ان کو معصوم ماننا لازم آئے گا۔ غرضیکہ یہ عقیدہ بھی باطل محض ہے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل ماننا گمراہی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں حضرت صدیق کو اپنا جانشین یعنی امام نماز مقرر فرمایا کہ جس جگہ ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔ وہاں کسی کو امامت کا حق نہیں۔ ظاہر ہے کہ امام افضل کو بنایا جاتا ہے جس سے افضلیت صدیق بخوبی واضح ہوئی۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں مفتی مد

معصیت میں غیر اللہ کو پکارنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مخالفین کہتے ہیں کہ عہد بنہ حالات میں یا معصیت اور تکلیف کے وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو اللہ کے لئے پکارنا شرک ہے اور تم لوگ اپنے پیر کو پکارتے ہو۔ لہذا مشرک ہو۔ آیات یہ پیش کرتا ہے۔ وادعوا مخلصین لہ الدین۔ ولا تدع من دون اللہ۔ غیر اللہ تدعون۔ آیا یہ صحیح ہے یا غلط۔

الجواب

معصیت و تکلیف کے وقت اولیاء کرام، حضور ﷺ کو پکارنا اور ان سے مدد چاہنا شرعاً جائز ہے۔ ان کی مدد درحقیقت خدائے قدوس کی ہی مدد ہے۔ کیونکہ یہ حضرات عون الہی کے مظہر ہیں۔ آیات مذکورہ میں مخالفین نے دھوکا دیا۔ ان آیات میں لا تدعوا۔ معنی لا تعبدوا ہے۔ اسی پر مفسرین کا اتفاق ہے۔ یعنی خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور کوئی مسلمان کسی غیر خدا کی عبادت نہیں کرتا۔ اگر کسی کو پکارنا شرک ہے تو نماز میں التعمیات میں السلام علیک ایہا النبی۔ کیوں پڑھا جاتا ہے۔ خود حضور سید عالم ﷺ نے ایک نابینا کو نماز حاجت کے بعد اس دعا کی تعلیم فرمائی۔ یا رسول اللہ انی توجہت بک الی ربک فی حاجتی ہذاہ لتقضى لی (ابن ماجہ) تمام صحابہ کرام حضور علیہ السلام کو پکارا کرتے تھے۔ نیز مولانا جالی فرماتے ہیں۔ ترحم یا رسول اللہ ترحم۔ امام ابو میری فرماتے ہیں ۔

یا اکرم الخلق مالى من الودیه - سواک عند حلول العاث المم

خود مخالفین کے سردار مولوی قاسم صاحب نے لکھا ہے۔

مذکرے کرم احمدی کہ تیرے سوا ☆ نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار
 نیز اگر غیر خدا کو پکارنا شرک ہے۔ تو میں باپ بھائی اولاد نوکر چاکر زندہ مرد سب ہی کو
 پکارنا شرک ہو گا کیونکہ یہ سب ہی غیر خدا ہیں۔ خدائے پاک فرماتا ہے۔ یا ایہا الذین
 امنوا۔ یا ایہا الناس یا ایہا النبی یا عیسیٰ یا موسیٰ۔ وغیرہ تو خدا پر کیا حکم لگے گا۔
 پھر ہر آدمی اپنے نوکر چاکر میں باپ کو پکارتا ہی ہے۔ رہا غیر خدا سے مدد مانگنا تو خود خدا فرماتا
 ہے۔ اعینونی بقوة فرماتا ہے ان تنصروا اللہ ینصرکم فرماتا ہے وتعاونوا علی
 البر والتقویٰ فرماتا ہے۔ یا ایہا الذین امنوا استمعینوا بالصبر والصلوۃ۔ ان تمام
 میں غیر خدا سے ہی مدد طلب کی گئی ہے۔ یا اس کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز فرماتا ہے۔ انھما
 اللہ ورسولہ من فضلہ ولو انھما رضوا ما اتاہم اللہ ورسولہ فرماتا ہے۔ انعم
 اللہ علیہ وانعمت علیہ فرماتا ہے۔ ما اتاکم الرسول فخذوہ سرکار علیہ
 السلام فرماتے ہیں۔ اللہ معطٰی وانا قاسم۔ حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے عرض کی
 اسئلک مرافقتک فی العنۃ دیکھو مشکوٰۃ باب السجود۔ نیز فرماتے ہیں۔
 واوتیت مفاتیح خزائن الارض۔ غرضیکہ آیات و احادیث میں اختیارات معطٰی علیہ
 الصلوٰۃ والسلام کا ثبوت ہے۔ صاحب اختیار سے مانگنا برا نہیں لہذا مسلمانوں کو اس بنا پر
 مشرک کہنا سخت بے دینی ہے۔ اس کے لئے فقیر کی کتاب جاء الحق کا بغور مطالعہ کرو۔
 واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں علی مد

مرزائی اور مسلمان حج کے فتح کئے ہوئے نکاح کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسی عبد الرحیم کا نکاح مسماۃ رابعہ بی بی

سے ہوا۔ مسماۃ مذکور گیارہ سال تک اس شوہر کے نکاح میں رہی۔ ایک لڑکی بھی اس سے پیدا ہوئی پھر کچھ ناچاتی ہو گئی اور مسماۃ کے والد مستری فضل الہی نے درخواست فصیح نکاح پکھری میں دے کر نکاح فصیح کرا لیا۔ حافظ محمد عالم و غیاث شاہ صاحبان نے فتویٰ دے دیا کہ اگر حاکم حج مسلمان تھا تو نکاح اول فصیح ہو گیا۔ لوگوں نے قسم کھا کر کہا کہ حج مسلمان تھا۔ لہذا بعد عدت رابعہ کا دوسرا نکاح کر دیا گیا۔ جس نکاح کو دس ماہ ہو چکے اب بعد میں معلوم ہوا کہ حج مرزائی تھا۔ اب وہ علماء یہی کہتے ہیں کہ چونکہ حج مسلمان نہیں تھا۔ اس لئے نکاح اول فصیح نہیں ہوا تھا۔ اور یہ نکاح ثانی درست نہیں ہوا۔ لہذا گزارش ہے کہ از روئے شریعت فرمایا جاوے کہ ان نکاح کنندگان اور جمہوری قسم کھانے والوں کا کیا حکم ہے۔

الجواب

صورت مذکورہ میں مسماۃ رابعہ بی بی کا نکاح ثانی باطل ہے اور اس کا نکاح پہلا بدستور قائم ہے۔ تو قسٹیکہ پہلا شوہر طلاق نہ دے اس کا دوسرا نکاح درست نہیں ہو سکتا۔ اور اس دوسرے شوہر کے پاس رابعہ کا رہنا سہنا سب ناجائز ہے۔ نیز حافظ محمد عالم اور مولوی عنایت شاہ صاحبان کا یہ فتویٰ محض غلط ہے۔ ان ہر دو صاحبان کو لازم ہے کہ بغیر علم تام فتویٰ نہ دیا کریں اس لئے کہ جن بعض خاص صورتوں میں نکاح فصیح ہو سکتا ہے اس میں قاضی اسلام کا فیصلہ ضروری ہے۔ خصوصاً جبکہ دوسرے مذہب شافعی وغیرہ پر عمل کیا ہو۔ وہاں تو اس کی اشد ضرورت ہے اور موجودہ زمانہ کے حکومت انگلشیہ کے حج خواہ مسلمان ہوں یا کافر، مرزائی وغیرہ مرتد ہوں یا کوئی اور قاضی اسلام نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ان کو ان اسلامی فیصلوں کا شرعاً حق حاصل ہے۔ جن میں قضائے قاضی ضروری ہے۔ ان ہر دو مفتیان نے یہ سمجھا ہے کہ جو بھی حاکم حج مسلمان ہو وہ قاضی ہے۔ یہ درست نہیں شریعت میں قاضی وہ کہلاتا ہے کہ جو مسلمانوں میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ

کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ عالمگیری کتاب آداب القاضی میں ہے۔ وادب القاضی التزامہ لما ندب الیہ الشرع من بسط العدل ودفع الظلم وترک المیل والمحافظة على حدود الشرع والحری علی سنن السنن اسی عالمگیری باب الجمعہ میں ہے۔ والمصر فی ظاہر الروایۃ الموضع الذی فیہ مفت وقاض یقیم الحدود یتغذ الاحکام۔ در مختار کتاب آداب القاضی میں ہے۔ انہ کل موضع لہ امیر وقاض یقدر علی اقامۃ الحدود۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ افراداً لضمیر لعودہ الی القاضی لان ذالک وظیفۃ در مختار کتاب آداب القاضی میں ہے۔ ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجارر ولو کافراً الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم ولو فقدوا ما وال بغلبة الکفر۔ وجب علی المسلمین تعینن وال وامام الجمعیۃ اس کے تحت میں ہے۔ لکن اذا ولی الکافر علیہم قاضیا ورضیہ المسلمون صحت تولیۃ بلاشبہ ان کے عبارات سے معلوم ہوا کہ قاضی وہ مسلمان شخص ہے۔ جس کو حدود شرعیہ جاری کرنے اور احکام شریعت نافذ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ مقرر کرنے والا خواہ سلطان اسلامی ہو یا کافر، بادشاہ یا عامۃ المسلمین۔ البتہ عامۃ المسلمین کا مقرر کیا ہوا قاضی شرعی سزائیں رجم و قطع ید وغیرہ نہیں جاری کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کو حکومت حاصل نہیں۔ صرف اقامت عیدین و جمعہ وغیرہ۔ وہ احکام جاری کر سکتا ہے۔ جن میں حکومت کی ضرورت نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ جج وغیرہ حکام خواہ مسلمان ہوں یا کفار آیا اسلامی قانون جاری کرنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ یا انگریزی حکومت کے قوانین، بالکل ظاہر ہے کہ ان کا تقرر انگریزی حکومت کے قوانین جاری کرنے کے لئے ہے۔ جو بھی حاکم آئے گا ان ہی قوانین کے مطابق فیصلہ کرے گا جو تعزیرات ہند وغیرہ میں نمبر وار لکھے ہیں۔ نہ وہ قوانین جو ہدایہ و شامی وغیرہ میں ہیں۔ اسی لئے ان کو تعزیرات ہند کا ازبیراد ہونا ازبس ضروری ہے اور اس کی سند ان کو لازم ہے۔ شامی و عالمگیری و

ہدایہ وغیرہ سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔ اور نہ اس پر ان کی ملازمت موقوف۔ اور اگر کسی قانون اسلامی کو حکومت انگلشیہ نے منظور کر کے اپنا قانون بنایا ہے۔ تو اب جج صاحب اس لئے اس قانون کو جاری کریں گے۔ کہ یہ تعزیرات ہند کا جزء بن چکا۔ نہ اس لئے کہ یہ اسلامی قانون ہے۔ ورنہ دوسرے اسلامی قوانین رجم وغیرہ کیوں نہیں جاری کرتے۔ بہر حال یہ حکام قاضی اسلام نہیں۔ اور ان کو ان قوانین کے جاری کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ان کا اجراء قاضی اسلام پر موقوف ہے۔ جیسے کہ نسخ نکلح وغیرہ لہذا یہ نکلح طانی بالکل باطل ہے اور اس کا گناہ جس طرح اس کے اولیاء پر ہے۔ اسی طرح ان ہر دو مولوی صاحبان پر بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غنی

آٹھ رکعت اور بیس رکعت تراویح کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ بخاری شریف اور موطا امام مالک میں ہے کہ حضور انور ﷺ آٹھ تراویح پڑھتے تھے۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ کسی نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ۔ کیف کان صلوة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان تو آپ نے جواب دیا۔ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدى عشرة رکعة۔ تو سوال یہ ہے کہ تراویح کتنی رکعت پڑھی جائے۔ بینوا تو جروا۔

الجواب

تراویح بیس رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے۔ بعونہ تعالیٰ

اولاً اس کے دلائل بیان کروں گا۔ پھر مخالفین کے جوابات ہیں رکعت تراویح پڑھنے کے چار دلائل ہیں۔ ایک روایات اور تین عقلی اشارات۔ اولاً ”عقلی دلائل مختصر عرض کروں پھر روایات بیان کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔“

نمبر ۱ تراویح جمع ہے ترویج کی اور ترویج کے معنی ہیں راحت دینا تو تراویح میں چار رکعت پر جو کسی قدر بیٹھتے ہیں آرام کے لئے اس کو ترویج کہتے ہیں۔ اور چونکہ اس نماز میں استراحت کئی بار ہوتی ہے۔ اس لئے نماز کا نام تراویح یعنی راحتوں کا مجموعہ ہوا تو اگر تراویح فقط آٹھ رکعت ہوتیں تو ان کے درمیان صرف ایک ترویج ہوتا۔ اس کا نام تراویح نہ ہونا چاہیے تھا کیونکہ تراویح جمع ہے اور جمع کم سے کم تین پر بولی جاتی ہے۔ ماننا پڑے گا کہ تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ ہے۔ گویا تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی ترویج کرتا ہے۔

نمبر ۲ قرآن پاک میں جو رکوع بنے ہیں اس کا مطلب کیا ہے۔ رکوع تو جھکنے کو کہتے ہیں پھر قرآن کے حصوں کو رکوع کیوں کہا گیا۔ یہ وجہ ہے کہ عہد عثمانی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے۔ اتنے حصے کا نام رکوع رکھ دیا گیا۔ یعنی اس قدر پڑھ کر رکوع ہوا۔ اور آپ روزانہ بیس رکعت تراویح میں بیس رکوع پڑھتے اور ستائیسویں رمضان کو قرآن ختم کر دیتے کل رکوع ۵۴۰ ہوئے اب بھی قرآن میں رکوع ۵۵۸ ہیں۔ یعنی بعض رکعات میں چھوٹی سورتیں چار پڑھ لیں۔ اس سے دو رکوع فی رکعت ہو گئے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں۔ تو قرآن کے رکوع ۲۸۱ ہونے چاہیے تھے۔ قرآن کے رکوع کی تعداد نے بتا دیا کہ تراویح آٹھ رکعت نہیں۔

نمبر ۳ مسلمان روزانہ بیس رکعت فرض و واجب ادا کرتا ہے یعنی نماز فرائض اور تین و تروا جب اور رمضان میں رب تعالیٰ نے ان بیس رکعت کی تکمیل کے لئے اور بیس رکعت تراویح مقرر فرمادیں آٹھ رکعات ہیں رکعات کی تکمیل کیونکر کر سکتی ہیں۔ ہر

رکعت کی ایک رکعت تراویح تکمیل کرے گی۔ یہ تین دلائل عقلی ہیں۔ دلیل نقلی ملاحظہ ہو۔

نمبر ۴ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اور صحابہ کرام کا اسی بیس رکعت پر اجماع رہا۔ موطا امام مالک میں ہے۔ عن السائب ابن یزید انه قال کنا نقوم فی عہد عمر بعشرین رکعة والوتر رواہ البیہقی فی المرفعة باسناد صحیح۔ ابن منیع میں ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ فصلی بہم عشرین رکعة بیہقی میں ہے۔ عن ابی الجصاص ان علی بن ابی طالب امر رجلا یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة ابن ابی شیبہ نے اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے عبد اللہ ابن حمید نے اور بغوی نے روایت فرمایا۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر۔ بیہقی نے روایت فرمایا۔ وعن شبرمة بن مشکور وکان من اصحاب علی انه کان یؤمهم فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعات۔ اسی بیہقی نے روایت فرمایا۔ وعن ابی عبدالرحمن الاسلمی ان علیا دعا القراء فی رمضان فامر رجلا یصلی الناس عشرین رکعة وکان علی یوتریہم۔ اسی بیہقی میں ہسنو صحیح نقل فرمایا۔ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر فی شہر رمضان بعشرین رکعة۔ ماخوذ از صحیح البہاری باب کم یقرء فی التراويح۔ یہ تو صحابہ کرام کی روایات تھیں اب علمائے امت کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

تذنی شریف مطبع مجتہائی صفحہ نمبر ۹۹ ابواب الصوم باب ما جاء فی قیام شہر رمضان میں ہے۔ واكثر اهل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغيرهما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن مبارک والشافعی وقال الشافعی ومکذا لدرکت ببلدنا

بمکة يصلون عشرين ركعة فتح الملهم شرح مسلم جلد دوم صفحہ نمبر ۲۹ میں ہے۔ روی محمد بن نصر من طريق عطاء قال ادرگتہم يصلون عشرين ركعة وثلاث ركعات الوتر وفي الباب اثار كثيرة اخرجها ابن ابی شیبہ وقال ابن قدامة وهذا كالاجماع۔ عمدة القاری شرح بخاری۔ جلد پنجم صفحہ نمبر ۳۵۷ میں ہے۔ وروی العارث ابن عبید الرحمن بن ابی ذیاب عن السائب بن یزید قال كان القيام على عهد ابن عمر بثلاث وعشرين ركعة قال ابن عبد الله هذا المعمول على ان الثلاث للوتر۔ اسی عمدة القاری میں اسی جگہ ہے۔ كان عبد الله ابن مسعود يصلي لنا في شهر رمضان فينصرف وعليه لميل وقال الاعمش كان يصلي عشرين ركعة۔ اسی عمدة القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ نمبر ۳۵۷ میں ہے۔ قال ابن عبد البر وهو قول جمهور العلماء وبه قال الكوفيون والشافعي واكثر الفقهاء وهو الصحيح عن ابی بن كعب من غير خلاف من الصحابة۔ ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں فرمایا فصار اجماعاً لما روی البيهقي باسناد صحيح انهم كانوا يقيمون على عهد عمر بعشرين ركعة وعلى عهد عثمان وعلى۔ مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاویٰ جلد اول صفحہ نمبر ۱۸۲ میں علامہ ابن حجر کی بیسی کا قول نقل فرمایا۔ اجمع الصحابة على ان التراويح عشرون ركعة۔ عمدة القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۲۵۷ میں ہے۔ واما القائلون به من التابعين فشیر بن شکر وابن ابی ملیكة والعارث الهمداني وعطاء ابن ابی رباح وابو البختري وسعيد ابن ابی الحسن البصري اخوالحسن وعبد الرحمن ابن ابی بكر وعمران العبدی۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین تبع تابعین و فقہاء محدثین کا ہیں رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے نہ کسی نے آٹھ تراویح پڑھی نہ اس کا حکم دیا۔

دوسرا باب

مخالفین کے پاس حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔
بغور ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر ۱ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان اور موطا امام مالک اور قیام اللیل مصنفہ امام
موزی سے ثابت ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور حمیم داری کو حکم
دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ جس سے ثابت ہے کہ آٹھ رکعت تراویح
ہے اور باقی وتر۔

الجواب

اس کے چند جواب ہیں۔ اول تو یہ کہ حدیث مضرب ہے اس لئے کہ اس کے
راوی محمد بن یوسف ہیں۔ موطا میں ان سے گیارہ کی روایت ہے۔ محمد بن موزی نے
انہی محمد بن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ رکعت کی روایت کی۔ اور محدث
عبدالرزاق نے انہی محمد بن یوسف سے دوسری اسناد سے اکیس رکعت نقل کیں۔ اس
کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۸۰ مطبوعہ مطبع جزیرہ
مصر، ایک ہی راوی کے بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے۔ اس کو اضطراب کہتے
ہیں۔ لہذا یہ تمام روایات ناقض قبول ہیں۔ اس سے استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ
اگر یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہے۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تراویح تو آٹھ
رکعت ہوں اور وتر تین رکعت کئے؟ آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں۔ آپ کے
قول پر تو ۹ رکعتیں ہونی چاہئیں۔ کیا ایک ہی حدیث کا ادھا حصہ مقبول اور نصف غیر
مقبول۔ تیسرے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اولاً ”آٹھ رکعت پڑھنے کا حکم
دیا گیا۔ پھر بارہ کا“ پھر آخر میں میں پر قرار ہوا۔ اس لئے کہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان

میں اسی سائل کی پیش کردہ حدیث کے بعد ہے۔ وکان القاری یقرء سورة البقر
فی ثمان رکعات واذا قام بها فی ثنتی عشرة رای الناس انه قد خفف۔ اسی
حدیث کے ماتحت مرقاة میں ہے۔ نعم ثبت العشرون فی زمن عمر وفي المؤطا
روایة باحدى عشرة رکعة وجميع بينهما بانه وقع اولاً ثم استقر الامر
على العشرين فانه المتوارث چوتھے یہ کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ ﷺ
ہے اور تین چیزیں سنت فاروقی ہیں۔ ہمیشہ پڑھنا باقاعدہ جماعت سے پڑھنا ہیں رکعت
پڑھنا اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے نہ تو ہیں رکعت پڑھیں اور نہ ہمیشہ پڑھیں اور
نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کرنے کا حکم دیا۔ تو اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو
سنت رسول اللہ ﷺ پر تو غالباً عمل ہو گیا۔ مگر سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا۔ اور
اگر ہیں رکعت پڑھی جائیں تو دونوں سنتوں پر عمل ہو گیا۔ کیونکہ ہیں میں آٹھ آجاتی
ہیں۔ آٹھ میں ہیں نہیں آتیں۔ اور حدیث میں ہے۔ علیکم بسنتی وسنة
الخلفاء الراشدين۔ یہاں داؤ جمع کے لئے ہے تو جس طرح تم تراویح ہمیشہ پڑھتے ہو
اور باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں امور حضور علیہ السلام سے ثابت
نہیں بلکہ سنت فاروقی ہیں۔ اس طرح ہیں رکعت پڑھو جو کہ سنت فاروقی ہیں۔

(۲) بخاری میں ہے کہ ابو سلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے
سوال کیا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے۔ تو آپ نے
جواب دیا۔ ما کان رسول اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ
على احد عشرة رکعة۔ جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام نے تراویح آٹھ
رکعات سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ لہذا ہیں رکعات پڑھنا آٹھ کی سنت کو مٹانے والی اور
بدعت سیئہ ہے۔

جواب اس روایت میں تراویح کا ذکر نہیں بلکہ اس میں تہجد کا ذکر ہے اور اس جگہ تہجد
کی نماز مراد ہے۔ اس کے چند دلائل ہیں۔ اولاً یہ کہ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ

رمضان اور غیر رمضان میں کبھی بھی آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کیونکہ تراویح صرف رمضان میں ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ترمذی نے اسی حدیث کے لئے باب باندھا ہے۔ باب ماجاء فی وصف صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل۔ معلوم ہوا کہ یہ صلوٰۃ اللیل ہے نہ کہ صلوٰۃ رمضان تیسرے یہ کہ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ فقلت یا رسول اللہ تنام قبل ان توتر فقال یا عائشة ان عینی تنامان ولا ینام قلبی جس سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ یہ تمام رکعات سو کر اٹھ کر ادا فرماتے تھے اور وتر بھی اس کے ساتھ پڑھتے۔ تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ حضور نے ہم لوگوں کو تو حکم دیا ہے کہ وتر پڑھ کر سویا کرو اور خود سو کرو تراویح تہجد ادا فرماتے ہیں۔ تو جواب ملا کہ چونکہ ہم کو بیدار ہو جانے پر پورا اعتماد ہے اس لئے یہ عمل ہے اور جس کو بیدار ہونے پر اعتماد نہ ہو وہ وتر پڑھ کر سوئے اور ظاہر ہے کہ تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سو کر اٹھ کر پڑھتے ہیں۔ چنانچہ مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۴۰۰ میں حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ ”تحقیق آنست کہ صلوٰۃ آنحضرت در رمضان ہاں نماز متکواو یوزیادہ رکعت کہ دائم در تہجدے گزارد۔ چنانچہ معلوم می گردد۔“

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آٹھ رکعت پڑھنا سنت رسول ﷺ تھی اور میں پڑھنا بدعت سیئہ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات کیوں اختیار فرمائیں۔ اور ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دیگر صحابہ نے ان کی مخالف کیوں نہ کی۔ معاذ اللہ ان تمام صحابہ کرام پر تم کیا فتویٰ لگاؤ گے؟ نیز آج تمام مخالفین پورے ماہ رمضان تراویح باجماعت پڑھتے ہیں۔ بتاؤ ان کا یہ فعل بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟ کیونکہ حضور علیہ السلام نے آٹھ رکعت پڑھی ہیں۔ تو صرف تین روز پڑھی ہیں۔ اب تین دن سے زیادتی کر کے تمام ماہ جماعت سے پڑھنا اس سنت کا ترک ہے اور

بدعت سینہ ہے۔ نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہے کہ اہل مدینہ کا عمل اکتالیس تراویح پر ہے اور اہل مکہ کا بیس پر اور بڑے بڑے آئمہ دین اکتالیس یا بیس پر عامل رہے تو بتاؤ کہ یہ لوگ بدعتی ہوئے یا نہیں؟ اور ان سے حدیث لینا کیسا ہے؟ کیونکہ بدعتی فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی روایت غیر معتبر ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اہل مکہ و مدینہ میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت پر عامل نہیں۔ کوئی بیس پر ہے کوئی اکتالیس پر۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے اگر آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوئیں۔ تو تین رکعت و تر ثابت ہوئے تب ہی تو گیارہ بنیں گے۔ پھر دو تین کیوں نہیں پڑھتے؟ کیا بعض حدیث پر ایمان ہے بعض پر نہیں۔ حق یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی تصریح کسی حدیث سے نہیں ملتی۔ کیونکہ جہاں قیام رمضان کا ذکر ہے وہاں تعداد رکعات سے سکوت ہے اور جن احادیث میں گیارہ رکعات ہیں۔ وہاں مراد تہجد ہے۔ ایسی صاف حدیث پیش کرو جس میں آٹھ تراویح کی تصریح ہو۔ ایسی حدیث نہ ملی ہے نہ ملے گی۔ اور بیس رکعات کی تصریح متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

احمد یار خاں عفی عنہ

کسی امتی کو رشک انبیاء کہنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شعر کے بارے میں ۔

باب مصطفیٰ دریں کشور۔ رشک پیغمبراں معین الدین

کیا کسی امتی پر رشک پیغمبراں کا اطلاق درست ہے؟ ایک صاحب نے نعت خواں کو اس شعر پڑھنے سے روک دیا۔ ان کا یہ فعل کیسا ہے۔ بنو اتوجروا۔

الجواب

مذکورہ بلا شعر بالکل درست ہے اس سے روکنا جہالت ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔
اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفَ عَلَیْہِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اس آیت میں اولیاء اللہ ہے
 انبیاء اللہ نہیں جس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں انبیائے کرام کو بھی خوف ہو گا مگر
 اولیاء اللہ بے خوف۔ ہاں فرق یہ ہے کہ گنہگاروں کو اپنی جان کا خوف ہو گا۔ اور انبیائے
 کرام کو جہاں کا کہ ہمارے گنہگار امتی کہیں جہنم میں نہ پہنچ جائیں۔ رہے حضرات اولیاء
 انہیں نہ اپنا کھٹکانہ دے سروں کا خوف۔ کیونکہ یہ اپنے متوسلین کو بارگاہ نبوت تک پہنچا کر
 بے خوف و مطمئن ہو چکے۔ ان کے اس چین و آرام کو دیکھ کر حضرات انبیاء کرام ان پر
 غبطہ فرمائیں گے۔ جیسے کہ فقیر بے نوا کی آذولانہ زندگی پر بادشاہ غبطہ کرے۔ اس غبطہ
 سے فقیر بادشاہ سے بڑھ نہیں گیا۔ فقیر تو فقیر ہی ہے۔ اور بادشاہ بادشاہ۔ مگر غبطہ درست ہو
 گیا۔ اس طرح اولیاء اللہ معاذ اللہ نہ تو نبی کے برابر ہو گئے نہ بڑھ گئے۔ مگر غبطہ درست ہو
 گیا اور غبطہ ہی کا ترجمہ ہے رشک اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جو ابو داؤد اور
 بیہقی شعب الایمان اور شرح سنہ میں ہے۔ **اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَا تَسَامُہُمْ بِاَنْبِیَاءٍ وَلَا**
شَہِدَاءٍ یَغْبِطُہُمْ الْاَنْبِیَاءُ وَالشَّہِدَاءُ پھر حضور علیہ السلام نے ہی وجہ ارشاد فرمائی **لَا**
یَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزَنَ النَّاسُ وقرء **ہٰذَا الْاٰیۃُ اِلَّا اِنَّ**
اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفَ عَلَیْہِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ مشکوٰۃ کتاب الادب باب الحب فی
 اللہ (ترمذی شریف ابواب الزہد باب الحب فی اللہ میں حدیث قدسی نقل فرمائی
قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ الْمُتَعَابِدُونَ فِی جَلَالِیْ لَہُمْ مَنَابِرٌ مِّنْ نُّوْرِ یَغْبِطُہُمُ النَّبِیُّوْنَ
وَالشَّہِدَاءُ غرضیکہ یہ شعر نہایت صحیح ہے۔ اس کا مضمون قرآن و حدیث سے ثابت ہے
 اس کی زیادہ تفصیل ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو۔ واللہ اعلم۔
 احمد یار خاں غفرلہ

حاملہ گائے کی قربانی کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے حاملہ کی قربانی جائز ہے یا نہیں۔

بیوا تو جروا۔

الجواب

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قریب ولادت جانور کا ذبح کرنا مکروہ ہے خواہ قربانی میں ذبح کرے یا کسی اور موقع پر۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک مل کا ذبح اس کے بچہ کا ذبح نہیں۔ لہذا اس صورت میں گویا بچہ کو ضائع کرنا ہے مگر صاحبین کے نزدیک چونکہ مل کا ذبح ہے اس صورت میں بچہ کی برہداری نہیں لہذا بلا کراہت جائز ہے۔ غرضیکہ بچہ میں جان پڑ جانے سے پہلے تو حاملہ جانور کا ذبح سب کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ مگر جان پڑ جانے کے بعد امام صاحب کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک بلا کراہت جائز یہ بھی خیال رہے کہ اس کراہت سے کراہت تنزیہی مراد ہے جیسے کہ دلیل سے معلوم ہوتا ہے۔ لہذا قربانی ہو جائے گی۔ یہ بھی خیال رہے کہ امام صاحب کے نزدیک قریب ولادت جانور کا ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ گوشت بلا کراہت جائز ہے۔ عالمگیری باب الذبائح میں ہے۔ شاة اوبقرة اشرفت على الولادة قالوا يحكره ذبحها لان فيه تضييع الولد وهذا قول ابى يعنيفة لان عنده جنين لا يتزكى بركوة الام كذا في فتاوى قاضی خان۔ خیال رہے کہ یہ مسئلہ عالمگیری نے فتویٰ قاضی خان سے لیا اور قاضی خان قول ضعیف میں قالوا فرماتے ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احمد یار خان علی مد

تحریر طلاق کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۴

لیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کو یہ تحریر لکھ کر بھیجی کہ میں نے فاطمہ بی بی کو طلاق دے دی۔ نیچے اپنے دستخط کر دیئے۔ طلاق ہو گئی یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔

(از گجرات)

الجواب

اگر شوہر نے بہ نیت طلاق یہ عبارت لکھی ہے تو طلاق رجعی واقع ہو گئی۔ ورنہ نہیں کیونکہ جو طلاق بغیر القاب آداب ویسے ہی لکھ دی جاوے وہ نیت پر موقوف ہے عالمگیری باب کتابتہ الطلاق میں ہے۔ وان كانت مسببہ لکن غیر مرسومة ان نوی الطلاق يقع والا فلا اور مرسومہ کی شرح عالمگیری میں اسی جگہ یوں فرمائی۔ ونعنی بالمرسومة ان یکون مصدراً ومعنواً مثل ما یکتب الی الغائب۔ ہاں جو باقاعدہ القاب و آداب کے ساتھ طلاق لکھی جائے۔ وہ بہر حال، و بائے گی نیت ہو یا نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

والدہ کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ماں نے نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا۔ لڑکی نے بالغہ ہوتے ہی نکاح فسخ کر دیا۔ جس پر وہ گواہ بھی بنائے نکاح فسخ ہوا یا نہیں۔ اور اب یہ لڑکی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں نکاح ٹوٹ گیا کیونکہ باپ دادا کے سوا جو بھی نابالغ کا نکاح کر دے۔ وہ نکاح بوقت بلوغ فسخ ہو سکتا ہے۔ عالمگیری باب الولیٰ میں ہے۔ فان زوجہما الاب والجد فلا خیار لہما بعد بلوغہما وان زوجہما غیر الادب والجد فلکس واحد منہما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ۔ مگر حکومت کا فیصلہ ضروری ہے۔ اسی عالمگیری میں اسی جگہ ہے۔ ویشتراط فیہ القضاء بخلاف خیار العتق۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں مفتی

اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۶

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ حق تعالیٰ کو میاں کہہ سکتے ہیں۔ یا نہیں؟ ایک آدمی کہتا ہے کہ خدا کو میاں کہنے میں کچھ حرج نہیں۔ ہر طرح جائز ہے۔ بیوا تو جرد۔

از بنگلور

الجواب

اردو زبان میں اللہ تعالیٰ کو میاں نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اردو میں میاں مالک کو بھی کہتے ہیں اور شوہر کو بھی۔ شوہر کے معنی حق تعالیٰ کے شان کے خلاف ہیں۔ وہ نہ میاں ہے نہ بیوی۔ جس لفظ میں اچھے برے دونوں طرح کے معانی ہوں۔ اس کا استعمال حق تعالیٰ کے لئے نہیں کرنا چاہیے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِیْمَا تَدْعُوْا فَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی جس سے معلوم ہوا کہ خدائے پاک کے نام خالص اچھے ہونے چاہئیں۔ قبیح معنی والے نام اس کے لئے استعمال نہیں ہو سکتے۔ رب کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے۔ نبی ﷺ کی بارگاہ میں لفظ داعنا بولنے سے روکا گیا تھا۔ کیونکہ اس کے دو معنی ہیں ایک اچھے دوسرے برے فرمایا گیا۔ یا ایہا الذین امنوا لا تقولوا داعنا وقولوا انظرونا۔ جب بارگاہ نبوی میں ایسے مشترک لفظ کا استعمال جائز نہیں جس میں قبیح معنی کا بھی احتمال ہو۔ تو بارگاہ الہی کیسی ارفع و اعلیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں مفتی مد

مسجد کے صحن میں غسل خانہ بنانے کا حکم

فتویٰ نمبر ۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کا صحن جس میں ہمیشہ نماز ہوتی رہتی ہے۔ باجماعت بھی اور بلاجماعت بھی۔ اس صحن میں غسل خانہ اور وضو کی جگہ بنادینا جائز ہے یا ناجائز؟ بحوالہ کتاب بیان فرمایا جاوے۔

غلام رسول گجرات

الجواب

جو جگہ داخل مسجد بن چکی۔ اب وہ خارج مسجد نہیں ہو سکتی۔ نہ وہاں غسل خانہ بنے نہ وضو خانہ نہ مسجد کی دوکان۔ نہ امام یا مؤذن کا حجر، مسجدیت مکمل ہونے کے بعد یہ کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس جگہ کا احترام فرض ہو چکا کہ نہ یہاں اجنبی شخص آ سکے۔ نہ حیض و نفاس والی عورت، مگر جب یہاں غسل وغیرہ بن جاوے گا۔ تو یہ احترام ناممکن ہو گا۔ مسجد کی حرمت قیامت تک باقی ہے۔ عالمگیری کتاب الوقف میں ہے۔ قیم المسجد لا يجوز ان يبني حوانيت في حد المسجد او في فناءه لان المسجد اذا جعل حانوتا او مسكنا تسقط حرمة وهذا لا يجوز۔ درمختار۔ باب الوقف میں ہے۔ لو بني فوقه بيتا للامام لا يضر لانه من المصايح امالوتم المسجدية ثم اراد البناء منع ولو قال عنيت ذالك لم يصدق فاذا كان هذا في الوقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اس مکن مسجد میں خود واقف بھی غسل خانہ وغیرہ نہیں بنا سکتا۔ چہ جائیکہ دوسرے لوگ، اور اگر غسل خانہ وغیرہ بن بھی گیا ہو۔ تو اس کا گرا دینا واجب ہے۔ اسی جگہ ردالمحتار میں ہے۔ وبهذا علم ايضا حرمة احداث الخلوات في المساجد كالتی فی رواق المسجد الاموی۔ ولا سيما ما يترتب على ذالك من تقدير المسجد بسبب الطبخ والفصل ونحوه واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

خاتم النبیین کے معنی اور تفسیر

فتویٰ نمبر ۶۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان حسب ذیل مسائل کے بارے میں۔

- (۱) خاتم النبیین کے معنی اور تفسیر ختم اللہ کے معنی اور تفسیر۔
- (۲) کیا الہام سچ ہے؟ اور کس شخص کا الہام ملتا جاتا ہے؟
- (۳) کیا مرزا صاحب نے کسی دوسرے استاد سے تعلیم حاصل کی یا اللہ کی رحمت سے تعلیم یافتہ ہی پیدا ہوئے ہیں؟
- (۴) کیا کوئی نبی بعد نبوت یا قبل از موت کسی غیر مسلم بادشاہ کی حکومت میں رہا ہے؟ یا رہ سکتا ہے؟
- (۵) انبیائے کرام کو معجزے کس قسم کے دیئے گئے۔ اور مرزا صاحب کوئی زندہ کیسے معجزے ملنا چاہیے تھے؟
- (۶) کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا گئے۔ اگر زندہ ہیں تو کہاں پر ہیں۔ اگر وفات پا گئے ہیں تو مزار کہاں ہے؟ اگر آسمان پر گئے ہیں تو کیسے گئے ہیں۔ بیوا تو جرد۔

الجواب

نمبر ۱ خاتم ختم سے بنا ہے۔ ختم کے لغوی معنی مر لگانا ہے۔ اسی لئے مہر کو خاتم کہا جاتا ہے چونکہ مہر بھی مضمون کے آخر میں لگتی ہے جس کے بعد کوئی مضمون نہیں لکھا جاتا۔ اور پارسلوں وغیرہ پر بند کرنے کے بعد مر لگائی جاتی ہے۔ تا کہ اب نہ اس میں سے کچھ نکل سکے نہ داخل ہو سکے۔ اسی لئے عرف میں ختم تمام ہونے کو کہتے ہیں۔ خاتم

النبین میں یہی عرفی معنی مراد ہیں۔ جیسے صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کرنا ہے۔ صلوا علیہ مگر اقیما الصلوٰۃ میں صلوٰۃ سے عرفی معنی یعنی نماز مراد لئے گئے ہیں۔ حضور انور ﷺ نے خاتم النبیین کی یہی تفسیر فرمائی کہ ارشاد فرمایا۔ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نہیں نہیں۔ جیسے لا الہ میں ہرچے جھوٹے ظنی خدا کی نفی ہوگی۔ ایسے ہی لانی میں اصل ظنی بروزی مراتی مذاقی نبی کی نفی ہے کہ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں بن سکتا۔ ختم اللہ میں ختم لغوی معنی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر سرکردی کہ اب ان میں ہدایت داخل نہیں ہو سکتی۔

نمبر ۳ حضور علیہ السلام کی امت کے اولیاء کے لئے الہام برحق ہے بے شک اللہ کے پیارے بندوں کو الہام ربانی ہوتے ہیں۔ مگر الہام جب ہی قبول ہو گا۔ جبکہ شریعت کے خلاف نہ ہو۔ اگر خلاف شرع ہے تو وہ وسوسہ شیطانی ہے نہ کہ الہام ربانی۔ یہ تو الہام کی کسوٹی ہے۔ کیونکہ شریعت کا برحق ہونا یقینی ہے۔ اور ہمارے خیالات کی حقانیت یقینی نہیں۔ نیز الہام یا خواب متقی پر ہیزگار مسلمان کا زیادہ معتبر ہے۔ جتنا تقویٰ کامل ہو گا۔ اتنا ہی اس کا دل شیطانی اثر سے زیادہ محفوظ رہے گا۔

نمبر ۴ مرزا صاحب آنجہانی سنا گیا ہے کہ ٹل پلاس اور انٹرنس فیل تھے۔ وہ اولاً جنگی میں کلرک رہے۔ گزر اوقات مشکل تھی۔ دنیاوی ضروریات نے انہیں دعویٰ نبوت پر مجبور کیا۔ عربی میں کس کے شاگرد تھے۔ مجھے پورا پتہ نہیں۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہ علوم عربیہ میں نہایت نا قابل تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مایہ ناز کتاب لکھی، خطبہ الہامیہ، اور اس کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ ربانی عبارت ہے میری نہیں اور اس میں نہ کوئی غلطی ہے اور نہ اس کے مثل کوئی کلام ہو سکتا ہے۔ مگر قبلہ پیر سید مر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمہ اللہ نے اس میں تقریباً دو سو فاش غلطیاں نکالیں۔ اور ثابت فرمایا کہ مرزا نے عربی ادب کی کتابوں سے عبارتیں چرا لیں ہیں۔ جو عبارتیں سبہ معلقہ وغیرہ کی ہیں۔ وہ تو صحیح ہیں باقی سب غلط ہیں۔ اس کے لئے کتاب سیف چشتیانی مصنفہ پیر مر علی

شاہ صاحب دیکھو۔

نمبر ۴ کوئی پیغمبر کسی کافر یا شاہ کی رعایا اور غلام بن کر نہ رہا۔ یا تو نبی ایسی قوم میں آئے جس میں باطلہ سلطنت تھی ہی نہیں جیسے لوط علیہ السلام اور کسی کافر یا شاہ کے ملک میں پیدا ہوئے تو اولاً انہوں نے وہاں سے ہجرت کی اور پھر یا شاہ کا مقابلہ فرما کر اس سلطنت کو پاش پاش کر دیا۔ جیسے ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام۔ غرضیکہ کافر یا شاہ سے مقابلہ فرمایا ہے۔ مانتی کسی نے نہیں کی سوائے ہمارے مرزا جی کے ان کے الہام حکام وقت کی رضا کے ماتحت ہوتے رہے۔

نمبر ۵ ہر پیغمبر کو خصوصیت سے ایسے معجزے ضرور ملے جس کا ان کے زمانہ میں زور تھا۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا عروج تھا۔ جالینوس موجود تھا۔ تو آپ کے مرید زندہ کرنے اور کوڑھیوں کو اچھا کرنے کا معجزہ خصوصیت سے ملا اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا۔ تو آپ کو عصا دیا گیا۔ ہمارے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں لوگوں کو کلام پر ناز تھا اور فصاحت اور بلاغت پر گھمنڈ تھا تو حضور کو قرآن کا معجزہ ملا۔ لہذا مرزا جی کے زمانہ میں چونکہ ایجابات اور سائنس کا زور تھا۔ ضروری تھا کہ انہیں اسی قسم کا ایسا معجزہ ملتا جو تمام ایجابات پر غالب رہتا۔

نمبر ۶ عیسیٰ علیہ السلام اسی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ تشریف لے گئے۔ جس کا ثبوت قرآنی آیات اور صد ہا حدیث نبویہ سے ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْہِ** اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے قرب خاص کی طرف اٹھالیا۔ جب رفع کا مشعول جسم ہوتا ہے تو اس میں مکانی اٹھانا مراد ہوتا ہے۔ جیسے **وَرَفَعْنَاہُ عَلٰی الْعَرْشِ** یا جیسے **یَرْفَعُ اِبْرٰہِیْمَ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ** وغیرہ۔

نمبر ۷ عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر فرشتوں کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور فرشتوں کی طرح ذکر الہی ان کی غذا ہے۔ اب وہ ظاہری غذا سے بے نیاز ہیں۔ کما فی الاحادیث۔

نمبر ۸ اولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین۔
 اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ جو بھی صابر شاکر متقی پرہیزگار ہو جائے وہ نبی ہی ہو جائے
 گا۔ معنی ظاہر یہ ہیں کہ وہ قیامت میں نبیوں صدیقوں شہیدوں کے ساتھ لٹھے گا۔ ساتھ
 ہونا اور چیز ہے اور نبی بن جانا۔ سری چیز 'رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ مع الصابرین۔
 رب تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہیں۔ اس سے نہ تو اللہ صابر ہو جاتا ہے اور نہ صابر خدا بن
 جلوے۔ بلکہ رحمت الہی صابروں کے شامل حل ہوتی ہے۔

آپ فتنہ مرزائیت سے بچنے کے لئے کتاب پاکٹ بک محمدیہ کا مطالعہ کیا کریں۔ جو
 پاکٹ بک احمدیہ کے جواب میں لکھی گئی۔ نیز سیف چشتیائی اور شمس الہدایت کا مطالعہ
 کیا کریں۔ یہ کتب گزشتہ شریف سے ملیں گی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے لئے
 ہماری تفسیر نعیمی تیسرے پارے کا مطالعہ کریں۔ اور مرزائیوں کی صحبت سے بچیں۔

نکوانی دور شو از یارب - یارب بد بد تر بود ازار بد
 یارب برتن ہی برجل زند - یارب مدین و برامیں زند

نکتہ :- مرزا صاحب کے صد ہا الہام و پیسگوئیوں غلط ثابت ہوئیں۔ انہوں نے بڑے
 زور و شور سے دعویٰ کیا تھا کہ محمدی بیگم سے میرا نکاح ہو گا۔ مگر کوشش کرتے کرتے
 تھک گئے اور محمدی بیگم نکاح میں نہ آئی۔ اعلان کیا تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اگر
 بھوٹے ہوں تو میری موجودگی میں وہ مرے گے۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو ان کی موجودگی
 میں میں مرے گا۔ مرزا جی نے اعلان کیا تھا کہ سخت زلزلہ عنقریب آوے گا۔ اپنی امت کو
 شر سے نکال کر جنگل میں ڈالا۔ ایک ماہ وہیں قیام کیا۔ مگر زلزلہ وغیرہ کچھ نہ آیا۔ اور پھر
 چپکے سے گھر آ بیٹھے۔ ایسے صد ہا واقعات آپ کو پاکٹ بک محمدیہ میں ملیں گے۔

احمد یار خاں غنی

بیوہ کے عدت میں زنا سے حاملہ ہونے کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیوہ عدت وقات میں زنا سے حاملہ ہو گئی جس کی وہ خود اقرار ہے تو اس کی عدت کیا ہوگی۔ وضع حمل یا کچھ اور بیوا تو جروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں اس کی عدت وہ چار ماہ دس دن ہے۔ جسے وہ گزار رہی ہے۔ اس حمل کی وضع کا اعتبار نہیں۔ وہ معتد طلاق کے لئے ہے۔ جو عورت عدت طلاق میں حاملہ ہو جاوے اس کی عدت وضع حمل ہے۔ عالمگیری کتاب العدة میں مطلقہ کے بارے میں ہے۔ وعدة العاقل ان تضع حملها كذا في الكافي سواء كانت حاملا وقت وجوب العدة او خبلت بعد وجوب العدة كذا في فتاویٰ قاضی خاں۔ مگر عدت وقات میں بعد وجوب عدت جو حمل قائم ہو۔ اس کا اعتبار نہیں۔ یہ ہی امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے اسی عالمگیری میں اسی جگہ ہے۔ ولو حدث الحمل في العدة بعد الموت ذكر الكرخي انه يتعلق بانقضاء العدة والصحيح انه لا يتعلق۔ اما اذا حدث بعد موته فلا يتعلق بلا خلاف۔ كذا في العتابة شامی باب العدة میں ہے۔ واعلم ان المعتدة لو حملت فوجبت عدتها ذكر الكرخي ان عدتها وضع الحمل ولم يفصل والذي ذكره المحمديان في هذا في عدة الطلاق اما في عدة الوفاة فلا تتغير بالحمل وهو الصحيح كذا في البدائع خلاصہ یہ ہے کہ اس عورت کی عدت وہی چار ماہ دس دن ہے جسے گزار کر رہی ہے۔ مگر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے مگر دوسرے شوہر کو لازم ہے کہ وضع حمل نہ کرے۔ پہلے اس سے صحبت نہ کرے۔ ہر حاملہ بائنا کا یہی حکم ہے کہ اس سے نکاح درست نہ ہو۔

ہے مگر محبت منع۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غنی عنہ

ابلیس کی بیوی اور اولاد کا بیان

فتویٰ نمبر ۷۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیطان کی اولاد ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اسکی بیوی کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیطان کی اولاد نہیں۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

ازیو۔ پی

الجواب

اس کے متعلق مجھے تین قول ملے۔ ایک یہ ہے کہ شیطان لا ولد ہے۔ اس کے کوئی اولاد نہیں۔ کیونکہ وہ فرشتوں کی قسم سے ہے اور فرشتے اولاد سے پاک ہیں۔ نیز اولاد بقاءِ نسل کے لئے ہوتی ہے اور جو خود ہی قیامت تک زندہ رہے اسے نسل کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھو چاند، تارے، سورج وغیرہ کے نسل نہیں، بعض علماء فرماتے ہیں کہ شیطان کے نسل ہے اور صاحب اولاد ہے۔ کیونکہ وہ جن کی قسم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ کان من الجن ففسق عن امر ربہ۔ اور جن و انس کے نسل ہوتی ہے۔ لہذا اس کے نسل ہے بلکہ شیطان جنات کا باپ ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام انسان کے کان ابا الجن۔ نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ افنتخذونہ و ذریئہ اولیاء من دونی (سورہ کف) اس آیت میں شیطان کے لئے ذریعت ثابت کی گئی ہے۔ اور ذریعت اولاد ہی تو ہوتی ہے۔ بلاوجہ حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لینا درست نہیں۔ اسی آیت کے ماتحت

تفسیر جلالین میں ہے۔ و ابلیس هو ابوالجن فله ذریۃ ذکرت بعد والملئکۃ و ذریۃ لهم۔ چونکہ نوع جنات کے لئے موت ہے۔ لہذا اس کی نسل بھی ضروری ہے۔ ابلیس کو شخص طور پر دراز عمر دی گئی۔ اس کا لحاظ نہیں۔ انسان میں بھی خضر و اورلیس علیہما السلام تاقیامت زندہ رہیں گے مگر ان کے اولاد ہوئی۔ غرضیکہ شیطان کے نسل اور اولاد ہے۔ پھر ان میں بعض حضرات فرماتے ہیں۔ کہ ابلیس کی بیوی ہے اسی سے اولاد ہے بعض فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ اس کے ران میں نر کا عضو ہے اور دوسرے میں مادہ کا خود اپنے سے صحبت کرتا ہے اور خود ہی حاملہ ہو کر انڈے دیتا ہے۔ جس سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ شرح قصیدہ بردہ خرپوتی میں اس شعر۔

وخالف النفس والشیطن واعصھا۔ وان ہما معضاک النصح فاتھم

کی شرح میں فرماتے ہیں۔ فان قيل هل للشیطن نسل قال ابوالمعین النصفی فی بحر الکلام قيل ان الشیطن یبیض ویخرج منها الولد وفی الخبر ان فی احد فغذیه فرجاً وفی الآخر ذکراً فیجا مع نفسه فیخرج منه الولد وھذه رواۃ شاذة وقیل یدخل فنبہ فی دبرہ فیخرج منه الولد وھذا غیر صحیح فالصحیح هو الاول۔ ثابت ہوا کہ شیطان کے اولاد ہے۔ تفسیر صاوی حاشیہ جلالین میں زیر آیت افتتنعدونہ و ذریۃ سورہ کف کی تفسیر میں ہے کہ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ابلیس کے چند قسم کی اولاد ہے۔ ایک قسم کا نام لاقس اور ولہان ہے۔ ان کا کام وضو اور نماز میں دوسوہ ڈالنا ہے ایک قسم کا نام ذرہ لقب زلنبور ہے۔ یہ بازاروں میں پھرتی رہتی ہے لوگوں سے جھوٹی خرید و فروخت کراتی ہے۔ ایک کا نام تیر ہے۔ وہ لوگوں سے میت پر نوحہ کراتی ہے۔ بل نچواتی ہے اور منہ پر تھپڑ لگواتی ہے ایک کا نام اعمور ہے یہ زنا کراتی ہے۔ کہ مرد کے الیل اور عورت کے فرج میں جوش پیدا کرتی ہے۔ ایک کا نام مطروس ہے۔ جو جھوٹی خبریں پھیلاتی ہے۔ ایک کا نام و رسم ہے۔ یہ اس شخص کے ساتھ گھر میں گھس جاتی ہے جو بغیر بسم اللہ پڑھے گھر میں داخل ہو۔ حدیث

پاک میں وارد ہوا کہ ایک قسم کا نام خنزب ہے۔ ایک قسم کا نام قرین ہے۔ جو ہر شخص کے ساتھ رہتا ہے۔ اسی تفسیر صلوٰی میں اسی جگہ ہے۔ کہ کسی نے امام شعبی سے پوچھا کہ کیا ابلیس کی بیوی ہے؟ اگر ہے تو اس کا نام کیا ہے تو آپ نے فرمایا۔ ان ذالک عروس لم اشہد۔ اس کی شادی میں مجھے شرکت کا موقعہ نہیں ملا۔ مجھے خبر نہیں کہ بیوی کا نام کیا ہے اسی جگہ فرماتے ہیں۔ قال معاہد ان ابلیس ادخل فرجہ فی فرج نفسه فباہض خمس بیضات فہذہ اصل ذریتہ وقیل ان اللہ خلق لہ فی فخذہ الیمنی ذکرا وفی فخذہ ایسری فرجاً فہو ینکح ہذا بہذا فیخرج لہ کل یوم عشر بیضات ینخرج من کل بیضۃ سبعون شیطاناً وشیطاناً فہو یفرح ویطیر۔ یعنی رب تعالیٰ نے اس کی داہنی ران میں نر کا عضو اور بائیں میں مادہ کا عضو پیدا فرمایا ہے۔ وہ خود ہی اپنے سے صحبت کرتا ہے۔ جس سے روزانہ دس اندے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر اندے سے ستر نر و مادہ شیطاں پیدا ہوتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیطان کے اولاد ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کے بیوی کوئی نہیں۔ وہ خود ہی نر ہے اور خود ہی مادہ۔ اللہ کی قدرت سے یہ بات بعید بھی نہیں ہے۔ انسانوں میں بعض خشی مشکل ہوتے ہیں۔ جن کے عورت و مرد دونوں کے عضو ہوتے ہیں۔ دونوں سے پیشاب بھی آتا ہے۔ ہاں ان سے نسل نہیں چلتی۔ اس پر نہ مرد کے احکام جاری ہوتے ہیں نہ عورت کے۔ چنانچہ خشی مشکل جماعت نماز میں مردوں سے پیچھے اور عورتوں سے آگے کھڑا ہو اور جب مرجوے تو اسے کوئی غسل نہ دے بلکہ تیمم کرا کے نماز پڑھ کر دفن کر دیا جائے۔ رب تعالیٰ جب انسانوں میں ایسے لوگ پیدا فرماتا ہے۔ تو اگر شیطان میں یہ ہی ہو تو کیا بعید ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ دینی ضروریات میں سے نہیں۔ لہذا اس سے بحث نہ کی جائے۔

احمد یار خاں مغلّی مد

مسخ شدہ کی بیوی کا حکم

فتویٰ نمبر ۱۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مرد کی صورت مسخ ہو جاوے اس کی بیوی کیا کرے آیا نکاح میں رہے گی یا نہیں اگر نہ رہے گی تو عدت گزارے گی یا نہیں۔ اگر گزارے گی تو عدت طلاق یا عدت وقت۔ بینوا تو جروا۔
اسد الحق، جہلم

الجواب

مسخ کی کل تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان پتھر لکڑی وغیرہ بن جاوے جیسے اصف و نائلہ کا حال ہوا۔ دوسرے یہ کہ کتا، گدھا، بندر وغیرہ ہو جاوے۔ جیسے میت والوں کا حال ہوا۔ تیسرے یہ کہ مسوخ انسان ہی رہے۔ مگر اس کی شکل بگڑ جاوے۔ گورا تھا کالا ہو جاوے وغیرہ۔ آخری صورت میں نکاح برقرار رہے گا۔ اگر مسوخ مومن ہو اور بد عملی کی وجہ سے شکل بگڑ گئی ہو۔ پہلی دونوں صورتوں میں نکاح جاتا رہے گا۔ پتھر ہو جانے کی صورت میں عورت عدت وقت گزارے گی۔ کیونکہ اس کا شوہر مر گیا۔ پتھر ہو کر بے جان ہو گیا قبر میں بھی انسان مٹی ہو جاتا ہے اور جانور بن جانے کی صورت میں اس کی عورت عدت طلاق یعنی تین حیض گزارے گی۔ کیونکہ جن وجوہ سے نکاح حرام ہوتا ہے اگر وہ وجوہ بعد نکاح پائی جائیں تو نکاح کو باطل کر دیں گی اور اس صورت میں عورت پر عدت طلاق واجب ہوگی۔ مثلاً مزیہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہے۔ اگر کوئی اپنی ساس سے زنا کرے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اور عدت طلاق گزارے گی۔ کیونکہ اب وہ مزیہ کی بن گئی۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا۔ تو سمجھ لو کہ غیر جنس سے نکاح درست نہیں۔ انسان کا نکاح صرف انسان سے ہی ہو سکتا ہے۔ جن 'پری' دیو' بھوت اور بکری

و غیرہ سے نہیں ہو سکتا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَاللّٰهُ جَمَعَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا**۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں اور جن و غیرہ انسان کی ہم جنس نہیں۔ نیز فرماتا ہے۔ **فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ** مشنی و ثلث و ربیع۔ نساء عورت کو کہتے ہیں جن و حیوانات کی مادہ نساء نہیں کہلاتیں۔ اگر غیر سے نکاح جائز ہوتا تو آدم علیہ السلام کے لئے ان کی ہم جنس حوانہ پیدا کی جاتی۔ بلکہ کسی جن مادہ سے ان کا نکاح کرا رہا جاتا۔ در مختار کتاب النکاح کے شروع میں ہے۔ **فَخَرَجَ الذَّكَرُ وَالْغُثَى الْمَشْكُورَ وَالْوُثْنِيَّةَ وَالْجَنَّةَ وَانْسَانَ الْمَاءَ لَاخْتِلَافَ الْغُنْسِ**۔ معلوم ہوا کہ مرد کا نکاح مرد یا خنثی مشکل یا جن یا دریا کی انسان سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جن و غیرہ غیر جنس ہیں اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے۔ **لَا يَصِحُّ نِكَاحُ آدَمِ جَنِيَّةٍ كَمَا كَسَّه لَاخْتِلَافَ الْغُنْسِ فَكَانُوا كَبَقِيَّةِ الْحَيَوَانَاتِ**۔ معلوم ہوا کہ جیسے انسان کا نکاح بکری کے و غیرہ حیوانات سے نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی جن سے بھی نہیں ہو سکتا۔ ردالمحتار میں ہے۔ **وَلَا نَالِ الْغُنَّ بِتَشْكُلُونَ بِصُورِ شَتَّى فَقَدْ يَكُونُ ذَكَرًا يَتَشَكَّرُ بِشَكْرِ انْثَى**۔ یعنی جن سے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ مختلف شکل اختیار کر کے آتے ہیں لہذا جس جن عورت سے نکاح کیا جائے اگر وہ مرد بن جائے تو نکاح کیسے باقی رہے گا بہر حال یہ واضح ہو گیا کہ جن سے انسان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت علی نے جناتنی سے نکاح کیا۔ محض باطل ہے۔ اسی طرح حضرت سلیمان کا کان بلقیس سے ہوا۔ صحیح یہ ہے کہ بلقیس انسان تھی نہ کہ جن۔ اور اگر جن بھی ہو تو شریعت سلیمانی میں شاید غیر جنس سے نکاح حلال ہو۔ جیسے شریعت آدم علیہ السلام میں بہن سے نکاح حلال تھا یا جیسے جنت میں حوروں سے نکاح ہو گا۔ و زوجنا ہم بحور عین۔ حلالہ حوریں حضرت آدم کی اولاد نہیں۔ کیونکہ وہ آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا ہو چکی تھیں۔ ان کی پیدائش نور سے ہے۔ مگر چونکہ وہ عالم دو سرا ہے۔ وہاں کے احکام بھی جہاں کا۔ اس عالم کے احکام اس عالم پر جاری نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے جو

حضرات قیامت سے پہلے جنت میں گئے یا وہاں رہے وہ حوروں سے الگ رہے۔ حضرت آدم جنت میں تمام چیزیں استعمال فرماتے رہے۔ سوائے حوروں کے حضور علیہ السلام معراج میں حضرت ادریس علیہ السلام اپنی حیات میں جنت میں تشریف لے گئے۔ مگر قبل قیامت حوروں سے بے تعلق رہے۔ بہر حال اسلام کا حکم یہ ہے کہ غیر جنس سے نکاح حرام ہے۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو چکا کہ غیر جنس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ تو جو کوئی بعد نکاح غیر جنس بن جاوے اس کا نکاح نسخ ہو جاوے گا۔ جیسا کہ ہمارے بیان کئے ہوئے قاعدے سے معلوم ہوا۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ اگر شوہر یا عورت مسخ ہو کر انسان ہی رہے تو نکاح قائم ہے اگر مرد پتھر بن گیا۔ تو عورت عدت و فاقہ گزارے گی۔ اگر جانور کی شکل میں تبدیل ہو گیا تو عدت طلاق۔ ہذا ما عندی والعلم عند ربی فی کتاب لا یضل ربی ولا ینسی واللہ اعلم وعلیہ عزا سہ اتم واحکم۔

احمد یار خاں غفرلہ

سانسی کی نو مسلم بیوی کے اپنے اسی خاوند کے پاس ہونیکا حکم

فتویٰ نمبر ۷۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت سانسی مذہب رکھنے والی مسلمان ہو گئی اس کا شوہر سانسی ہی رہا اب اس کا شوہر اسے اپنے گھر بلاتا ہے آیا اس صورت میں عورت اس کے پاس جائے یا نہ جائے؟ میاں غلام محی الدین سفارش کرتے ہیں کہ بھیج دو۔ کیونکہ اس کا نکاح باقی ہے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں یہ نو مسلمہ عورت اپنے پہلے سانسی شوہر پر حرام ہو گئی اب جب

تک اس کا شوہر سانس نہ رہے۔ اس عورت کا اس کے پاس جانا اور اس سے وطی کرنا حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فان علمتموا هن مؤمنات فلا ترجعوا هن الی الکفار لانهم یحلون لهن۔** مسلمانوں پر فرض ہے کہ عورت کو اس کافر شوہر کے پاس ہرگز نہ جانے دیں۔ ہاں یہ عورت فی الحال دوسرا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ چاہیے کہ اس کے سانس شوہر کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ اس سے کہا جائے کہ تو بھی مسلمان ہو جا اگر وہ مسلمان ہو جاوے۔ تب تو اسی کی بیوی رہے گی اور اگر شوہر انکار کرے یا خاموش رہے تو حاکم سے فیصلہ کرا کر دوسرا نکاح کر لے۔ درمختار باب نکاح الکافر میں ہے۔ **واذا اسلم احد الزوجین عرض الاسلام علی الآخر فان اسلم فیہا والابان ابی اوسکت فرق بینہما۔** اسی کے ماتحت شاہی میں ہے۔ **مالم یفرق القاضی فہی زوجتہ حتی مات الزوج قیل ان تسلم امراتہ الکافرة وجب لہا المہر۔ واللہ اعلم۔**

احمد یار خاں عثمانی

صرف تہبند سے نماز پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل مسائل میں :-
بعض لوگ باوجود کپڑے ہونے کے صرف تہبند باندھ کر بغیر کمرے پہننے ننگے بدن نماز پڑھتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کراہت سے یا بلا کراہت؟ بیوا تو جروا۔

الجواب

صرف تہبند باندھ کر کھلے بدن نماز پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے حضور نبی کریم

ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ چنانچہ مسلم، بخاری کتاب الصلوٰۃ میں حضور علیہ السلام نے فرمایا لا یصلی الرجل فی الثوب الواحد لیس علی عاتقه منه شئی۔ یعنی کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کوئی کپڑا نہ ہو۔ اسی لئے امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک فرض نماز میں کندھا ڈھکنا فرض ہے اور ہمارے اختلاف کے نزدیک سنت، چنانچہ در مختار باب مفتہ الصلوٰۃ میں ہے۔ وشرط احمد ستر احد منکبہ ایضاً۔ اسی کی شرح میں شامی میں فرماتے ہیں۔ ہو شرط عندہ فی صلوٰۃ الفرض وعندنا ستر المنکبین مستحب غرضیکہ کھلے کندھے نماز پڑھنا خلاف سنت ہے اور اگر سستی ہے تو زیادہ برا۔ عالمگیری باب شروط الصلوٰۃ میں ہے۔ والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلثة اثواب قمیص وازار وعمامة اما لوصل فی ثوب واحد متوشعابه تجوز صلوٰۃ من غیر کراهة وان صلی فی ازار واحد یجوز ویکرہ خلاصہ فتویٰ یہ ہے کہ صرف ایک تہبند میں کھلے کندھے نماز پڑھنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جن صحابہ کرام نے صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے انہوں نے اس سے تمام جسم ڈھک لیا تھا یا مجبوراً پڑھی۔ کہ ان کے پاس قمیض موجود نہ تھی۔ اگر بلا ضرورت بھی پڑھی تو وہ صحابی کا فعل ہے اور ہماری ذکر کی ہوئی حدیث میں خود حضور ﷺ کی ممانعت ہے اور ظاہر ہے کہ دلیل اباحہ پر دلیل حرمت کو اور فعل پر قول کو ترجیح ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں مفتی مدظلہ

رمضان میں عشاء کے فرض بغیر جماعت پڑھنے

سے وتر جماعت سے پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص عشاء کے فرض بغیر جماعت کے تھا پڑھے تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

جو کوئی عشاء کے فرض بغیر جماعت علیحدہ پڑھے وہ تراویح تو جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔ مگر وتر جماعت سے نہیں پڑھ سکتا علیحدہ پڑھے گا۔ شاہی باب التراویح میں ہے۔
ثم رایت القہستانی ذکر تصحیح ما ذکرہ المصنف ثم قال لکنہ اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر الخ اور اگر فرض کی بالکل جماعت ہی نہ ہوئی ہو۔ بلکہ سب نے علیحدہ علیحدہ پڑھے ہوں تو وہ تراویح بھی جماعت سے نہیں پڑھ سکتے درمختار میں اسی جگہ ہے۔ ولو ترک الجماعة فی الفرض لم یصلوا التراویح جماعة والله اعلم۔

احمد یار خاں

نابلغ کے پیچھے تراویح پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابلغ بچہ کے پیچھے بالغ لوگ تراویح پڑھ

سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض کا خیال ہے کہ اگر عشاء کے فرض اور وتر بالغ پڑھا دے اور تراویح نابالغ تو جائز ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

نابالغ بچہ کے پیچھے کوئی نماز جائز نہیں۔ فرض ہو یا وتر، تراویح ہو یا نماز عید خسوف و کسوف ہو یا استسقاء غرضیکہ فرض واجب نفل ہر نماز نابالغ کے پیچھے ناجائز ہے بالغوں کی امامت بالغ ہی کر سکتا ہے۔ ہاں بچہ بچوں کی امامت کر سکتا ہے۔ صرف علمائے بلخ نے تراویح و دیگر نوافل میں بچوں کی امامت جائز قرار دی ہے مگر یہ قول مرجوح اور ناقابل قبول اور غیر مفتی بہ ہے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ ناجائز ہے۔ یہ ہی صحیح ہے اسی پر فتویٰ و اعتماد ہے۔

عالمگیری کتاب الصلوات باب الامامة میں ہے۔ وعلى قول ائمة بلخ يصح الاقتداء بالصبيان في التراويح والسنن المطلقة كذا في فتاوى قاضى خان والمختار انه لا يجوز في الصلوات كلها كذا في الهداية وهو الاصح هكذا في المحيط اسی طرح در مختار باب الامامة میں ہے۔ ولا يصح اقتداء رجل بامرأة وخنثى وصبي مطلقا ولو في جنازه ونفل على الاصح۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بچہ امامت کے حق میں مثل عورت یا خنثی کے ہے۔ کہ جیسے عورت و خنثی کسی نماز میں مرد کی امامت کے قابل نہیں ایسے نابالغ بچہ بھی، اسی کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ قال في الهداية وفي التراويح والسنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ ولم يجوزوه مشائخنا والمختار انه لا يجوز في الصلوة كلها والمراد بالسنن الرواتب والعيد في احد الروایتين وكذا الوتر والكسوفان والاستسقاء (فتح) شامی نے تفریح فرمادی کہ نفل و فرض سنت و واجب کسی نماز میں نابالغ بچہ بالغوں کی جماعت نہیں کر سکتا۔ ہدایہ باب الامامة میں ہے۔ ولا

يجوز للرجال ان يقتدوا بامرات اوصبي وفي التراويح والسنن المطلقة
جوزة مشايخ بلغ ولم يجوزوا مشائختنا والمنعته انه لا يجوز في الصلوة
كلها لان نفل الصبي دون نفل البالغ حيث لا يلزمه القضاء بالافساد
بالاجماع ولا يبنى القومى على الضعيف۔ غرضیکہ کسی نماز میں نابالغ بچہ بالغوں کی
امامت نہیں کر سکتا۔ عقل کا بھی تقاضا یہ ہی ہے کہ یہ امامت ناجائز ہو۔ اولاً "اس لئے کہ
قاعدہ شرعیہ کہ کوئی نماز ضعیف کے پیچھے نہیں ہو سکتی کیونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز
کے ضمن میں ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قوی ضعیف کو اپنے دامن میں لے سکتا ہے۔ نہ
کہ ضعیف قوی کو اسی لئے فرض والے کی نماز نفل والے کے پیچھے نہیں ہو سکتی بالغ کی
نفل شروع کرتے ہی واجب بن جاتی ہے۔ اور اگر توڑ دے تو قضا کرنی پڑے۔ نابالغ کا یہ
حل نہیں۔ اگر وہ نماز شروع کر کے توڑ دے تو قضا واجب نہیں۔ اگر بالغ نابالغ کے پیچھے
نفل پڑھے تو گویا واجب نفل کے پیچھے ادا کر رہا ہے اور یہ شرعی قاعدے کے خلاف
ہے۔ نیز جماعت میں بچوں کو بالغوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ مردوں کے برابر کھڑا ہونا
مکروہ ہے نہ لولاً "مرد صف باندھیں پھر بچے پھر خنسی پھر عورتیں۔ جب بچوں کو مردوں
کے برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے تو انہیں امام بن کر آگے کھڑا ہونا کیونکر جائز ہو گا۔ حدیث
شریف میں عورتوں کے بارے میں ارشاد ہوا۔ اخروهن من حیث اخرهن اللہ
چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیچھے رکھا ہے تم بھی انہیں پیچھے رکھو کہ نماز میں نہ تو مردوں
کے برابر کھڑا ہونے دو۔ نہ امام بنا کر آگے کھڑا کرو۔ علمائے پلہ کا یہ قول قواعد شرعیہ کے
بالکل خلاف ہے ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ اگر امام بھول کر پانچویں رکعت میں کھڑا ہو
جائے اور اس رکعت میں اگر کوئی جماعت سے ملے تو بالاتفاق یہ شخص جماعت میں شریک
ہو گیا حالانکہ امام کی یہ رکعت نفل ہے اور اس مقتدی کی فرض۔ اسی کو صلوٰۃ مظنونہ
کہتے ہیں۔ جب اس رکعت میں فرض لولاً "افتداء کر سکتا ہے تو بچہ کے پیچھے بھی بالغ کی
نماز ہو سکتی ہے۔ مگر اس دلیل پر وہ طرح حرج ہے ایک یہ کہ امام زفر علیہ السلام کے نزدیک یہ

رکعت مظنونہ واجب الادا ہو جاتی ہے۔ اس کے توڑنے پر قضا واجب لہذا اس کے نفل ہونے پر اجماع نہ رہا۔ بخلاف بچہ کے کہ اس کی نماز کے غیر واجب ہونے پر اجماع ہے۔ دیکھو ہدایہ میں مقام لامت لہذا بچہ کی نماز اس پر قیاس کرنا غلط ہے۔ اختلاف مجتہدین سے مسئلہ میں وسعت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ پھر تو مشلخ بلغ کو چاہیے کہ بچہ کے پیچھے بلغ کی فرض نماز بھی جائز رکھیں کیونکہ رکعت مظنونہ میں فرض کی اقتداء درست ہے۔ عجیب بات ہے کہ مقیس علیہ میں فرض کی اقتداء ہو رہی ہے اور مقیس میں آپ نفل کی قید لگاتے ہیں۔ بہر حال بقاعدہ حنفیہ نابالغ بچہ کے پیچھے بلغ کی کوئی نماز جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں علی مد

جنگی قیدی نو مسلم عورتوں سے نکاح کا حکم فتویٰ نمبر ۷۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ مشرکہ عورتیں گرفتار ہو کر دارالسلام میں لائی جا رہی ہیں۔ غازی انہیں فروخت کر جاتے ہیں۔ بعد میں وہ بخوبی مسلمان ہو جاتی ہیں۔ ان سے نکاح جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو آیا ان پر اپنے پہلے نکاح کی عدت لازم ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔

الجواب

ان عورتوں سے جو اپنے شوہر سے حاملہ ہوں ان سے فی الحال نکاح نہیں ہو سکتا۔ وضع حمل کا انتظار ضروری ہے۔ اور جو غیر حاملہ ہوں خواہ کنواری ہوں یا شادی شدہ ان سے فوراً نکاح بھی درست ہے اور جملع بھی۔ بخاری شریف جلد اول کتاب الجملہ باب۔

باب غزا الصبی للخدمة میں ہے۔ فلما فتح الله عليه الحصن ذكر له جمال صفية بنت حي بن اخطب وقد قتل زوجها وكانت عروساً فاصطفاها رسول الله صلى الله عليه وسلم لنفسه فخرج بها حتى اذا بلغنا سد الصهباء حلت وبنى بها ثم صنع حياء فكانت تلک وليمة رسول الله صلى الله عليه وسلم على صفية۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت صفیہ جنگ میں گرفتار ہو کر آئیں شادی شدہ تھیں۔ مگر فوراً ہی حضور ﷺ کی زوجیت سے مشرف ہوئیں اور راستہ میں زفاف بھی ہوا۔ عدت وغیرہ کچھ نہ گزاری گئی۔ درمختار باب العدة میں ہے۔ وكذا لا تعدد مسببة افتراقت بتباين الدارين لان العدة حيث وحيث انما وجبت حقاً للعباد والعربى ملحق بالجهاد الا العاص فلا يصح تزوجها لانهما معتده بل لان في بطنها ولداً ثابت النسب ثوبية خرجت اليها سلمة اودمية او مستامنة ثم اسلمت وصارت ذمية الا العاص۔ خلاصہ یہ ہے کہ کافر قیدی عورتیں غیر حاملہ سے نکاح اور صحبت فوراً درست ہے حاملہ سے فی الحال درست نہیں۔ کفار کا آپس کا نکاح شرعاً درست ہے اسی لئے قرآن کریم نے ام جیلہ کو ابولہب کی بیوی فرمایا۔ وامراتہ حمالة العطب۔ اسی لئے ان کے بچے حلال ہیں کہ باپ کی میراث پائیں گے۔ اگر زوجین اسلام قبول کر لیں تو نئے نکاح کی ضرورت نہیں مگر زوال نکاح سے مسلمان پر عدت لازم نہیں کہ وہ نکاح قائل احترام نہیں اور نہ کافر شوہر صاحب استحقاق۔

احمد یار خاں غفرلہ

مدارس کے چند سے مزدوروں کو اجرت دینے کا بیان

فتویٰ نمبر ۷۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر مدارس اسلامیہ میں چند وصول

کرنے والوں کی اجرت اسی چندہ کی رقم سے نصف یا تہائی یا چوتھائی کی شرح پر دی جاتی ہے۔ حالانکہ چندہ میں آئی ہوئی رقم صدقات فطرات زکوٰۃ وغیرہ بھی ہوتی ہے۔ جس کی پوری مقدار مدرسہ میں پہنچنی چاہیے کیونکہ چندہ دینے والا اس پر راضی نہیں کہ اس کے دیئے ہوئے کا کوئی حصہ یہ سفیر حق سفارت میں وضع کرے اور اگر مہتمم مدرسہ سفیر سے یہ بھی کہہ دے کہ تم جس قدر چندہ وصول کرو گے اس کی مقدار کا نصف یا تہائی مدرسہ کے فنڈ سے دیا جائے گا تب بھی اگرچہ وہ سفیر چندہ مدرسہ میں دے دے اور اس کی مقدار کا ایک حصہ مہتمم مدرسہ سے مدرسہ میں سے لے تب بھی اجرت مجہول رہی۔ حالانکہ کام واجرت دونوں معین ہونے ضروری ہیں اگر اجرت مجہول رہی تو اجارہ فاسد ہو گا جیسے کہ عالمگیری جلد ثالث کے پندرہویں باب کی تیسری فصل کے مسائل میں مذکور ہے۔ حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہ ہی تھا کہ چندہ کی مقدار کا کوئی حصہ کرنا ناجائز ہے اور اجارہ کو فاسد کر دیتا ہے۔ اور غالباً مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب دامت برکاتہم بھی اپنے مدرسہ کے چندہ کرنے والوں کی تنخواہ ہی مقرر فرماتے ہیں اور اس قسم کے مذکورہ بالا اجارہ کو فاسد فرماتے ہیں لیکن محصلین چندہ کے بارے میں تجربات شاید ہیں کہ وہ مقرر کرنے میں دل سے کام کرتے ہیں۔ اور اس طرح مہنتمان مدرسہ بھی بے فکر رہتے ہیں اور تنخواہ دار سفیر تو محض مہینہ پورا کرتے ہیں۔ اسی مجبوری کو دیکھ کر اکثر مدارس اسلامیہ کے منتظمین نے تنخواہ دار سفراء کی اجرت بجائے تنخواہ کے چندہ کا ہی ایک حصہ تہائی یا نصف وغیرہ مقرر کر دیا۔ اس کو جائز سمجھا جائے جیسے کہ کتاب کے پندرہویں باب کی تیسری فصل میں ہے۔ دفع غرولاً الی حائک لینسجہ بالنصف فالثوب لصاحب الغزل ومشائخ بلخ یجوز واھذا لاجارۃ لمکان الضرورة والتعامل۔ حضور کی خدمت میں استدعا ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق دقیق سے مطلع فرمائیں تا کہ منتظمین مدرسہ و سفراء محصلین کے لئے اس کو اخباروں میں شائع کرا دیا جائے۔ بینواتوجروا۔

الجواب

سفیر مدرسہ کی اجرت چندہ کے نصف یا چہارم مقرر کرنا جائز ہے۔ شرعاً "منوع نہیں لیکن اس میں اتنی احتیاط کی جائے کہ سفیر صدقات واجبہ کی رقم دوسرے صدقات میں مخلوط نہ کرے اور وہ رقم بعینہ مہتمم مدرسہ کے حوالہ کر دے۔ اس کے چہارم یا نصف کے بقدر دوسرے مل سے لے لے۔ یہ احتیاط جب ہے کہ جب سفیر غنی یا ہاشمی ہو اور مصرف زکوٰۃ نہ ہو لیکن اگر خود مصرف زکوٰۃ ہے تو اس احتیاط کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ مدرسہ کے طلباء اور مدرسین اور خدام کے سارے مصارف مدرسہ کے ہی مصارف ہیں ان میں سے کسی میں خرچ کرنا مدرسہ پر ہی خرچ کرنا ہے۔ لہذا دینے والوں کا اس سے ناراض ہونا بیکار ہے نیز یہ اجرت وصول چندہ کی ہے۔ لہذا یہ سفیر مثل عامل زکوٰۃ ہے۔ در مختار میں ہے۔ او عالم نعم الماعی والعاشر فیعطی ولو غنی لا ہاشمی لانہ فرغ نفسه لهذا العمل کابن السبیل۔ رد المحتار میں ہاشمی کے بارے میں فرمایا۔ ما ذکرہ ہنا صریح فی عدم حل الاخذ مما جمعتہ من الصدقة لا من غیرہ فلا دلیل علی عدم صحتہ تولیۃ عاملاً اذا رزق غیرہا نیز عالمگیری باب المصارف میں عامل کے متعلق ہے۔ فان عمل الهاشمی علیہا ورزق من غیرہا لا باس بہ حکذا فی الخلاصۃ صاف معلوم ہوا کہ اگر غیر مصرف زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا عامل مقرر کر دیا جائے اور تنخواہ دوسرے پیسہ سے دی جائے تو جائز ہے۔ جہالت اجرت کا سوال بھی درست نہیں کیونکہ اجارہ اور بیع میں وہی جہالت فساد عقد کا باعث ہے جس سے جھگڑا پیدا ہو۔ ورنہ مطلق جہالت عقد کی مفسد نہیں۔ در مختار شروع کتاب الاجارہ میں ہے۔ وشرطها کون الاجارۃ والمنفعة معلومتین لان جہالتہما تقضی الی المنازعۃ نیز بدایہ جلد ثالث باب خیار رؤیت میں ہے۔ ولان الجہالة لعدم الرؤیة لا تقضی الی المنازعۃ چونکہ نصف ورع اجرت مقرر

کرنا باعث منازعت نہیں۔ لہذا جائز ہے۔ اسی لئے کھیت کی زمین کا نصف یا چوتھائی پیداوار پر اجارہ جائز ہے۔ ورنہ سفیر کو تنخواہ پر رکھنا بھی ناجائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس کا عمل مجہول ہے۔ نہ معلوم کہ مہینہ میں کتنا سفر کرے گا یا کتنا چندہ وصول کرے گا۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اجیر کی اجرت اس کے عمل سے دینا ناجائز ہے۔ اسی لئے چکی والا کو پسائی میں آثارنا منع ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شے میں عمل کرنے اور عمل سے اس شے کے حاصل ہونے میں بڑا فرق ہے۔ چندہ کا پیسہ سفیر کی کوشش سے حاصل ہوا۔ سفیر نے اس پیسہ میں کوئی عمل نہیں کیا ہے۔ لہذا چندہ سے سفیر کو اجرت دینا جائز ہے۔ اور آٹے سے پسائی کی اجرت اور کپڑے سے بنوائی کی اجرت دینا منع، چندہ کھیت کی پیداوار کی طرح ہے۔ جس سے مزارع کو اجرت دینا جائز ہے۔ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کی ممانعت میری نظر سے نہیں گزری۔ اور نہ وجہ ممانعت سمجھ آئی۔ میرے قیام دھوراجی کے زمانہ میں مدرسہ منظر اسلام بریلی کے سفیروہاں پہنچا کرتے تھے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ یہ حضرات چہارم چندہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فاتحہ اور ختم شریف کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے جلاپور جنٹل میں ایک مہاجر مولوی صاحب ہیں وہ حسب ذیل باتیں کرتے ہیں۔

- (۱) کھانے پر ختم دلوانا حرام ہے۔
- (۲) میت کے لئے تین دن ماتم پر سی کے لئے بیٹھنا حرام ہے۔
- (۳) بعد نماز جنازہ کے دعا کرنا حرام ہے۔

- (۴) محفل میلاد شرف گیارہویں وغیرہ عرس بزرگان حرام ہے کیونکہ یہ چیزیں زمانہ پاک نبوی میں نہ تھیں۔ لہذا بدعت ہیں اور بدعت حرام ہے۔
- (۵) زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے نہ ہوا۔ اس کے ثبوت میں نہ آیت قرآنی ہے نہ کوئی صحیح حدیث وہ بد چلن اور فاحشہ عورت تھی۔ اس کا یوسف علیہ السلام کی بیوی ماننا شان نبوت کے خلاف ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ الغبیثات للغبیثین والغبیثون للغبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات۔

(۶) یوسف علیہ السلام کے بھائی بڑے گنہگار جھوٹے قریبی تھے۔ ان کی تعظیم کرنا گناہ ہے براہ مہربانی فرمایا جاوے کہ آیا یہ اعتقاد درست ہیں؟ بیوا تو جروا۔

الجواب

مولوی مذکورہ کے یہ تمام مسائل غلط اور بے بنیاد ہیں۔ ختم، فاتحہ، دعا بعد نماز جنازہ وغیرہ کار خیر ہیں۔ ان کے کرنے والا مستحق ثواب ہے۔ ان مسائل کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔ میں دو قاعدے عرض کرتا ہوں پہلے قاعدے سے ان چار مسائل کا فیصلہ خود بخود ہو جاوے گا اور دوسرے قاعدے سے انشاء اللہ آخری مسئلے خود بخود حل ہو جائیں گے۔ حرام و حلال جاننے کے لئے ایک قاعدہ ضرور خیال میں رکھنا چاہیے۔ وہ یہ کہ حرام یا ناجائز کام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے حرام فرمایا۔ اور اس سے منع فرمایا۔ حلال وہ کام ہے جو اللہ و رسول نے منع نہ فرمایا ہو یا تو اس طرح کہ ان کے حلال ہونے کا ذکر فرمایا ہو یا اس طرح کہ ان سے سکوت ہو۔ ان کا ذکر ہی نہ فرمایا ہو۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یا ایہا الزین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤلکم ان تسئلوا عفا حین یُنزل القرآن تبدلکم عنہا اللہ عنہا۔ معلوم ہوا کہ جو باتیں اللہ کے رسول نے ذکر نہ فرمائیں وہ معاف ہیں۔ مشکوٰۃ

شریف جلد دوم کتاب الاطعمہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ الحلال ما احل اللہ والعمرام ما حرم اللہ وما سکت عنه فهو معفو حلال وہ جسے اللہ تعالیٰ نے حلال فرمادیا۔ حرام وہ جسے رب تعالیٰ نے حرام فرمادیا اور جس سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔ شامی عالمگیری وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے۔ کہ الاصل فی الشیاء الاباح۔ ہر چیز اصل میں مباح ہے۔ ممانعت سے حرام ہوگی۔ جیسے کوئی چیز بغیر امر کے واجب نہیں ہو سکتی۔ ایسے ہی بغیر ممانعت کے حرام نہیں ہو سکتی۔ اب جو شخص گیارہویں وغیرہ کسی چیز کو حرام کہے۔ اس سے مطالبہ کرو۔ کہ دکھاؤ حضور ﷺ نے اس سے کہاں منع فرمایا ہے یہ کہنا کہ جو چیز حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو وہ حرام ہے۔ یہ قاعدہ بالکل غلط ہے۔ چھ کلمے ایمان مجمل، ایمان مفصل، قرآن شریف کے تیس پارے، پورا علم حدیث یعنی اسناد کی جرح اور حدیث کے اقسام ضعیف، حسن، صحیح، مفصل، مدلس وغیرہ ان کے احکام کہ ضعیف سے حسن اعلیٰ ہے۔ حسن سے صحیح قوی ہے پورا علم فقہ اور اس کی اصطلاحیں، علم اصول فقہ، اصول حدیث، اسلامی مدرسے، وہاں کا نصاب، دستار بندی سند لے کر مولوی بننا، شریعت کے چاروں سلسلے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، طریقت کے سلسلے قادری، چشتی، نقشبندی سروردی وغیرہ۔ ان میں کوئی چیز زمانہ نبوی میں نہ تھی۔ نقشبندی اور چشتی فارسی الفاظ ہیں۔ ان چیزوں کو تمام دنیا محض جائز ہی نہیں بلکہ ضروری مانتی ہے لہذا معلوم ہوا کہ کسی شے کا زمانہ نبوی کے بعد ایجاد ہونا حرام کا سبب نہیں۔ نیز فاتحہ وغیرہ میں دو عبادتوں کا جمع کرنا ہے۔ یعنی تلاوت قرآن اور صدقہ، جب یہ دونوں عبادتیں علیحدہ علیحدہ جائز ہیں تو جمع ہو کر ضرور حلال ہیں۔ حلال چیزوں کا مجموعہ حلال ہی ہوتا ہے۔ جیسے بریانی۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے ثبوت کے لئے ہر جگہ نص قرآنی یا صحیح حدیث کی ہی ضرورت نہیں ثبوت کے ذریعہ چار ہیں۔ وحی، قول رسول اللہ ﷺ ہمارے حواس، دلالت عقلی، آخرت کے معاملات وحی یا قول رسول سے ثابت ہیں۔ مکہ معظمہ کا

ثبوت ہمیں مشاہدہ سے ہوا۔ رب تعالیٰ کی ذات اس کی واحدانیت عقل سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اسی لئے جسے تبلیغ رسول نہ پہنچے۔ اسے بھی توحید پر ایمان لانا ضروری ہے۔

ففی کل شئی لہ ایتہ تدل علی انہ واحد۔ بلکہ علامہ شامی نے کتاب الشہادت میں فرمایا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں۔ جن میں صرف شہرت یا علامت سے بھی گواہی دی جا سکتی ہے جیسے نسب نکاح اوقات تبرکات۔ کسی کا سید مشہور ہونا۔ یا کسی پر کسی کا اپنے بل بچوں کو لے کر مثل زن و شوہر رہنا بسنا اس سے سید ہونے یا اس کے نکاح کے علامات ہیں۔ اسی طرح کسی عمارت کے مینارے و گنبد ہونا اس کے مسجد ہونے کی علامت ہے اگرچہ نہ ہمیں واقف کی خبر نہ وقف کی مگر اس علامت پر ہم اس کے مسجد ہونے کی گواہی دے سکتے ہیں۔ ملا علی قاری نے ملک منقسط میں لکھا کہ حاجی ہر اس مقام کی زیارت کرے جس کی زیارت عام مسلمان کرتے ہوں۔ ثبوت کے درپے نہ ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ لتکونوا شہداء علی الناس ویكون الرسول علیکم شہیدا۔

مسلمان رب تعالیٰ کے گواہ ہیں اسی لئے عام مسلمان جسے ولی اللہ کہیں۔ وہ واقعی رب کا ولی ہوتا ہے۔ جیسے حضور غوث پاک یا خواجہ اجمیری قدس سرہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ انتم شہداء اللہ فی الارض۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھ لو۔ کہ حضرت زلیخا کا نکاح یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایک تاریخی واقعہ ہے جو مسلمانوں میں عام طور سے مشہور ہے۔ علماء صوفیائے محدثین مفسرین نے بیان فرمایا۔ جیسے تفسیر جلالین و کبیر و مدارک وغیرہ میں علامہ جلال الدین سیوطی و فخر الدین رازی وغیرہم نے بیان فرمایا۔ اتنی شہرت اتنے اکابر کا بیان کرنا اس تاریخی واقعہ کے ثبوت کے لئے کافی ہے جو اس کا انکار کرے۔ وہ کوئی نفی کی حدیث پیش کرے۔ در مختار کتاب الشہادۃ میں ہے۔

ولا یشہد احد مما لم یعاينہ بالاجماع الا فی عشرة علی ما فی شرح الوہبانیۃ منها العتق والولاء عند الثانی والمہر علی الاصح بزازیہ والنسب والموت والنکاح والدخول بزوجتہ والایتہ القاضی واصل

والوقف وقبل وشرائط علی المختار کما من فی باب فله الشهادة بذالك اذا اخوه بها بهذا الاشياء من یصح یتق الشاهد به من خبر جماعة لا یتصور تواطؤهم علی الکذب بلا شرط عدالة وشهادة عدلین۔ جب سعی نکاح پر نکاح کے احکام وراثت و مہر وغیرہ جاری ہو جاتے ہیں۔ تو حضرت زلیخا کے نکاح پر تو ہمیں کوئی احکام بھی جاری نہیں کرنا ہیں۔ وہ بدرجہ اولیٰ ان خبروں سے ثابت ہونا چاہیے۔ حضرت زلیخا نہ فاحشہ تھیں نہ بد چلن قرآن کریم نے ان کے متعلق صرف اتنا بیان فرمایا ہے کہ ولقد همت به۔ حضرت زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کیا۔ قصد زنا نہیں۔ نہ اس پر احکام زنا جاری ہوں اور یہ قصد بھی حسن یوسف پر وارفتہ ہونے کی وجہ سے ہوا جیسے مصری عورتوں نے اس جمال یوسفی کو دیکھ کر اپنی انگلیاں کٹ ڈالیں۔ جیسے وہ عورتیں معذور تھیں۔ ایسے ہی حضرت زلیخا نے وارفتگی اور بے خودی کی حالت میں یہ کیا۔ پھر قرآن کریم نے حضرت زلیخا کی سچی توبہ کا ذکر بھی فرمایا۔ میں نے ہی انہیں رغبت دی تھی اور اپنے جرم کا اقرار بھی توبہ ہی ہے۔ توبہ جتنے گناہ حضرت زلیخا سے ہوئے۔ وہ سب اس توبہ سے معاف ہو گئے۔ تعجب ہے کہ رب تعالیٰ تو ان کی توبہ کا اعلان کرے اور یہ گستاخ انہیں فاحشہ ہی کہے جاویں۔ نیز حضرت زلیخا نے یوسف علیہ السلام پر بہت سے احسانات کئے۔ ان پر اپنی جان و مال نثار کیا۔ ایسی محسنہ کو گالیاں دینا اپنی آخرت برباد کرنا ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں غنی عنہ

جبری نکاح کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو مجبور کر کے اسلحہ دکھا کر اس کی

تا باغہ لڑکی کا نکاح عمرو سے کرادیا گیا۔ لڑکی نے باغہ ہوتے ہی خون دیکھتے ہی نکاح فسخ کر دیا تو نکاح جبری صحیح ہوا یا نہیں؟ اگر صحیح ہوا تو فسخ ہوا یا نہیں؟ بیوقوف جروا۔

الجواب

اگر صغیرہ کا ولی مجبوراً صغیرہ کا نکاح کفو میں کر دے یا خود کبیرہ اپنے کفو میں کر دے تو نکاح درست ہے اور اگر غیر کفو میں کرے تو نکاح درست نہیں۔ حاکم علیحدگی کا حکم دے دے گا۔ شامی شروع کتاب النکاح میں ہے۔ زوجہا اولیاءہا مکرہین والنکاح جائز ویقول القاضی للزوج ان شئت اتمم لها مهر مثلها وہی امراتک ان کان کفوا لها والافرق بینہما ولا شئی لہا۔ باپ دادا اگر صغیرہ کا نکاح کر دیں تو وہ باغہ ہو کر نہیں ٹوٹ سکتا۔ ہاں اگر ان کے متعلق مشہور ہو کہ وہ رشوت یا بے پروائی سے نامناسب جگہ اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دیتے ہیں یا انہوں نے دیوانگی یا بے ہوشی کی حالت میں نکاح غلط جگہ کیا ہو۔ تو صغیرہ باغہ ہو کر نکاح فسخ کر سکے گی۔ شامی باب الاولیاء میں ہے۔ ولزم النکاح ولو یفین فاحش او بغیر کفوان کان الولی المزوج لبا اوجدا لم یعرف منہما سوء الاختیار مجانۃ وفسقا وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا وكذا لو کان سکران فزوجها من فاسق او شریرا وفقیرا وذی حرفة دنیۃ لظہور سوء اختیار۔ اگر باپ دادا پہلے سے اس کام میں مشہور ہوں کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح بے پروائی یا رشوت وغیرہ سے غیر کفو میں کر دیتے ہوں۔ تب لڑکی فسخ کر سکے گی ورنہ نہیں۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ والعاصل ان المانع ہو کون الاب مشہور البسوء الاختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشہوراً بذالک ثم زوج بنتہ من فاسق صح۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

پاگل خاوند سے طلاق لینے کا بیان

فتویٰ نمبر ۸۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا شوہر گیارہ برس سے پاگل ہے۔ کسی وقت ہوش میں نہیں آتا۔ اب اس کے طلاق کی کیا صورت ہے؟ کسی امام کے مذہب پر اسے نکاح سے علیحدگی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

بہتر یہ ہے کہ عورت صبر کرے۔ بعض علماء نے حسب دلیل شرائط کے ماتحت عورت کو فسخ نکاح کی اجازت دی ہے۔ دیکھو رسالہ اطمینان الناجزہ للعلیلۃ العاجزہ۔

نمبر ۱ عورت کی طرف سے جنون پر رضامندی نہ پائی جاوے اگر نکاح سے پہلے جنون کا پتہ تھا اس کے باوجود نکاح کیا تو فسخ کا اختیار نہیں۔ اگر نکاح کے بعد جنون یا خبر جنون ہوئی تو کبھی عورت نے رضامندی ظاہر نہ کی ہو۔ اگر ایک بار بھی رضامندی ظاہر کر لی۔ تو اختیار گیا۔

نمبر ۲ جنون کا پتہ لگنے کے بعد عورت نے اپنے اختیار سے مرد کو جماع یا دواغی جماع کا موقع نہ دیا ہو اور اگر کبھی موقع بخوشی دیا تو فسخ کا اختیار گیا۔

نوٹ ضروری: اگر معمولی جنون تھا۔ عورت نے شوہر کو جماع کا موقع بخوشی دے دیا۔ پھر بعد میں جنون ترقی کر گیا تو بھی عورت کو فسخ کا اختیار ہو گا۔ کیونکہ جس جنون سے عورت راضی ہوئی وہ اور نوعیت کا تھا۔ یہ دوسری نوعیت کا ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

سورتوں کی ترتیب اور سورۃ چھوڑنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۸۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام پہلی رکعت میں اذا جاء اور دوسری میں قل هو اللہ پڑھتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟
نمبر ۲ دوسرا امام خلاف ترتیب سورتیں پڑھتا ہے۔ مثلاً پہلی میں قل هو اللہ دوسری میں انا اعطیناک الکوثر۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

نمبر ۱ دور کھتوں کی سورتوں میں یا تو چند چھوٹی سورتوں کا فاصلہ چاہیے یا ایک بڑی سورت کا اور اذا جاء اور قل هو اللہ کے درمیان تبت ید ہے جو چھوٹی سورت ہے اور ایک چھوٹی سورۃ کا فاصلہ مکروہ ہے۔ لہذا اس طرح پڑھنا مکروہ ہے۔ درمختار باب القرات میں ہے۔ ویکرہ الفصل سورۃ قصیرۃ۔ عالمگیری باب القراۃ میں ہے۔ واذا جمع بین سورتین بینہما سورا وسورۃ واحدۃ فی رکعۃ واحدۃ یکرہ واما فی الركعتین ان کان بینہما سور یکرہ وان کان بینہما سورۃ واحدۃ قال بعضهم یکرہ وقال بعضهم ان کانت السورۃ طویلۃ لا یکرہ مکذا فی المحيط کما اذا کان بینہما سورتان قصیرتان واللہ ورسولہ اعلم۔

نمبر ۲ فرض نماز میں قرآن کی سورتیں ترتیب قرآن کے مطابق پڑھنا واجب ہے اگر عداً خلاف ترتیب پڑھی جاویں تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ جس کا لوٹانا ضروری ہوگا۔ درمختار باب القراۃ میں ہے۔ ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقراء منکوساً الا اذا ختم فقرأ من البقرۃ۔ اس کے حاشیہ رد المحتار میں اسی جگہ ہے۔ بان یقرء

فی الثانية اعلى مما قرء فی الاولى لان ترتیب السور فی القراءة من واجبات التلاوة وانما جوز للصغار تسهیلاً لضرورة التعليم۔ اسی طرح عالمگیری باب القراءة میں ہے۔ واذا قرء فی رکعة سورة وفی الركعة الاخری اوفی تلک الركعة سورة فوق تلک السورة یکره ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز میں ترتیب قرآن کا لحاظ واجب ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

عائب خاوند کے موت کی خبر بیوی کا

دوسری جگہ نکاح کرنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل مسائل میں۔

نمبر ۱ ایک عورت کا خاوند عائب ہے۔ کسی طرح اس کی موت کی خبر آئی۔ آیا اس خبر پر وہ عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ کیا وہ نوے سال پورے کرے۔ یونہی کوئی اجنبی عورت کہہ دے کہ میرا خاوند مارا گیا یا مجھے طلاق دے چکا ہے۔ آیا اس سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

نمبر ۲ پاکستان بننے وقت جو انقلاب ہوا اس وقت بعض مہاجرین سکھوں میں گھرے ہوئے دیکھے گئے مگر انہیں مرٹے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ آیا وہ مفقود کے حکم میں ہیں یا ان کی بیویاں دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں۔ ایسے ہی وہ لوگ جو جنگ جرم میں گئے اور لاپتہ ہو گئے۔ ان کی عورتیں کیا کریں؟

نمبر ۳ بعض جنگ جرم میں جانے والے لاپتہ سپاہیوں کے متعلق دفتر سے اطلاع ملی کہ سنا گیا ہے وہ مارا گیا۔ اس خبر پر اعتماد کر کے ان کی بیویاں نکاح کر سکتی ہیں۔ ان

مسائل کی اس وقت سخت ضرورت درپیش ہے اس مشکل کو حل کیا جائے۔

الجواب

نمبر ۱ صورت مذکورہ میں اگر موت کی خبر دینے والا فاسق فاجر نہ ہو۔ بلکہ نیک متقی آدمی ہو۔ جس کی خبر قابل اعتبار ہو۔ تو عورت مذکورہ اپنا نگاہ دوسری جگہ کر سکتی ہے کیونکہ اس خبر سے وہ شخص مفقود نہ رہا۔ مفقود تو وہ ہے جس کی کسی طرح کی خبر نہ ملے بلکہ یہ غائب ہوا۔ اور غائب کے اور احکام ہیں۔ مفقود کے کچھ اور۔ درمختار باب العدة میں ہے۔ اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات او طلقها ثلاثا او اتاها منه كتاب على ثقة بالطلاق ان اكبر رايها انه حق فلا باس ان تمتدو تتزوج وكذا لو قالت امرأة لرجل طلقني زوجي وانقضت عدتي لا باس ان ينكحها۔ اسی طرح اگر اجنبی عورت بیان کرے کہ میرا خاوند مر گیا۔ میری عدت بھی پوری ہو چکی تو اس کا اعتبار کرنا درست ہے اور نکاح جائز ہے۔ جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوا۔

نمبر ۲ ایسے لوگ بے شک مفقود تو ہیں۔ مگر ہر مفقود کا حکم یکساں نہیں۔ جو آدمی ایسی آفت میں گرفتار ہو کر لاپتہ ہو جائے اس کے لئے اتنی دراز مدت انتظار کرنا ضروری نہیں۔ اس کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ شخص قوم کا بڑا آدمی تھا۔ جیسے بادشاہ یا وزیر یا کوئی بڑا آدمی جس کی زندگی مشہور ہو جاتی ہے اس کے لئے تھوڑے دن انتظار کیا جائے اور جو غیر معروف لوگ ہیں ان کے لئے اس قدر انتظار کر لیا جاوے۔ جس سے غالب گمان ہو جاوے کہ وہ مر گیا ہو گا۔ پھر اس کی بیوی اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ نوے سال کی عمر اس مفقود کے لئے ہے جو ویسے ہی گھر سے لاپتہ ہو گیا ہو۔ چنانچہ شامی کتاب المفقود میں ہے۔ واذا فقد في مهلكة فموتہ غالب فيحكم به كما اذا فقدني وقت الملاقات مع العدوا ومع قطاع الطريق او سافر على المرض الغالب

ہلاکہ اوکان سفرہ فی البحر وما اشبه ذالک حکم بموتہ لانہ الغالب فی هذه الحالات۔ اسی شامی میں اسی مقام پر ہے۔ لکن لا یخفی انہ لابد من مضي مدة طويلة حتی یغلب علی الظن موتہ لا بمجرد فقدہ عن ملاقاتہ العدو واد سفر البحر الا اذا کان ملکًا عظیمًا فانہ اذا بقی حیا تشہر حیاتہ۔ غرضیکہ دشمن یا چوروں میں پھنس کر لاپتہ ہونے والا ایسے ہی مہلک بیماری کالاپتہ مریض اور سمندر کا مسافر وغیرہ سب کا یہی حکم ہے کہ اس میں غلبہ ظن کا اعتبار ہے۔

نمبر ۳ اس صورت میں اگر فوجی دفتر سے کوئی پرہیزگار مسلمان کہے کہ میں نے سنا ہے کہ فلاں مارا گیا۔ تو اس کی بات قائل اعتبار ہے۔ عورت دوسرے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ بعد میں اگر بہت سے لوگ بھی کہیں کہ وہ زندہ ہے کسی کا اعتبار نہیں چنانچہ بحر الرائق شرح کنز الدقائق باب العدة میں ہے۔ قال رجل لامرأة سمعت ان زوجک مات لها ان تتزوج ان کان المعبر عدو لا فان تزوجت باخر واخبرها جماعة بانہ حی ان صدقت الاول صح النکاح کذا فی فتاویٰ النسفی۔ اور اس جنگ میں گئے ہوئے لوگ چونکہ دشمن میں گھر کر لاپتہ ہوئے ہیں۔ اس لئے اب وہ وفات پا چکے ہیں۔ اگر کوئی خبر نہ بھی دے۔ جب بھی ان کی بیویاں اپنا نکاح کر سکتی ہیں۔ جیسے کہ دوسرے جواب سے معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

نکاح فاسد و باطل کا فرق

فتویٰ نمبر ۸۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

- (۱) نکاح فاسد و باطل میں کیا فرق ہے۔ اور ان کے احکام کیا ہیں؟
 (۲) اور اگر حلالہ کی صورت میں نکاح فاسد کر دیا گیا۔ تو حلالہ درست ہو یا نہیں۔

الجواب

نمبر ۱۔ جس نکاح کے جواز میں علمائے امت کا اختلاف ہو۔ وہ نکاح فاسد ہے اور جس کے فساد میں اتفاق ہو۔ وہ نکاح بالکل ہے۔ اور جس کے جواز میں اتفاق ہو وہ نکاح صحیح ہے لہذا بغیر گواہ کے نکاح یا دوسرے کی عدت میں نکاح بے خبری کی وجہ سے یا دو بہنوں سے نکاح یا ایک بہن کی عدت میں دو سری بہن سے نکاح یا چار بیویوں میں سے ایک کی عدت میں پانچویں سے نکاح۔ حرم کی موجودگی میں لونڈی سے نکاح۔ یہ تمام نکاح فاسد ہیں۔ شامی جلد دوم باب نکاح الفاسد میں ہے۔ ان کل نکاح اختلاف العلماء فی جوازہ کالنکاح بلا شہود فالدخول فیہ موجب العدة۔ اسی جگہ درمختار میں ہے۔ وهو الذی فقد شرطها من شرائط الصحة کشہود اس کشہود کی شرح میں علامہ شامی نے فرمایا۔ ولمثلہ تزوج الاختین معاً ونکاح الاخت فی عدة الاخت ونکاح المعتدة والخامسة فی عدة الرابعة والامة علی العرة۔ اور نکاح باطل وہ ہے جس کی حرمت میں تمام علماء کا اتفاق ہو۔ جیسے جان بوجھ کر دوسرے کی عدت میں نکاح کر لینا محرمات سے نکاح یا منکوحہ سے غیر سے نکاح، شامی میں اسی جگہ ہے۔ واما نکاح منکوحۃ الغير ومعتدۃ فالدخول فیہ لا یوجب العدة ان علم انها للغير ولهذا یجب الحد مع العلم بالحرمة لانه زنا۔ یہ فرق خیال میں رہے۔ غرضیکہ اگر عورت یا مرد محل نکاح نہیں ہے۔ جیسے محرمہ یا منکوحہ غیر یا مشرکہ تب تو نکاح باطل ہے اور اگر عورت تو محل نکاح ہے مگر کوئی شرط نکاح مفقود ہے۔ تب نکاح فاسد اسی طرح اگر محل نکاح نہ ہو۔ جیسے مسلمہ کے لئے کافریا مرتد مرد تب بھی نکاح باطل ہے۔ ان دونوں کے احکام میں فرق یہ ہے کہ نکاح فاسد میں وطی کے

بعد عدت اور مهر مثل لازم ہو گا۔ اس سے نسب ثابت ہو گا۔ اس میں عورت مرد ہر ایک کو فسخ کا اختیار ہو گا۔ اور اگر مرد عورت حرام سمجھ کر یہ نکاح کریں تو ان پر حد ہے۔ اور باقی ثبوت نسب عدت، مهر وغیرہ کچھ نہیں۔ کیونکہ یہ زنا ہی ہے۔ درمختار باب العدة میں ہے۔ **هي تریص یلزم المرأة عند زوال النکاح فلا عدة لزنا او شبه کنکاح فاسد ومزفوفة لغير زوجها۔ اسی جگہ شامی میں ہے۔** لو تزوج امرأة الغير ودخل بها عالما بذلك لا يحرم على الزوج وطاها لانه زنا درمختار باب نکاح الفاسد میں ہے۔ **ويجب مهر المثل في النکاح الفاسد بالوطی لا بالخلوة ولم تزود على المسمى ويثبت لكل واحد منهما فسخه ولو بغير معض من صاحبه دخل بها اولا تعجب العدة بعد الوطی لا الخلوة من وقت التفريق ويثبت النسب۔**

نمبر ۲ نکاح فاسد سے حلالہ درست نہیں۔ حلالہ میں شرط یہ ہے کہ دوسرا زوج نکاح صحیح کر کے محبت کرے تب حلالہ درست ہو گا۔ درمختار باب الرجعة میں ہے۔ **ولا ينكح مطلقة بها ای بالثلث لوحرة وثنتين لوامة حتى يطاها غيره بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف وتمضى عدة۔ واللہ ورسوله اعلم۔**
احمد یار خاں غفرلہ

خیار بلوغ کے فسخ میں حاکم کے فیصلہ کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خیار بلوغ کی صورت میں لڑکی کا صرف فسخ کرنا کافی ہے یا حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہے۔ اگر حاکم کے فیصلے کی ضرورت ہو تو اگر لڑکی نے نکاح فسخ کر دیا۔ مگر ابھی حاکم نے فیصلہ نہیں کیا ہے۔ تو کیا نکاح باقی ہے اور

عورت مرد کو حلال ہے اور زوجین میں سے ایک دوسرے کی میراث کا مستحق ہے۔ بیوا
توجروا۔

الجواب

خیار بلوغ کی صورت میں لڑکی کے نکاح فسخ کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ نکاح حاکم
کے فیصلہ سے ٹوٹے گا۔ البتہ فسخ کر دینے سے فسخ نکاح کا استتاق ثابت ہوتا ہے۔ لہذا
لڑکی کے انکار کرنے کے بعد حاکم کے فیصلے سے پہلے نکاح بدستور باقی رہتا ہے کہ صحبت
بھی جائز اور تورات بھی جاری۔ عالمگیری باب الاولیاء میں ہے۔ وان زوجها غیر الاب
والجد فلکس واحد منها الخيار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء
فسخ ویشترط فیہ القضا بخلاف خيار العتق فان اختار الصغير والصغيرة
بعد البلوغ فلم یفرق القاضی بینہما حتی مات احدهما توراۃ ویجن
للزوج ان یطاهما لم یفرق القاضی بینہما۔

احمد یار خاں غنی عنہ

طلاق نامے میں ایک سال پیشتر کی تحریر کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل بعض لوگ طلاق نامہ میں لکھتے
ہیں کہ میں ایک سال پہلے طلاق دے چکا ہوں۔ مگر باقاعدہ تحریر آج کر رہا ہوں اس
صورت میں طلاق نامہ کی تحریر کے بعد عدت لازم ہوگی یا نہیں۔ بیوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں طلاق نامہ کی تحریر کے وقت سے ہی طلاق مانی جاوے گی۔ اور اس ہی وقت سے عدت شروع ہوگی۔ اس اقرار کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس میں تہمت ہے کہ شاید عدت سے بچنے کے لئے یہ حیلہ کیا ہو۔ اگر عورت تصدیق بھی کر دے کہ واقعی مجھے فلاں زمانہ میں ہی طلاق دی تھی۔ جب بھی حکم یہی ہے۔ در مختار باب العدة میں ہے۔ **لو اقر بطلاقها منذ زمان ماض فان الفتوى انها من وقت الاقرار نفي التهمة الموضوعة لكن ان كذبت في الاسناد او قالت لا ادري وجبت العدة من وقت الاقرار ولها النفقة والسكنى وان صدقته فكذلك غير انه لا نفقة ولا كسوة ولا سكنى لها۔** اسی کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ **ای سواء صدقته او كذبتہ ام قالت لا ادري۔** غرضیکہ اقرار طلاق کی صورت میں اگر عورت تصدیق کر دے تب عدت تو واجب رہے گی مگر نفقہ لازم نہ رہے گا۔ اور اگر تکذیب کرے تو عدت بھی لازم اور نفقہ بھی واجب۔ ہاں اگر مقر اعلیٰ درجہ کا متقی پرہیزگار ہو جس پر جھوٹ بولنے کا بہتان نہ لگ سکے تو اس کا اقرار معتبر ہو گا اور اب عدت علیحدہ کرنی لازم نہ ہوگی۔ اسی جگہ شامی میں ہے۔ **وفي الفتح ان فتوى المتأخرين مخالفة الائمة الاربعة وجمهور الصحابة والتابعين وحيث كانت في لعنتهم للتهمة فينبغي ان يتعري به معالها والناس الذين هم مظانها۔** اور اگر عورت مقر کے پاس ہی اب تک رہی ہو۔ تب تو ظاہر ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ ورنہ اس نے اب تک عورت کو اپنے پاس کیوں رکھا اور طلاق چھپائی کیوں۔ اور جھوٹے فاسق کی خبر ناقابل قبول ہے۔ شامی نے اسی جگہ فرمایا۔ **زجراً له حيث كتم طلاقها وهو المختار۔ والله ورسوله اعلم۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

ماہ رمضان مبارک میں اعلانیہ کھانے پینے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض مسلمان رمضان شریف میں بلاعذر بازاروں میں اعلانیہ کھاتے پیتے ہیں۔ ان کی سزا اسلام نے کیا مقرر فرمائی ہے۔ بینوا تو جروا۔

الجواب

ایسے لوگ یا تو روزے کی فرضیت کے منکر ہیں۔ یا دین کا مذاق اڑاتے اور شعار اسلامی یعنی ماہ رمضان مبارک کی توہین کرتے ہیں۔ ان کے متعلق علمائے کرام اور آئمہ دین کا اتفاق ہے کہ قتل کر دیئے جاویں۔ بعض گناہ جو دین کی توہین کا موجب ہوں ان کا یہ عی حکم ہے۔ در مختار کتاب الصوم بحث کفارہ میں ہے۔ ولو اکس عمداً شهرةً بلا عذر يقتل وثامة فی شرح والوہبانیۃ۔ اس کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ قال فی الوہبانیۃ ۔

ولو اکس الانسان عمداً اوشهرة - ولا عذر فيه قيل بالقتل يوم

قال الشرنبلالی صورتها تعمد من لا عذر له الاكل جهار ايقول لانه مستهزی بالدين او منكر لما ثبت منه بالضرورة ولا خاف في حل قتله والامر به فتعبير المؤلف بقيل ليس بلازم للنصف بلکہ رمضان شریف کا ادب تو یہ ہے کہ معذ بھی چھپ کر کھائے پیئے۔ لیکن یہ قتل حکومت اسلامیہ کا فرض ہے۔ ہر شخص کو اس کی اجازت نہیں جیسے قصاص اور زنا۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غنی عنہ

غیر کفو میں نکاح کرنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بالغ لڑکی نے اپنا نکاح بغیر ماں باپ کی اجازت کے ایسی ہلکی قوم میں کر لیا۔ جس سے اس قبیلہ کا نکاح کبھی نہیں ہوتا۔ بلکہ لڑکی والے اس قوم میں لڑکی دینا اپنی سخت ذلت و رسوائی محسوس کرتے ہیں۔ جب ماں باپ کو خبر ہوئی تو انہوں نے فوراً اس نکاح سے اپنی ناراضگی ظاہر کی۔ فرمایا جلوے کہ یہ نکاح درست ہوایا نہیں؟ اگر نہیں تو اس لڑکی پر عدت واجب ہے۔ یا نہیں۔ جینو اتوجرو۔

الجواب

صورت مذکورہ میں صحیح یہ ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔ کیونکہ اگر بالغ لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے تو اس کے لئے اذن ولی شرط ہے ورنہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ درمختار باب الولی کتاب النکاح میں ہے۔ فمخذ نکاح حرة مکلفہ بلا رضا ولی وروی للولی الاعتراض فی غیر الکفو فیفسخه القاضی مالم تلد ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتویٰ لفساد الزمان۔ اس کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ وقال شمس الاثمة وهذا اقرب الی الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامة قاسم۔ اگر اس نکاح کے بعد صحبت ہو گئی ہے تو عدت ہے ورنہ نہیں۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

بغیر ماتم کے فقط تعزیہ بنانے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسا تعزیہ جس میں نہ دلیل ہو نہ کوئی قبر نہ اس کی پوجا ہو بلکہ محض یادگار حسین رضی اللہ عنہ بنانے کے لئے بعض ارباب محبت امام عالی مقام کے روضہ کا نقشہ بنا کر تیار کریں اور زیارت کریں اور تعزیہ کو کندھوں پر اٹھا کر گلی کوچوں میں لئے پھریں۔ ایسا تعزیہ نکالنا حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا حلال۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مذکورہ تعزیہ جس میں مذکورہ بالا محرمات نہ ہوں بنانا حلال ہے کیونکہ یہ محض غیر جاندار چیز کا نقشہ ہے جیسے مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ کے نقشے مگر مروجہ تعزیہ داری حرام ہے۔ حسب ذیل وجوہ سے۔

نمبر ۱۔ یہ تعزیہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ کا صحیح نقشہ نہیں۔ نہ تو تعزیہ بنانے والوں نے کربلا معلیٰ جا کر وہاں کا روضہ دیکھا ہے اور نہ وہاں کا صحیح نقشہ دیکھ کر اس کی نقل کی ہے بلکہ ہر تعزیہ دار علیحدہ فیشن کا تعزیہ بناتا ہے۔ اب اس غلط اور جعلی نقشہ کے سید الشہداء کے روضہ کی تصویر سمجھ کر اس کی تعظیم کرنا حرام ہے۔ جس درخت کے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت الرضوان لی تھی۔ وہ اصل درخت تو گم ہو گیا تھا۔ لوگوں نے غلطی سے دوسرے درخت کی زیارت کرنا شروع کر دی۔ یہ سمجھ کر کہ یہ وہی بیعت والا درخت ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے وہ درخت کٹوا دیا تا کہ غلط فہمی دور ہو۔ وہ بھی غلط چیز کی ہی زیارت کرتے تھے۔ اور موجودہ جاہل مسلمان بھی غلط نقشہ کی زیارت و تعظیم کرتے ہیں یہ بھی اسی طرح واجب الہلاک ہے۔

نمبر ۸ اس تاریخ میں مروجہ جلوس نکالنا یزید یوں کی نقل ہے۔ کہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے سر اور ہاتھی قیدی اہل بیت کا جلوس نکالا۔ یہ مسلمان ان کی نقل کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے۔ من تشبه بقوم فهو منهم۔ عاشورہ کے دن کی عبادت روزہ اور صدقہ و خیرات ہے۔ نہ کہ مروجہ ناچ کود۔

نمبر ۳ تعزیہ بنا کر اسے دفن کرنا دنیا میں برہاد کرنا ہے۔ جو حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ

نمبر ۴ اس غلط نقشہ کا جلوس نکالنا اس کندھوں پر اٹھائے پھرنا بازاروں میں گشت لگانا فعل لغو ہے۔ نہ اس میں دینی نفع ہے نہ دنیاوی فائدہ یہ بھی حرام ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ هم عن اللغو معرضون۔ حدیث شریف میں ہے۔ کل لغو حرام الاثلث۔

نمبر ۵ یہ فعل مجوزہ و نافض کی نقل ہے۔ کفار مرتدین کی نقل اتارنا بھی حرام ہے امام حسین علیہ السلام کی یادگار یہ کھیل کود نہیں بلکہ ان کی یادگار پابندی نماز اس دن روزہ صدقہ خیرات ہے۔ اور آج کل پاکستان میں تیاری جملہ کرنا اور اب وٹ کے موقع پر ٹاہلوں کو وٹ نہ دینا ان کی بڑی یادگار ہے کہ اس جناب نے سردے دیا مگر یزید ٹاہل کو وٹ نہ دیا۔ امام حسین علیہ السلام کی ذات علی ایسی واہیات یادگاروں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

ہاں اگر صحیح نقشہ تیار کیا جاوے۔ جس کی زیارت کی جاوے اسے دفن نہ کیا جاوے بلکہ محفوظ رکھا جاوے بلاشبہ جائز ہے بلکہ سنت انبیاء ہے۔ طاہوت بادشاہ کے پاس تابوت سیکہ رب تعالیٰ نے بھیجا۔ جس میں گزشتہ انبیاء کرام کے تبرکات اور آئندہ پیغمبروں کی تصاویر اور ان کے مکاتوں کے نقشے جس کی تعظیم و توقیر کرائی گئی۔ اس کی برکت سے فتح حاصل کی گئی۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں علی مد

فتویٰ نمبر ۸۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو کی بیٹی زید کے نکاح میں تھی پہلے تو زن و شوہر کا اتفاق رہا۔ پھر ان میں نا اتفاقی ہو گئی۔ عمرو نے زید کو بہانے سے بلا کر اندر بند کر کے چند آدمیوں کو مارنے کے لئے بلا لیا اور کہا کہ یا تو میری بیٹی کو طلاق لکھ دو۔ ورنہ جان سے ہاتھ دھوؤ۔ زید نے بے بسی کی حالت میں طلاق تحریر کر دی فرمایا جائے طلاق ہوئی یا نہیں۔ بیوا تو جروا۔

الجواب

اس صورت میں اگر زید نے منہ سے طلاق کے لفظ نہ بولے ہوں۔ صرف تحریر کر دی ہو۔ تو طلاق نہ ہوئی۔ وہ عورت بدستور زید کے نکاح میں ہے۔ عالمگیری کتاب الطلاق باب الکلیات فصل طلاق بالکتابت میں ہے۔ رجل اکره بالضرب والجلس علی ان یکتب طلاق امراته فلانة بنت فلان فکتب امراته فلانة بنت فلان طالق لا تطلق امراته کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ اور چاہیے بھی یہ کہ طلاق نہ ہو۔ فان الطلاق بالخبر یصح خلافا للقیاس للحديث ثلثة جدهن جدوهن لهن جد النکاح والطلاق والاعتاق او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم وکل نص مخالف للقیاس یقتصر علی موردہ فهذا الحديث یقتصر علی تطلیقه بالكلام ولا تتعدی الی الکتاب۔ اسی لئے اگر جبراً طلاق کا اقرار کرایا گیا۔ تو معتبر نہیں۔ حالانکہ بحالت خوشی اقرار طلاق بھی طلاق ہے اسی عالمگیری من یقع طلاق میں ہے۔ اجمعوا علی انه لو اکره علی الاقرار بالطلاق لا یغنی اقراره لیکن اگر زوج نے تحریر کے ساتھ طلاق منہ سے بولی ہے تو طلاق ہو گئی۔ کیونکہ جبریہ طلاق زبانی ہو جاتی ہے۔ عالمگیری باب من یقع طلاقہ میں ہے۔ یقع طلاق کس

زوج اذا كان بالفاعاقلا سواء كان حراً او عبداً طائعاً او مكرهاً وطلاق
الاعب والهائل به واقع۔

احمد یار خاں مفتی منہ

فتویٰ نمبر ۹۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خدا کے سوا کسی مخلوق کی نذر ماننا جائز
ہے یا نہیں؟ بیذا تو جروا۔

الجواب

نذر کے دو معنی ہیں شرعی اور عرفی۔ نذر شرعی کے معنے ہیں غیر ضروری عبادت کو
اپنے پر ضروری کر لینا اور نذر عرفی کے معنی ہیں نذرانہ۔ ہدیہ یا پیش کش، نذر شرعی خدا
کے سوا کسی کی ماننا شرک ہے اور نذر عرفی جائز ہے۔ نذر شرعی کی تین شرطیں ہیں۔ نذر
عبادت کی ہو۔ وہ عبادت خود بخود واجب نہ ہو۔ وہ عبادت خود واجب کے جنس کی ہو۔
لہذا کپڑے پہننے سرمہ ڈالنے کی نذر درست نہیں۔ کیونکہ یہ کام عبادت نہیں۔ روزہ
رمضان اور نماز ظہر کی نذر درست نہیں کیونکہ یہ چیزیں ویسے ہی واجب ہیں۔ وضو
غسل کی نذر درست نہیں کیونکہ اس کی جنس خود واجب نہیں بلکہ نماز کے لئے واجب
ہے۔ اس نذر کا حکم ہے کہ اس کا ادا کرنا فرض ہو گا۔ اور اگر صدقہ وغیرہ کی نذر ہو۔ تو
اسے وہ ہی کھا سکے گا۔ جو زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولیوفوا نذورہم
قرآن کریم میں اسی نذر کا تذکرہ ہے۔ لیکن دوسری قسم کی نذر یعنی نذرانہ ہدیہ۔ یہ
اولیاء اللہ کے لئے ہو سکتی ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب النذر میں ہے۔ کہ ایک بی بی نے
بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ انی نذرت ان اضرب علی راسک بالدف قال اوفی

بند رک میں نے نذر مانی ہے کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں۔ فرمایا اپنی نذر پوری کر لو۔ اسی مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ کہ نبی ﷺ بعض غزووں میں تشریف لے گئے۔ جب واپس تشریف لائے۔ تو جماعت جاریہ سوداع فقالت یا رسول اللہ انی کنت نذرت ان ردک اللہ صالحا ان اضرب بین یدیک بالدف واتلنی فقال بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کنت نذرت فاضری والا فلا۔ ایک لونڈی حبشیہ حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی۔ کہ حضور خیریت سے واپس تشریف لائیں تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں اور گاؤں، فرمایا اگر نذر مانی ہو تو پوری کر ورنہ نہیں۔ دیکھو ان دونوں حدیثوں میں لفظ نذر موجود ہے۔ لیکن یہاں نذر شرعی نہیں یعنی نذر عرفی یعنی ہدیہ و نذرانہ ہے۔ کیونکہ دف بجانا اور گانا عبادت نہیں بلکہ اس میں اپنی عقیدت اور حضور کی سلامتی پر فرح و سرور کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔ پہلی حدیث کی شرح میں لمعات میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ ان ضرب الدف وان لم یکن من القربات الہی وجب علی الناذر الوفاء بہا بل من المباحات کا کل الاطعمۃ اللذینۃ لکنہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بالوفاء نظراً الی مقصدہا الصحیح الذی ہو اظہار الفرح والمرور بقدمہ صلی اللہ علیہ وسلم غانما مظفراً علی الاعداء۔ حضرت مولانا احمد جیون تفسیرات احمدیہ میں زیر آیت۔ وما اهل به لغير الله فرماتے ہیں فبذلك علم ان البقرة المنذورة للاولیاء کما هو الرسم فی زماننا حلال طیب ملخصاً یعنی معلوم ہوا کہ جس گائے کی نذر اولیاء اللہ کے لئے مانی جاتی ہے۔ وہ حلال و طیب ہے۔ یہاں بھی نذر سے مراد نذر عرفی ہے نہ کہ شرعی۔ فتاویٰ رشید یہ جلد اول صفحہ ۵۳ میں مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں اور جو اموات اولیاء کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے اور جو نذر۔ معنی تقرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ نذور

میں فرماتے ہیں ”نذریکہ این جامستعمل سے شود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان سے برند نذر و نیاز سے گویند“ غرضیکہ لفظ نذر کے دو معنی ہیں۔ شرعی اور عرفی۔ پہلے معنی سے نذر خدا کے سوا کسی کے لئے نہیں ہو سکتی اور دوسرے معنی سے ہو سکتی ہے۔ جیسے لفظ طواف کے دو معنی ہیں۔ شرعی اور عرفی۔ شرعی معنی عبادت مخصوصہ ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فلیطوفوا بالبیت العتیق اور فرماتا ہے۔ ان طہرا بیتى للطائفین والفکفین والركع السجود۔ ان آیات میں طواف کے شرعی معنی ہیں۔ یعنی بہ نیت عبادت کعبہ کے آس پاس گھومنا پھر قرآن شریف میں ہے۔ ویطوف علیہم علماں لہم کانہم لؤلؤ مکنون۔ فرمایا ویطاف علیہم بکاس من معین۔ فرماتا ہے۔ یطوفون بینہا و بین حمیم الا سرکار فرماتے ہیں بلی کے بارے میں۔ من الطوافین علیکم والطوافات ان آیات و احادیث میں طواف عرفی یعنی آنا جانا گھومنا پھرنا مراد ہے۔ ایسے ہی شرعی قسم صرف اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہے جس پر کفارہ کے احکام مرتب ہوں۔ لیکن قسم عرفی جس سے کلام کی مضبوطی ہو۔ وہ غیر خدا کی بھی ہو سکتی ہے جیسے والتین والزیتون۔ اس نذر عرفی کا حکم یہ ہے کہ نہ وہ واجب ہوتی ہے اور نہ اس کے خیرات میں کوئی پابندی۔ ہر امیر و غریب کھا سکتا ہے۔ ہاں پہلی نذر شرعی میں اگر کوئی خاص جماعت مقرر کر دی جائے تو جائز ہے۔ مثلاً کہہ دے کہ خدایا اگر میرا کام ہو گیا تو میں تیرے نام پر نذر دوں گا اور وہ صدقہ فلاں بزرگ کے مجاوروں کو کھلاؤں گا تو جائز ہے۔ شامی نے کتاب الصوم بحث نذر اموات میں فرمایا۔ ان تكون صیفة النذر لله تعالى لتقرب الیه ویکون ذکرا الشیخ مراداً بہ فقرائہ

احمد یار خاں عثمانی

فتویٰ نمبر ۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ اپنی نذر میں کسی جگہ یا کسی وقت کی پابندی لگا دیتے ہیں۔ کہ فلاں جگہ صدقہ کروں گا۔ یا فلاں دن دیگ پکاؤں گا۔ یہ تعین جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا تو جروں

الجواب

کسی عبادت وغیرہ کے لئے وقت یا جگہ مقرر کرنے کی تین وجہیں ہیں۔ دو جائز و مستحب ہیں اور ایک ناجائز۔

نمبر ۱۔ محض اہتمام کے لئے دن یا جگہ مقرر کرنا تا کہ لوگوں کے اجتماع میں آسانی ہو جاوے اور یہ کام اچھی طرح انجام کو پہنچے۔ کیونکہ جب تک جگہ اور وقت مقرر نہ ہو۔ لوگ جمع نہیں ہو سکتے اور انتظام اچھی طرح نہیں ہو سکتا۔ یہ جائز ہے جیسے شادی عقیقہ، ولیمہ کی تاریخیں مقرر کرنا یا جماعت نماز کے لئے گھنٹے منٹ اور مدارس کے لئے تعطیل وغیرہ مقرر کرنا۔

نمبر ۲۔ اس دن یا اس جگہ کو کسی بزرگ سے نسبت ہو۔ اس کو متبرک سمجھ کر مقرر کرنا یہ بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ رمضان اور شب قدر بعض عبادات کے لئے اس لئے مقرر ہے کہ اس میں نزول قرآن کی ابتداء ہوئی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن اور فرماتا ہے۔ انا انزلناہ فی لیلة القدر جمعہ کا دن عبادت کے لئے اس لئے مقرر ہوا کہ اس دن بہت سے پیغمبروں کو خاص نعمتوں سے نوازا گیا۔ حج کے لئے جگہ مقرر قربانی کی تاریخ مقرر۔ ان ہی حکمتوں سے ہوئیں۔ مشکوٰۃ شریف باب صوم النفل میں ہے کہ نبی ﷺ سے کسی نے دو شنبہ کے روزے کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ فیہ ولدت وفیہ انزل علی۔

اس دن ہم پیدا ہوئے اور اس دن قرآن شریف نازل ہوا۔ نیز اسی باب میں ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ منورہ کے یہودیوں سے دریافت فرمایا۔ کہ تم عاشورہ کو روزہ کیوں رکھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس تاریخ کو رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دی تھی۔ کہ اسے غرق کیا تھا۔ اس خوشی میں ہم روزہ رکھتے ہیں۔ فرمایا نحن احق بموسىٰ منکم۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ فصام وامر بصیام۔ خود بھی اس کا روزہ رکھا اور امت کو بھی حکم دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں عرض کیا تھا۔ ربنا انزل علينا مائدة من السماء تكون لنا عيدا لا ولنا واخرنا وایہ منک خدایا ہم پر آسمان سے دسترخوان اتارتا کہ دسترخوان کے اترنے کا دن ہمارے اگلوں پچھلوں کے لئے عید کا دن بن جاوے دیکھو ان تاریخوں اور دنوں کو کسی صلح سے یا کسی اعلیٰ چیز سے نسبت ہو گئی تو تاقیامت یہ تاریخیں کسی خاص عبادت کے لئے مخصوص ہو گئیں۔ لہذا اگر کسی تاریخ میں کسی بزرگ کا وصل ہوا ہو اس تاریخ پر اس کی فاتحہ کرنا یہ سمجھ کر کہ یہ تاریخ ان کے وصل یا رب کی تاریخ ہے۔ تو جائز اور مستحب ہے۔ شامی جلد اول باب زیارة القبور میں ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یأتی قبور الشهداء باحد علی داس کل حول۔ نبی ﷺ ہر سال کے شروع میں شہداء احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے یعنی ان کی شہادت کی تاریخ پر غرضیکہ تقرر اور تعین اگر اس لئے ہو تو بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔

نمبر ۳ کسی دن یا جگہ کو اس لئے مقرر کرنا کہ اسے بتوں یا کفار سے نسبت ہو۔ یہ حرام ہے کہ اس میں بت کی تعظیم ہے مثلاً کوئی کہے کہ مولیٰ اگر میرا یہ کام ہو گیا۔ تو میں دیوالی کے دن خیرات کروں گا۔ یا فلاں مندر پر جا کر صدقہ کر دے گا۔ یہ سمجھتا ہو کہ یہ دن یا یہ جگہ بڑی حبرک ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب النذور میں ہے کہ ایک شخص نے منت مانی کہ میں یوانہ میں لونٹ قربانی کروں گا اور مسئلہ حضور سے دریافت کیا تو سوال فرمایا۔ هل کان فیہا وثن من اوثن الجاهلیۃ یعبد قالوا لا قال فہل کان

فیہا عید من اعیادہم قالو الافعال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوف
بمذکر۔ کیا بوانہ میں کوئی بت تھا جس کی پوجا ہوتی ہو۔ عرض کیا نہیں فرمایا وہاں کفار کا
کوئی میلہ لگتا تھا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو اپنی نذر پوری کر یعنی وہاں جا کر لونٹ ذبح کر۔
پتہ چلا کہ اگر جگہ یا تاریخ کے تقرر کی وجہ بت کی عظمت ہو تو حرام ہے۔
احمد یار خاں مٹھی

فتویٰ نمبر ۹۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ کسی غیر معین عبادت کو
معین کرنا حرام ہے۔ کیونکہ اس میں شریعت پر زیادتی ہے۔ مثلاً ایصال ثواب جب چاہو
کر لو تو جائز ہے۔ لیکن اس کے لئے دن یا تاریخ مقرر کرنا کہ گیارہویں یا بارہویں تاریخ کو
عی کریں گے۔ یہ حرام ہے۔ دلیل یہ دیتا ہے کہ نبی ﷺ نے جمعہ کے روزے سے
منع فرمایا۔ دیکھو مشکوٰۃ باب صوم النفل۔ فقہاء بھی فرماتے ہیں کہ جمعہ کا روزہ مکروہ ہے۔
دیکھو جمعہ افضل دن ہے مگر دیگر ایام سے اس کو خاص کر کے روزہ رکھنا مکروہ قرار دیا گیا۔
اس تعبیر کے لئے سنی جو احادیث یا قرآنی آیات پیش کرتے ہیں۔ اس کے متعلق وہ
کہتے ہیں کہ یہ شارع علیہ السلام کی طرف سے تعبیر ہے۔ تم کیسے تعبیر کر سکتے ہو۔
اس کا جواب کیا ہے۔

الجواب

زید بالکل جاہل اور شرعی احکام سے بے خبر ہے۔ کسی چیز کو بغیر قطعی ممانعت کے
حرام نہیں کہہ سکتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عبادت غیر معین تو جائز ہو اور معین کرتے ہی
اس میں حرمت آجائے۔ کیا تعبیر بھی کوئی زہر ہے۔ جس کے شامل ہو جانے سے

ابھی چیز حرام ہو جاوے ورنہ لازم آئے گا کہ تمام یادگاریں منانا حرام ہو جائیں۔ حالانکہ تمام امت رسول اللہ ﷺ بزرگوں کی یادگاریں تاریخ مقررہ پر کرتی رہی اور کرتی ہے۔ پاکستان بننے کی تاریخ ۱۴ اگست کو خوشی منائی جاتی ہے۔ ۲۵ دسمبر کو جتلی صاحب کا جنم دن منایا جاتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملواہ المومنون حسنا فهو عند الله حسن۔ جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ زید نے صرف دو ہم پیش کئے ہیں۔ ایک یہ کہ تعبین میں شریعت پر زیادتی ہے دوسرے جمعہ کا روزہ منع ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ شریعت میں زیادتی جب کہی جاسکتی تھی۔ جب کسی کا خیال یہ ہوتا کہ اس تاریخ میں یہ عبادت کرنا فرض ہے اور دوسری تاریخوں میں حرام ہے۔ چونکہ فرائض و عمرات نوعاً و ثلثاً مقرر ہو چکے ہیں۔ اس میں زیادتی کی نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی یہ بھی سمجھے تب بھی اس کا یہ خیال غلط ہو گا۔ فاتحہ پھر بھی حلال رہے گی۔ اگر کوئی شخص گائے کا گوشت فرض سمجھ کر کھائے تو وہ گوشت حرام نہ ہو جائے گا۔ ہاں اس کا یہ عقیدہ غلط ہو گا۔ اگر کوئی شخص جمعہ کی اذان کے بعد فروخت کرے تو اگرچہ اس کا یہ کام حرام ہے مگر چیز حلال رہے گی۔ اسی طرح یہ بھی ہے بلکہ زید کا تعبین کو حرام کہنا یہ شریعت میں زیادتی ہے رہا زید کا دوسرا قول کہ حضور علیہ السلام نے جمعہ کے روزے کی ممانعت فرمائی۔ اس کی وجہ تعبین نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں اس کی چار وجہ بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ یہ دن نماز جمعہ و غسل و زیارت قبور کا ہے۔ روزے کی وجہ سے ان کاموں میں دشواری ہوگی۔ اس لئے نہ رکھے جیسے حاجی کے لئے عرفہ کا روزہ مکروہ ہے کیونکہ یہ دن اس کے کام کا دن ہے دوسروں کے لئے مستحب ہے کیونکہ انہیں کوئی کام نہیں نیز حاجی پر نماز عید نہیں کیونکہ وہ دیگر کاموں میں مشغول ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کو یہودی و نصاریٰ سے مشابہت کہ وہ اپنے ہفتہ و اتوار کو روزہ رکھتے ہیں۔ اور دن نہیں رکھتے۔ تیسرے وجوب کے اعتقاد سے یہ روزہ رکھنا مکروہ ہے کہ کوئی اس دن کا واجب

سمجھ کر رکھے۔ چوتھے اس لئے کہ جمعہ کا دن ہفتہ کی عید ہے تو عید کے دن کھاؤ، پیو روزہ کیوں رکھتے ہو۔ چنانچہ دار قطنی کی روایت میں ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جمعہ کا دن عید کا دن ہے۔ اسے روزے کا دن نہ بناؤ۔ اگر جمعہ کا روزہ نعیین اور تخصیص کی وجہ سے مکروہ ہو تو وہ دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ سرکار فرماتے ہیں ﷺ لا یصوم احدکم یوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومہ احدکم (مسلم) تم جمعہ کو روزے سے خاص نہ کرو۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی تاریخ میں روزہ رکھتا ہو اور اس تاریخ کو جمعہ آجائے تو رکھ لے۔ کہئے نعیین کی تو اجازت دے دی گئی کہ کوئی گیارہویں یا بارہویں کے روزے کا عادی ہو اور مقرر کردہ تاریخوں میں جمعہ آجائے تو روزہ رکھ سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ فرماتے ہیں ﷺ لا یصوم احدکم یوم الجمعة الا یصوم قبلہ او یصوم بعدہ متفق علیہ۔ کوئی شخص صرف جمعہ کا روزہ نہ رکھے بلکہ اس کے ساتھ آگے پیچھے ایک دن کا روزہ اور بھی رکھ لے۔ غرضیکہ یا تو اس نعیین سے عقیدے کا تعین مراد ہے۔ یا تشبیہ یہود سے بچنا۔ دو شنبہ کے روزے کی اجازت سرکار ﷺ نے بلا وجہ نہ دی۔ بلکہ وجہ بیان فرمادی کہ چونکہ اس دن ہماری ولادت اور ابتداء وحی ہے۔ لہذا روزہ رکھو۔ اور جن احکام شرعیہ کی وجہ خود شارع علیہ السلام بیان فرمادیں تو وہ احکام ہر اس جگہ پائے جائیں گے۔ جہاں وہ وجہ پائی جائے۔ جیسے حیض میں صحبت حرام ہے کیوں؟ پلیدی کی وجہ سے۔ لہذا نفاس میں بھی حرام ہے۔ لہذا دو شنبہ کا روزہ اس لئے مستحب ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہے۔ تو بارہویں ربیع الاول اور گیارہویں ربیع الثانی کا روزہ بھی اس لئے مستحب ہے کہ یہ دن اللہ کے مقبولوں کی طرف منسوب ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۹۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مصیبت کے موقعہ پر نماز میں قنوت نازل پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھے تو اس سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ بینہ التوجروا۔

الجواب

صحیح یہ ہے کہ قنوت نازلہ مصیبت کے وقت صرف نماز فجر میں بعد رکوع جائز ہے۔ مگر خلاف لوٹی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ نماز کے بعد پڑھی جاوے تا کہ خلاف لوٹی سے بچ جاوے فجر کے قنوت کسی اور نماز میں جائز نہیں۔ اگر کوئی پڑھے گا تو فاسد ہوگی۔ اور اعادہ ضروری ہو گا۔ نبی کریم ﷺ نے صرف چند روز پڑھی۔ پھر ترک فرما دی۔ بعض صحابہ کرام کے نزدیک یہ ترک اس لئے تھا کہ اب ضرورت نہ رہی تھی۔ اور بعض صحابہ کرام کے نزدیک یہ قنوت اس آیت سے منسوخ ہے۔ لیکن لک من الامر شئی۔ انہی صحابہ کرام کے اختلاف کی وجہ سے فقہاء میں سخت اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کے زمانہ میں قنوت پڑھتے تھے۔ لکھنوی شریف صفحہ نمبر ۱۳ میں ہے۔ کان عمر اذا حارب قنت و اذا لم يحارب لم يقنت۔ اسی مقام میں لکھنوی شریف میں ہے۔ انما نصح عنده الدعاء في حال عدم القتال۔ اور صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے ہیں۔ چنانچہ ابومالک رضی اللہ عنہ نے اسے بدعت فرمایا اور فرمایا کہ خلفائے راشدین نہ پڑھتے تھے۔ دیکھو نسائی شریف جلد اول صفحہ ۳۲۔ اسی وجہ سے فقہاء میں بڑا اختلاف رہا۔ احناف کے نزدیک جائز ہے۔ مگر بہتر نہیں چنانچہ لکھنوی شریف میں صفحہ ۱۳۹ میں ہے۔ فنثبت بما ذكرنا انه لا ينبغي القنوت في الفجر في حال حرب ولا غيره قياساً ونظراً على ما ذكرنا من ذلك

وہذا قول ابی حنیفہ و ابی یوسف و محمد۔ مولانا بحر العلوم رسا کل ارکان صنفہ ۲۸ میں فرماتے ہیں۔ وعندنا لیس مشروعاً فی الصلوۃ المكتوبة وهو الاشبه بالصواب۔ تفسیرات احمدیہ طبع کلکتہ صفحہ ۲۵ میں ہے۔ دعا القنوت عندنا انما یجب فی صلوۃ والوتر خاصۃ ولا یعوز فی صلوۃ الفجر اصلاً۔ فتاویٰ عالمگیری کتاب الصلوۃ صفحہ ۲۵ میں ہے۔ ولا یقنت فی غیر الوتر کذا فی المتون شرح سفر السعادة صفحہ ۱۱۱ الملت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ نزد امام ابو حنیفہ قنوت در نماز فجر اصلاً "نیست و قنوت آنحضرت مخصوص بولے بود صلی اللہ علیہ وسلم و در قضایا مخصوص بود بعد ازاں ترک کرد، یعنی امام حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز فجر میں قنوت ہرگز نہیں۔ نہی صلی اللہ علیہ وسلم کا قنوت پڑھنا۔ یہ آپ کی خصوصیات میں سے تھا کہ خاص ضرورت پر پڑھی اور پھر چھوڑ دیا۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز فجر میں قنوت نازلہ کبھی نہ پڑھی جاوے نہ مصیبت میں اور نہ ویسے ہی۔ کیونکہ یہ منسوخ ہے اور بعض حنفی فقہاء فرماتے ہیں کہ مصیبت کے موقع پر فجر میں اب بھی قنوت پڑھ سکتے ہیں۔ چنانچہ رد المحتار جلد اول مطلب قنوت نازلہ میں فرماتے ہیں ان قنوت النازلۃ عندنا مختص بصلوۃ الفجر دون غیرها من الصلوۃ الجہریۃ والسریۃ یعنی ہمارے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر سے خاص ہے۔ اس کے علاوہ کسی نماز میں جائز نہیں۔ نہ جہری میں نہ سری میں۔ لعلوی علی الدر المختار جلد اول صفحہ ۲۸۳ میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت للبلبیۃ فی صلوۃ الفجر۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ فہذا صریح فی تخصیص القنوت للنوازل بالفجر۔ یعنی مصیبت کے موقع پر صرف فجر میں قنوت پڑھی جائے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز میں قنوت نازلہ مصیبت کے موقع پر پڑھنا جائز ہے۔ بہر حال فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ نماز فجر کے بعد پڑھے۔ اور اگر فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھے تو جائز ہے۔ مگر بہتر نہیں، لیکن اور نماز میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہوگی۔ کیونکہ رکوع کے بعد فوراً سجدہ واجب

ہے۔ اگر بقدر لوائے رکن یعنی بقدر ایک تسبیح دیر کی گئی۔ تو واجب کا ترک لازم آیا۔ اور واجب کا ترک اگر بھول سے ہو تو سجدہ سو واجب ہے اگر عہد ۱۴ ہو تو نماز کا ٹوٹنا ضروری ہے مخطوی علی الدر مختار صفحہ ۲۱۱ ہے۔ لواطال قیام الركوع والرفع بین السجدتین اکثر من تسبیعة ساهیا یلزمہ سجود السہو۔ یعنی اگر رکوع کے بعد کا قیام یا سجدوں کے درمیان بیٹھنا ایک تسبیح کی قدر زیادہ کر دیا بھول کر تو سجدہ سو واجب ہے ردالمحتار جلد اول صفحہ ۵۱۹ میں ہے۔ والعمد لا یجبرہ سجود السہو بل تلزم فیہ الاعادة۔ یعنی عہد ۱۴ واجب کے چھوڑنے میں سجدہ سو کافی نہیں بلکہ نماز کا ٹوٹنا واجب ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ بحر الرائق نے شرح نقلیہ کی عبارت بحوالہ علیہ یہ نقل فرمائی قنوت الامام فی صلوة الجہر وهو قول الثوری واحمد یعنی امام جہری نماز میں قنوت پڑھے یہ امام ثوری اور احمد کا قول ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ یہاں کاتب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہر کر دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی بحر الرائق کے حاشیہ منہ الخالق میں بحر کے اس قول کے ماتحت فرماتے ہیں۔ ولعلہ لعرف عن الفجر وقد وجدته بهذا اللفظ فی حواشی مسکین وکذا فی الاشباہ۔ نیز مخطوی علی الدر مختار میں جلد اول صفحہ ۲۸۳ میں ہے۔ والذي یظهر لی ان قوله فی البحر وان نزل المسلمین نازلة قنوت الامام فی صلوة الجہر تعریف من النسخ وصوابہ الفجر۔ مخطوی علی مراقی الفلاح میں صفحہ ۲۲ میں ہے۔ الذی فی البحر عن الشمی فی شرح النقایة معزیا للفاية اذا نزل بالمسلمین نازلة قنوت فی صلوة الفجر وهو قول الثوری واحمد۔ الاشباہ والنظار صفحہ ۵۸۳ میں ہے صرح فی الفایة ومفراہ الثمنی الیہا بانہ اذا نزل بالمسلمین نازلة قنوت الامام فی صلوة الفجر وهو قول الثوری واحمد۔ دلائل واضح سے ثابت ہو گیا کہ صرف نماز فجر میں مصیبت کے وقت قنوت جائز ہے۔ مگر خلاف اولیٰ ہے اور کسی نماز میں جائز نہیں۔ اگر اس کی زیادہ تحقیق

منظور ہو تو حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کے فتویٰ قنوت نازلہ میں مطالعہ کرے۔ یہ فتویٰ وہاں سے ماخوذ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں غنی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں ایسے ہی ریڈیو پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ریڈیو پر نماز پڑھانا دور کے لوگوں کو ناجائز ہے۔ کیونکہ امام اور مقتدی کی جگہ ایک ہونا ضروری ہے۔ اور مقتدی زیادہ ہوں اور صفیں بہت ہوں تو ضروری ہے کہ امام سے لے کر اخیر صف تک صفیں متصل ہوں۔ بیچ میں فاصلہ کثیر نہ ہو۔ اور جب امام کراچی میں ہے اور مقتدی لاہور میں اور وہاں سے اس کی اقتداء کر رہا ہے تو مکان ایک نہ رہا۔ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانے میں چند قباحتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں قرات قدر ضرورت سے زیادہ اونچی آواز سے ہوتی ہے اور یہ مکروہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَلَا تَجْهَرُ بِصَوْتِكَ وَلَا تُنَافِتُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا**۔ نہ نماز میں زیادہ چیخ کر تلاوت کرو۔ نہ بہت ہی آہستہ کہ مقتدی نہ سن سکیں بلکہ درمیانی آواز رکھو اور لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانے میں تلاوت کی آواز بہت دور تک جاتی ہے۔ جو کہ مقتدیوں کی حاجت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ لہذا مکروہ ہے اسی لئے جب مقتدی تھوڑے ہوں تو امام کو زیادہ چیخ کر نماز پڑھانا بلا ضرورت کبر مقبر کرنا یا اگر زیادہ صفیں ہوں تو جہاں تک امام کی تکبیروں کی آواز پہنچ رہی ہو وہاں کبر کھڑا کر دینا یا جہاں پہلے کبر کی آواز پہنچ رہی ہو وہاں دوسرا

کبر کھڑا کرنا یہ سب مکروہ ہے۔

نمبر ۲ دوسرے یہ کہ لاؤڈ سپیکر میں یہ بھی شبہ ہے کہ جو آواز پونٹ سے نکلتی ہے وہ امام کی اپنی آواز نہیں بلکہ صدائے بازگشت ہے۔ جیسے گنبد یا جنگل کی آواز اگر یہ ہے تو اس پر نماز کی حرکتیں کرنا زیادہ برا ہے۔

نمبر ۳ یہ کہ اس میں منت کا ترک ہے۔ یعنی سنت یہ ہے کہ نماز میں کبر کھڑے کئے جاویں اور لاؤڈ سپیکر میں اس کو بند کر کے آلہ استعمال کرتا ہے۔ اور جو شے رافع سنت ہو۔ وہ بدعت سیئہ ہے۔ بہر حال لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانا بہتر نہیں۔ باقی لاؤڈ سپیکر پر اذان خطبہ، وعظ وغیرہ سب بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ نماز میں وہ پابندیاں ہیں جو اور جگہ نہیں۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۵

علمائے دین حسب ذیل مسئلہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی کوئی قوی دلیل ہے؟ بخاری شریف میں ہے۔ لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الكتاب۔ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ حنفیہ کے پاس اس حدیث کے سواء اور کوئی حدیث نہیں کہ من کان لم یقرء الامام قراۃ لم یقر۔ یعنی جس کا امام ہو تو امام کی قرات اس کی قرات ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔ تو چاہیے کہ پہلی حدیث کو ترجیح ہو کیونکہ دوسری حدیث صرف امام اعظم سے مروی ہے۔ اور امام اعظم کو حدیث نہیں آئی تھی۔ اس لئے ان سے روایات بہت کم ہیں۔ نیز اس پر دار قطنی نے جرح کی ہے۔

الجواب

امام کے پیچھے مقتدی کو قراۃ کرنا حنیفوں کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ جس پر قرآن کریم احادیث صحیحہ صحابہ کرام کے اقوال و اعمال گواہ ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ واذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ اس آیت میں تلاوت قرآن کریم کے وقت دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اس وقت خاموش رہنا اور کان لگا کر سننا۔ اور یہ حکم مطلق تلاوت کا ہے۔ لہذا تلاوت امام بھی بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس تلاوت سے مراد صرف جمعہ کا خطبہ ہے۔ وہ درست نہیں کہتے 'چند وجہ سے' ایک یہ کہ آیت یکہ ہے اور خطبہ کی فرضیت منیٰ ہے لہذا اس آیت کے نزول کے وقت خطبہ تھا ہی نہیں دیکھو تفسیر خازن۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ مان لیا جاوے تب بھی یہ حکم خطبہ پر محدود نہ ہو گا۔ بلکہ خطبہ نماز سب کو شامل رہے گا تا کہ عام میں بلا وجہ تخصیص نہ ہو جاوے بلکہ خطبہ اسی لئے اس آیت میں داخل ہے کہ اس میں تلاوت قرآن ہوتی ہے۔ تو نماز بھی اسی وجہ سے اس آیت میں داخل رہے گی۔ تیسرے یہ کہ خطبہ میں تلاوت قرآن سنت ہے۔ فرض نہیں اور نماز میں تلاوت قرآن فرض ہے۔ لہذا بمقابلہ خطبہ کے نماز کا اس آیت میں داخل ہونا قوی تر ہے۔ چوتھے اس لئے کہ آیات میں نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ سے ثابت ہے۔ تو آیت اگرچہ خطبہ کے لئے آئی ہو۔ مگر چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں۔ لہذا نماز کو بھی شامل ہوگی۔ اس آیت کا عموم دیکھ کر علمائے نے حکم دیا کہ خارج نماز بھی تلاوت قرآن کے وقت خاموشی اور سننا فرض کفایہ ہے کیونکہ آیت عام ہے طلباء کی تعلیم کا حکم اس سے خارج ہے کیونکہ وہاں تلاوت نہیں ہوتی تعلیم ہوتی ہے۔ اسی لئے تلاوت کے وقت اعوذ پڑھنا ضروری ہے۔ تعلیم کے وقت منع (شامی) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں نماز میں کلام کرنے سے روکا گیا ہے۔ نہ کہ سورہ فاتحہ سے۔ مگر یہ

بھی غلط ہے کہ نماز میں کلام کرنا اس آیت سے منسوخ ہوا ہے۔ وقوموا للہ قانتین۔ جیسا کہ مسلم باب نسخ الکلام فی الصلوۃ اور بخاری باب العمل فی الصلوۃ میں ہے اسی پر سارے مفسرین کا اتفاق ہے۔ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے بھی آیت کی یہ ہی تفسیر ثابت ہے۔ اور قرآن کی تفسیر جو حدیث کرے۔ وہ دیگر تفاسیر سے قوی ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اس آیت سے نماز میں کلام کرنا منسوخ ہے تو وہ بھی اسی لئے منع ہے کہ اس سے قرآن سننے میں خرابی ہوگی۔ لہذا اس وجہ سے نماز میں قرات بھی منع ہوگی (تفسیرات احمدیہ) کیونکہ سورہ فاتحہ پڑھنے سے قرآن سننے میں فرق پڑے گا۔

احادیث مسلم شریف باب النشہد میں ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے جمع الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبر واو اذا اقرء فانصتوا۔ جب امام قرات کرے تو خاموش رہو۔ کبیری نے ہدایت صحیحہ بشرط یسین حضرت جابر ابن عبد اللہ و عبد اللہ ابن مسعود وغیرہم سے مختلف اسنادوں سے نقل فرمایا کہ قراۃ الامام لہ قراۃ امام کی قرات مقتدی کی قرات ہے اگر اس قسم کی اور بہت سی احادیث مختلف اسناد سے دیکھنا ہوں تو مسوط الامام محمد اور موطای دیکھو اکثر صحابہ کرام کا بھی یہی قول ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ اسے امام کی قرات کافی ہے۔ خود ہی عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرات نہ کرتے تھے۔ قاسم بن محمد انہیں حضرات میں سے ہیں جو امام کے پیچھے قرات نہ کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ نماز میں خاموشی اختیار کرو۔ کیونکہ نماز میں مشغولیت ہے (امام کی قرات سننا) امام کی قرات کافی ہے یہ ہی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرات نہ کرتے تھے۔ حضرت علقمہ بن قیس فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے قرات کرے میں چاہتا ہوں کہ اس کے منہ میں آگ بھردوں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ کاش امام کے پیچھے قرآن پڑھنے والے کے منہ میں انگارا ہوتا۔ حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ جو

امام کے پیچھے قرات کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ تمام روایتیں اور اس کے علاوہ بہت سی روایات مع اسناد موطا امام محمد اور الطحاوی شریف میں ملاحظہ کرو۔ عبد الرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جو امام کے پیچھے قرات کرے وہ غلطی کرتا ہے۔ دیکھو فتح القدیر۔ غرضیکہ صحابہ کرام کے اقوال بے شمار ہیں۔ اسی لئے شاہی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب القرات میں قرائتی و کافی سے نقل فرمایا کہ امام کے پیچھے قرات کرنے کی ممانعت اسی (۸۰) صحابہ کرام سے منقول ہے۔ جن میں علی المرتضیٰ اور عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں اور محدثین نے ان اسی کے نام بھی جمع فرمائے۔ عقل کا بھی تقاضا یہ ہے کہ مقتدی پر قرات واجب نہ ہو چند وجوہ سے ایک یہ کہ نماز میں جیسے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ ویسے ہی سورۃ ملانا بھی ضروری ہے اور سورۃ بلانا تو مقتدی پر لازم نہیں بلکہ اس میں امام کی قرات کافی ہے۔ ایسے ہی سورت فاتحہ میں امام کی قرات کافی ہونی چاہیے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص رکوع میں امام کے ساتھ ملے اس رکعت مل جاتی ہے۔ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہوتی۔ تو رکوع ملنے سے رکعت نہ ملتی۔ جیسے کہ تکبیر تحریمہ باقیام یا رکوع نہ ملنے سے رکعت نہ ملتی۔ اگر کوئی مقتدی رکوع میں شرکت کرتے وقت تکبیر تحریمہ نہ کہے۔ یا سیدھا رکوع میں چلا جائے اور بقدر تکبیر تحریمہ قیام نہ کرے تو رکعت نہیں پاتا۔ معلوم ہوا کہ اس مقتدی کے لئے امام کی قرات کافی ہوگی۔ تو چاہیے کہ دوسرے مقتدیوں کے لئے بھی امام کی قرات کافی ہو۔ تیسرے یہ کہ بادشاہ کے دربار میں شاہی آداب سب بجالاتے ہیں۔ اس کو سلام مجرا سب ہی عرض کرتے ہیں۔ مگر اس سے کلام صرف وفد کا امیر کرتا ہے ہر شخص کا بولنا بے ادبی میں شمار ہے۔ اسی طرح جماعت کی حالت میں مسلمانوں کا وفد رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو نماز کے افعال جو آداب شاہی ہیں سب بجالا دیں۔ سبحان رکوع و سجود کی نسبت بحسب التہیات وغیرہ سب پڑھیں۔ کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرا ہے۔ رہی مخالفوں کی پیش کردہ حدیث یعنی لا صلوة لک جو بخاری نے روایت کی۔ ان جیسی تمام احادیث

میں چند طرح گفتگو ہے ایک یہ کہ یہ حدیث دو طرح قرآن کے خلاف ہے ایک اس طرح کہ قرآن شریف امام کی قرات کے وقت خاموش رہنے اور کان لگا کر سننے کا حکم دے رہا ہے۔ فاستمعوا له وانصتوا اور یہ حدیث اس وقت قراۃ کرنے کا حکم دے رہی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنا نماز میں فرض ہے جس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ مگر قرآن شریف فرماتا ہے کہ قرآن کا جو حصہ بھی آسانی سے پڑھ لیا جائے۔ نماز ادا ہو جائے گی۔ فاقرء واما تيسر من القرآن۔ جس قدر قرآن آسان ہو وہ نماز میں پڑھ لو لہذا اب اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہئیں کہ جس سے قرآن و حدیث میں اتفاق ہو جائے اور مخالفت نہ رہے اور وہ اس طرح کہ لا صلوة کے معنی یہ کئے جاویں کہ نماز بغیر سورۃ فاتحہ کے نہیں ہوتی یعنی کامل نہیں ہوتی۔ یعنی مطلق قراۃ قرآن تو فرض ہو اور سورۃ فاتحہ واجب رہے۔ جیسے دوسری روایت میں ہے۔ کہ لا صلوة لعمار المسجد الا فی المسجد۔ جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز گھر میں نہیں ہوتی۔ یعنی کامل نہیں ہوتی۔ اب فاقرء واما تيسر من القرآن۔ والی آیت اور اس حدیث میں مخالفت نہ رہی دوسرے لم یقرء بفضاعة الكتاب میں قرات حکمی اور حقیقی عام قراۃ مراد ہو یعنی اگر امام قرات کرے اور مقتدی کی بھی قرات حکمی ہو گئی۔ اب اس حدیث پر عمل بھی ہو گیا اور وہ خاموش بھی رہا۔ لہذا قرآن پر بھی عمل ہو گیا۔ دوسرے یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے۔ فاذا قرء فانصتوا لہذا ان دونوں حدیثوں میں اسی طرح اجتماع کر لینا ضروری ہے۔ تا کہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔ تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث مقتدی کے حق میں ظاہر ہے نص نہیں اور ہماری پیش کردہ حدیث فاذا قرء فانصتوا مقتدی کے حق میں نص ہے۔ یعنی مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا بطور ظاہر ضروری ہے اور بطریق نص منع ہے اور جب ظاہر و نص کا تعارض ہو تو نص کو ترجیح ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حدیث مقتدی کے لئے وارد ہوئی ہے۔ چوتھے اس طرح کہ لا صلوة کی حدیث عام مخصوص منہ البعض ہے۔ جس سے

مقتدی نکالا گیا ہے اور منفرد باقی رکھا گیا ہے اور اس کی محض ہماری پیش کردہ احادیث ہیں چوتھے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں لمن لم یقروء کے من سے مراد منفرد ہے اور حدیث اس کے بارے میں ہے جو اکیلے نماز پڑھے۔ اس لئے تفسیرات احمدیہ اور احکام القرآن میں بحوالہ موطا امام مالک کے اس حدیث کو اس طرح نقل فرمایا۔ لا صلوة الا بفاتحة الكتاب والصورة یعنی بغیر سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ کے نماز نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ مقتدی پر دوسری سورۃ پڑھنا واجب نہیں اسی طرح سورۃ فاتحہ پڑھنا بھی واجب نہیں ہے تو جیسے یہ حدیث منفرد کے حق میں ہے۔ ایسے تمہاری پیش کردہ حدیث بھی منفردی کے لئے ہونی چاہیے۔ ہر حال اس حدیث سے تمہارا استدلال غلط ہے کیونکہ اس میں اس قدر احتمالات موجود ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث قراۃ الامام لا قراۃ ضعیف ہے اور ضعیف حدیث سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ہماری پیش کردہ حدیث بہت سی اسناد سے مروی ہے۔ دیکھو للحاوی شریف اور ایک اسناد کے ضعیف ہونے سے متن حدیث ضعیف نہیں ہو جاتا (نجدہ الفکر) اس کی تمام اسنادیں ضعیف نہیں دوسرے یہ کہ اگر حدیث چند اسنادوں سے مروی ہو اور وہ ساری اسنادیں ضعیف ہوں تو زیادتی اسناد کی وجہ سے متن حدیث ضعیف نہیں رہتا۔ بلکہ حسن بن جاتا ہے اور حسن سے دلیل پکڑنا جائز ہے۔ (شامی) تیسرے یہ کہ کسی اسناد میں مجہول جرح حنفیہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ اگر کوئی محدث فرمادیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو اس سے حدیث ضعیف نہیں ہو جاتی۔ جب تک کہ محدث یہ نہ فرمادیں کہ اس اسناد کا فلاں راوی ضعیف ہے اور راوی کے ضعف کی یہ وجہ ہے۔ چوتھے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث امام بخاری و مسلم وغیرہم کو ضعیف ہو کر ملی ہو۔ امام ابو حنیفہ تک صحیح پہنچی تھی۔ چونکہ امام صاحب رحمہ اللہ کا زمانہ حضور ﷺ سے بہت ہی قریب تھا۔ اس لئے اس وقت احادیث کم ضعیف ہوتی تھیں۔ بعد میں اسنادوں میں ضعیف راوی شامل ہوتے گئے۔ اسنادیں ضعیف ہوتی گئیں۔ لہذا بعد کا ضعف امام صاحب کو معز نہیں پانچویں یہ کہ

اگر ضعیف حدیث کو کوئی بڑا محدث یا فقیہ قبول فرمالیں تو وہ حدیث حسن بن جاتی ہے۔
 امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کسی حدیث کو قبول فرمالینا اس کے حسن ہونے کی دلیل ہے۔
 دیکھو اصول حدیث۔ چھٹے یہ کہ اگر یہ حدیث قراءۃ الامام لہ قراءۃ ضعیف بھی ہو۔ تب
 بھی تمہیں مفید نہیں کیونکہ حدیث واذا قرا فانصتوا مسلم کی روایت ہے اور بالکل صحیح
 ہے۔ نیز قرآن شریف سے اس کی تائید ہے۔ بہر حال امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا مکروہ
 ہے اور خاموش رہنا واجب۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں غنی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جہری میں سورہ فاتحہ ختم ہونے پر امام
 اور مقتدیوں کو آمین آہستہ کہنا چاہیے یا بلند آواز سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ بلند آواز
 سے کہنا چاہیے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کہتے تھے۔ روایات میں ہے۔ مدبھا
 صوتہ۔ نیز صحابہ کرام اتنی بلند آواز سے آمین کہتے تھے کہ مسجد میں شور مچ جاتا تھا۔ کیا یہ
 روایات درست ہیں۔ اگر درست تو ان کا جواب کیا ہے۔ بینوا تو جروا۔

الجواب

نماز میں آمین امام و مقتدی دونوں کو آہستہ کہنا چاہیے زور سے آمین کہنا خلاف
 سنت بلکہ مکروہ ہے۔ دلائل یہ ہیں۔

(۱) آمین قرآن شریف کا لفظ نہیں ہے بلکہ دعا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ یا اللہ
 قبول فرما اس پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ آمین دعا ہے۔ اسی لئے اسے قرآن شریف
 میں لکھا نہ گیا۔ نیز ایک موقع پر موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ فرعون

ہلاک ہو جاوے اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔ رب تعالیٰ نے ان دونوں کی دعا کو قبول فرمایا۔ ارشاد ہوا۔ قد اجیبت دعوتکم۔ اللہ نے تم دونوں کو دعائیں قبول کر لیں۔ حضرت ہارون کی دعا کیا تھی۔ یہ ہی آمین۔ معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے اور دعا آہستہ مانگنا چاہیے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ادعوا ربکم تضرعاً خفیہ۔ اپنے رب سے آہستگی اور زاری سے دعا مانگو۔ نیز فرماتا ہے۔ واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوتہ اذا دعا۔ لوگ آپ سے میرے بارے میں جب پوچھیں۔ تو ان سے فرمادو کہ میں قریب ہوں، دعا مانگنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہوں۔ جب وہ دعا کرتے ہیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ دعا مانگنے والے کو چیخنے کی زحمت گوارا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چپکے سے دعا مانگو۔ لہذا آمین بھی چپکے سے کہو۔

(۲) مشکوٰۃ شریف باب القراءة فی الصلوٰۃ میں ہے۔ اذا قال الامام والا الضالین فقولوا امین فانہ من افق قوله قول الملئکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ (بنعاری شریف) جب امام والا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ جس کی آمین فرشتہ کی آمین کے موافق ہوگی۔ اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ جب معاف ہوں گے جب ہماری آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہوگی اور فرشتے تو آمین آہستہ کہتے ہیں جو ہم کو نہیں سنائی دیتی تو ہم کو ابھی آہستہ ہی آمین کہنی چاہیے۔ ورنہ فرشتوں کی مخالفت ہوگی۔ خیال رہے کہ یہاں وقت کی موافقت مراد نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتوں کی آمین کا وقت تو یہی ہے۔ کیفیت میں موافقت مراد ہے یعنی آہستہ ہو۔

(۳) امام احمد ابو داؤد طبرانی اور دار قطنی نے اپنی سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے کہ حضرت وائل ابن حجر نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور ﷺ نے سورہ فاتحہ فرمائی تو آمین کہنا۔ وانخفض بها صوتہ اور آہستہ آواز سے آمین کہا۔

(۴) طبرانی نے تہذیب میں اور الطحاوی نے اور ابن جریر نے اور ابو حفص بن شاہین نے حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز میں نہ تو بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔

(۵) امام محمد رحمہ اللہ نے آثار میں اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ بھی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار چیزوں کو امام آہستہ کہے۔ اعوذ، بسم اللہ، سبحان، آمین۔

(۶) طبرانی نے کبیر میں ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز میں اعوذ، بسم اللہ، آمین بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔

(۷) عینی شرح ہدایہ نے حضرت ابو معمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ، بسم اللہ، آمین اور رننا لک الحمد۔

(۸) یہی حدیث منتخب کنز العمال میں ابراہیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۹) ابو داؤد، ترمذی اور ابن ابی شیبہ نے وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ نے غیر المفضوب علیہم ولا الضالین۔ پڑھا اور آمین فرمایا وخفض بها صوتہ۔ آمین میں اپنی آواز شریف پست رکھی۔

(۱۰) بیہقی نے ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ سیدنا عبداللہ فرماتے ہیں۔

لما چار چیزیں آہستہ کہے بسم اللہ۔ رننا لک الحمد۔ آمین اور اعوذ باللہ۔

(۱۱) دارمی اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب قاری

کہتا ہے ولا الضالین تو آسمان کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں جس کی آمین ان کی آمین کے موافق ہوگی۔ اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ ان احادیث کی پوری تحقیق صحیح البہاری میں ملاحظہ کریں۔

عقلی دلیل

نماز کی ساری دعائیں 'دعائے قنوت' 'دعائے ماثورہ' آہستہ پڑھی جاتی ہیں چونکہ آمین بھی ایک دعا ہے چاہیے کہ یہ بھی آہستہ کی جاوے۔ نیز نماز میں سواء تکبیروں اور تلاوت کے کوئی ذکر بلند آواز سے نہیں کرتے اور آمین بھی ان کے علاوہ ہے۔ چاہیے کہ یہ بھی آہستہ کی جاوے۔ معترض کی پیش کردہ حدیثوں میں چند طرح گفتگو ہے ایک یہ کہ آمین بالجر کے مقابل قرآن کی آیت ہے کہ قرآن دعا آہستہ مانگنے کا حکم دے رہا ہے اور یہ احادیث بلند آواز سے آمین کہنے کا حکم دے رہی ہیں۔ لہذا قرآن کو ترجیح ہونی چاہیے۔

دوسرے یہ کہ جب احادیث کی چھان بین کی جاوے تو آمین بالجر کی احادیث میں صرف واکل بن جبر رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث صحیح ہے۔ جس میں ہے مدبھا صوتہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ بلند آواز سے آمین فرماتے تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ آواز کھینچ کر آمین کے الف اور میم کی مد سے ادا فرماتے تھے۔ کیونکہ اس میں لفظ صوت ہے اور صوت آہستہ و بلند ہر طرح کی آواز کو کہتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ انہی واکل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں صراحۃً "آچکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آمین فرماتے تھے تو یقیناً اس روایت میں بھی صوت سے آہستہ آواز ہی مراد ہونی چاہیے تا کہ ایک راوی کی روایتیں متعارض نہ ہوں۔

چوتھے یہ کہ جن روایتوں میں جر کے الفاظ منقول ہیں اولاً "تو وہ اسلو کے اعتبار سے صحیح نہیں لہذا ان کے راویوں نے روایت بالمعنی کی ہے یعنی مدبھا صوتہ کا جر سے کر دیا ہے اور صوت کے معنی وہ ہیں جو ہم نے عرض کر دیئے۔

پانچویں یہ کہ جب حدیثوں میں تعارض ہو تو قیاس سے حدیث کو ترجیح دی جاتی

ہے۔ یہاں آواز سے آمین کہنے کی حدیثیں قیاس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا اور آہستہ آمین کہنے کی حدیثیں قیاس کے مطابق، لہذا آہستہ کی احادیث کو ترجیح ہے۔

چھٹے یہ کہ آہستہ آمین کی حدیثیں قرآن سے ترجیح پا رہی ہیں۔ لہذا ان پر عمل کرنا بہتر ہے۔

ساتویں یہ کہ ہو سکتا ہے کہ بلند آواز سے آمین کہنے کی حدیثیں منسوخ ہوں اور آہستہ کہنے والی حدیثیں ملخ لہذا یہی قائل عمل ہیں۔ واللہ ورسولہ اعلم۔
احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بزرگان دین دین و وفات کے بعد زندوں کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نہیں کر سکتے۔ بیوا تو جروں۔

الجواب

اللہ کے پیارے بندے اپنی زندگی میں اور بعد وفات کے خلق کی مدد فرماتے ہیں۔ بلکہ ان کے تیرکات اور ان کے نام سے مخلوق کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ اب بھی حضور ﷺ کے نام سے کافر مومن بنتا ہے۔ حضور کے ذریعہ سے رب تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور گناہ بخشتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا۔ اگر یہ مجرم اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آجاویں اور رب سے معافی چاہیں اور اے محبوب تم بھی ان کی شفاعت کرو تو یہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے۔ اس آیت میں زندگی

شریف یا بعد وفات کی قید نہیں ہے۔ ہر وقت حضور کی بارگاہ میں جسمانی یا قلبی حاضری ضروری ہے۔ اسی لئے اب بھی فقہاء فرماتے ہیں۔ کہ روضہ انور پر جو حاضر ہو تو یہ آیت پڑھے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام نے حضور کی معراج کی رات پچاس نمازوں کی پانچ کرا دیں (بخاری و مسلم) حالانکہ حضور کی معراج کے وقت موسیٰ علیہ السلام کو وفات پائے سینکڑوں سال ہو گئے تھے۔ جب بنی اسرائیل قوم جالوت سے لڑنے کے لئے گئے۔ تو رب نے انہیں ایک صندوق عطا فرمایا۔ جسے تابوت سیکڑہ کہا جاتا ہے۔ اس میں کیا تھا۔ قرآن فرماتا ہے۔ **فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ** اس میں موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے تبرکات نعلین شریف امامہ شریف وغیرہ تھا۔ اس کے ذریعہ یہ لوگ دشمن پر فتح پاتے تھے۔ یہ تو وفات یافتہ بزرگان کے تبرکات سے مدد لینا ہے۔ مشکوٰۃ باب الکرامات میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زمانہ میں قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے آپ سے بارش کی دعا کے لئے کہا تو فرمایا کہ **نِي سَيِّدِي مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ** کے روضہ انور کی چھت توڑ دو۔ تا کہ قبر شریف اور آسمان میں آڑ نہ رہے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور فوراً بارش آئی۔ غرضیکہ وفات یافتہ بزرگوں کی مدد کا مسئلہ نہایت ظاہر ہے۔ اس کی تحقیق دیکھنا ہو تو ہماری کتاب رحمت خدا بوسیلہ اولیاء میں دیکھو۔

احمد یار خاں مغلنی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے ملک میں بعض لوگ زمین گروی رکھ دیتے ہیں۔ قرض خواہ زمین کی پیداوار کھاتا رہتا ہے۔ پھر مقروض حسب موقعہ پورا قرض ادا کر کے زمین واپس لے لیتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ خالص سود ہے کیونکہ قرض خواہ اپنا قرض تو پورا وصول کرے گا ہفتی جو منافع زمین کا کھاتا رہا یہ قرض پر زیادہ ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ جس قرض جو منفعاً فہو رہو۔ جو قرض نفع دے وہ سود ہے۔ قرض خواہ جو کسی کی چیز گروی رکھے اس کی آمدنی بالکل نہیں کھا سکتا۔ بلکہ آمدنی بھی لانا "اپنے پاس رکھے گا اور ادائے قرض کے وقت وہ چیز اور یہ آمدنی کا وہیہ سارا واپس کرے گا۔ دیکھو شاہی و عالمگیری۔ اس کے لئے ایسا کرنا چاہیے کہ حاجت مند قرض نہ لے اور زمین گروی نہ کرے بلکہ زمین کی بیع کر دے اور اس کی قیمت لے لے۔ لیکن بیعنامہ رجسٹری ہو جانے کے فوراً بعد خریدار کی طرف سے یہ اقرار نامہ رجسٹری کرا لے کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ جس وقت یہ شخص (بیع) چاہے گا میں اس زمین کو اتنی قیمت میں اس کے ہاتھ فروخت کر دوں گا۔ یہ بیع وفا کی ایک قسم ہے یہ بالکل جائز ہے اور اب جو زمین کی آمدنی یہ شخص کھائے گا وہ حلال ہوگی کیونکہ یہ زمین اس کی اپنی ہو چکی۔ جن فقہاء نے بیع وفا کو ناجائز فرمایا ہے۔ وہ اس صورت میں ہے جبکہ واپسی کی شرط بیع میں داخل ہو۔ کیونکہ بیع بالشرط قاسد ہوتی ہے۔ یہاں واپسی کی پابندی بیع کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ علیحدہ اقرار نامہ ہے جیسے کوئی شخص بیع کی بہار خرید کر بعد میں درخت کرا لے پر لے لے اور بہار کے ختم ہونے تک درختوں سے قاعدہ اٹھائے تو جائز ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۹۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو چاند کا اعلان ریڈیو پر ہو جاتا

ہے یا تار یا خطوط آ جاتے ہیں یا ٹیلیفون پر کسی سے دریافت کر لیتے ہیں یا ریل سے گزرتا ہوا مسافر کہہ جاتا ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔ یا ٹیلیویشن پر اعلان ہو جاوے جس میں بولنے والی کی تصویر بھی سننے والے کے سامنے آ جاتی ہے یا اخبار میں شائع ہو جاتا ہے۔ کیا ان صورتوں میں چاند مان لیا جاوے گا اور اس اعلان پر روزہ یا عید کئے جاسکتے ہیں۔ جواب دلائل سے مزین ہو۔ بیوا تو جروا۔

الجواب

سائل نے جن سات چیزوں کا ذکر کیا چاند میں ان میں سے کسی چیز کا اعتبار نہیں اور ان سے چاند کا ثبوت نہ ہو گا۔ نہ شرعی احکام اس پر مرتب ہوں گے کیونکہ چاند کے ثبوت کے لئے باخبر کی ضرورت ہے یا شرعی گواہی کی۔ اور خبر کی تصدیق شرعی لازم ہے اور گواہی میں وہ تمام شرطیں درکار ہیں جن کی شریعت نے قید لگائی ہے۔ قرآن کریم خبر کے بارے میں فرماتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا۔ اے مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔** معلوم ہوا کہ اگر کوئی سامنے آ کر بھی خبر دے تب بھی تحقیق ضروری ہے۔ ریڈیو، خط، اخبار وغیرہ میں یہ پتہ نہیں لگتا کہ کون خبر دے رہا ہے۔ پھر اس کو کیسے مانا جاوے۔ گواہی کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَأَشْهَدُوا عَلَىٰ عَدُوِّكُمْ۔ اپنے میں سے دو عادلوں صالحوں کو گواہ بناؤ۔** فرماتا ہے۔ **فَإِن لَّمْ يَكُنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّهَادَةِ** اگر دو مرد گواہ نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بناؤ جن کے تقویٰ اور پرہیزگاری سے تم راضی ہو۔ معلوم ہوا کہ گواہی میں عدد کی بھی ضرورت ہے اور تقویٰ کی بھی قید۔ اخبار ریڈیو میں یہ شرطیں کم ہیں لہذا ان کا اعتبار کیسا۔ چونکہ آج کل اس مسئلہ کی بہت ضرورت ہے لہذا ہم کچھ تفصیل داران کی تمام صورتیں عرض کئے دیتے ہیں۔

چاند کی خبر: شعبان کی ۲۹ تاریخ کو اگر مطلع صاف نہ ہو تو ایک ہی شخص کا رمضان کے چاند کی خبر دینا کافی ہے۔ بشرطیکہ وہ شخص بظاہر فاسق و بدکار نہ ہو۔ خواہ عورت کہہ دے یا مرد کہہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ یہ خبر صرف رمضان کے چاند میں قبول ہوگی جبکہ مطلع گرد آلود نہ ہو رمضان کے علاوہ دیگر چاندوں میں گرد و غبار کی صورت میں دو عادلوں کی گواہی درکار ہے اور اگر مطلع صاف ہو تو ہر چاند کے لئے اتنی بڑی جماعت درکار ہے۔ جن کا جھوٹا ہونا عقلاً "مشکل معلوم ہو۔ چنانچہ ملتقی الاہل میں ہے۔ وقب فی ہلال رمضان خبر عدل ولو عبداً لو انشی او معدود فی قذف تاب ولا یشرط لفظ الشہادۃ وفی ہلال الفطر وذی الحجۃ الشہادۃ حرین او حر و حرین بشرط العدالۃ ولفظ الشہادۃ۔ عالمگیری میں ہے۔ ان کان فی السماء علیۃ فشہادۃ الواحد علی ہلال رمضان مقبولۃ اذا کان عدلاً مسلماً عاقلاً بالفاحرا کان او عبداً۔ در مختار میں ہے۔ وقب بلا علیۃ جمع عظیم یقع العلم الشرعی وهو غلبۃ الظن۔

چاند کی شہرت: اس سے بھی چاند ہے۔ اسے فقہ میں خبر مستفیض کہتے ہیں اس خبر مستفیض کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی شہر سے ایک بڑی جماعت مسلمانوں کی آوے اور کہے کہ فلاں شہر میں عام طور پر لوگ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے چاند دیکھ لیا۔ اس سے بھی چاند کا ثبوت ہوگا۔ در مختار میں ہے۔ نعم لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری لزومہم علی الصحیح من المذہب مجمع الانہر میں ہے۔ الصحیح من مذہب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض فی بلدۃ اخری وتعلق یلزمہم حکم تلک البلدۃ۔ اس کو خواہ خبر متواتر کہو یا خبر مشہور کہو قبول ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ ہم سے بیان کرنے والی پوری جماعت ہو۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شہر سے بڑی جماعت آکر کہے فلاں شہر میں وہاں کے حاکم شرع یا فلاں مفتی

نے چاند کی گواہی لے کر عید کا فتویٰ دے دیا۔ یا وہاں فتلاں دن روزہ ہوایا عید ہوگی۔ اس صورت میں بھی چاند کا ثبوت ہو جاوے گا۔ اور اس شر والوں کو بھی ماننا پڑے گا۔ شاہی کتاب الصوم میں ہے۔ قل الرحمتی معنی الاستفاضۃ ان تاتی فی تلک البلدة جماعات متعددون کل منهم ینحبر عن اهل۔ تلک البلدة انهم صاموا عن رؤیت۔ اس صورت میں بھی شرط یہ ہی ہے کہ جماعت کثیرہ ہم سے آکر کے اخبار یا ریڈیو جماعت کثیرہ نہیں۔ غرضیکہ ریڈیو اخبار تار و غیرہ کی خبریں شرعاً قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ ان میں قبول کی شرعی شرطیں موجود نہیں۔

چاند کی گواہی: شریعت میں اس گواہی کی چند شرطیں ہیں۔ کہ اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو گواہی قبول نہیں اول گواہ کا مسلمان ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) بیٹا ہونا (۴) بولنے والا ہونا (۵) عادل یعنی نیک و صالح ہونا (۶) قاضی اور گواہ کا ایک جگہ ہونا (۷) عاقل ہونا (۸) مشہور بہ کو دیکھنا (۹) لفظ اشہد کا بولنا (۱۰) نصاب شہادت کا پورا ہونا۔ ان شرطوں میں سے اگر کوئی شرط نہ پائی جاوے۔ تو گواہی شرعاً معتبر نہیں۔ تہذیب شریف میں ہے۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعوز شہادة خائن ولا غائبة ولا معلود حدا ولا ذی غمر علی اخیه ولا ظنین فی ولاء ولا قرابة ولا القانع مع اهل البیت (مشکوٰۃ باب الشہادۃ) اسی طرح ابوداؤد شریف میں ہے وہاں اتنی اور زیادتی ہے ولا زان ولا زانیۃ (مشکوٰۃ) شاہی باب الشہادت میں ہے گواہی کے شرائط میں فرماتے ہیں۔ فہی الحرۃ والبصر والطلق واعدالۃ وان لا یكون معدوداً فی قذف وان لا یحمر الشاہد الی نفسہ مطلقاً۔ یعنی شرح کنز الدقائق میں ہے۔ شرط لکن ایضاً العدالۃ لانہا ہی المعینۃ الصدق قال اللہ تعالیٰ واشہدوا ذوی عدل منکم وقال اللہ تعالیٰ ممن عرضون من الشہداء والعدل وهو المرضی وہی شرط لزوم العمل للشہادۃ۔ فتاویٰ مالگیری میں ہے۔ امارکنہا فلفظ اشہد بمعنی النحیر دون القسم قدوری میں

ہے۔ فان لم يذكر الشاهد لفظ الشهادة وقال اعلم اوتيقن لم تقبل
شهادته۔ عالمگیری و شامی میں ہے۔ والعدد في الشهادة فيما يطلع عليه
الرجال واتفاق الشاهدين ملخصاً۔

غرضیکہ گواہی میں ان دس شرطوں کی ضرورت ہے اور ریڈیو پر بولنے والا نہ تو گواہی
کا لفظ بولتا ہے اور نہ متقی صلح ہونا اس کا یقینی ہے کیونکہ ہم کو تو دکھائی ہی نہیں دیتا کون
بول رہا ہے۔ نہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے۔ قاضی صاحب پشاور میں ہے۔ اور
ریڈیو والا کراچی میں۔ نہ وہاں گواہی کا نصاب ہے نہ وہ کہتا ہے کہ میں نے چاند خود دیکھا۔
بلکہ صرف خبر دیتا ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔ لہذا ریڈیو کا یہ اعلان ناقابل عمل۔ خبر معتبر
کی شرطیں ہم پہلے عرض کر چکے۔

گواہی کے اقسام : گواہی کی تین قسمیں ہیں۔ ایک اصل واقعہ کی گواہی۔
دوسرے گواہی پر گواہی۔ تیسرے قاضی کے فیصلہ کی گواہی۔ یعنی شہادت علی القضاء۔
واقعہ کی گواہی میں تو وہ شرائط ہیں جو اوپر بیان کی گئیں۔ اور گواہی پر گواہی کی شرط
یہ بھی ہے کہ جب گواہ نے خود تو چاند نہیں دیکھا مگر دو آدمیوں عادلوں نے ان کے سامنے
گواہی دی ہو اور انہیں اپنی گواہی پر گواہ کیا ہو۔ یہ دونوں قاضی کی مجلس میں آکر اس
طرح گواہی دیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں اور فلاں ابن فلاں نے انتیس
تاریخ کا چاند دیکھا۔ اور ہر ایک نے ہمیں اپنی اپنی گواہی پر گواہ بنایا۔ اس سے بھی چاند کا
ثبوت ہو جاوے گا۔ چنانچہ تنویر الابصار میں ہے۔ الشهادة على الشهادة مقبولة
وان كثرت وكيفيتها ان يقول الاصل مخاطب للفرع اشهد على
شهادتي اني اشهد بكذا ويقول الفرع اشهد ان فلانا اشهدني على شهادته
بكذا او قال لي اشهد على شهادتي بذلك (ملخصاً) فتاویٰ عالمگیری میں
ہے۔ وينبغي ان يذكر الفرع اسم الشاهد الاصل واسم ابیه واسم جده حتى
لو ترك ذلك فالقاضي لا يقبل شهادتهما كذا في الذخيرة۔

شہادۃ علی القضاء میں شرط یہ ہے کہ کسی شہر کے مفتی و قاضی کے پاس عادل گواہ آکر یہ گواہی دیں۔ کہ فلاں شہر کے مفتی یا قاضی کے پاس ہماری موجودگی میں دو عادل گواہ آئے اور انہوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ان مفتی صاحب نے ان کی گواہی سے چاند کا حکم فرما دیا۔ اب اس شہر کے مفتی صاحب بھی اس گواہی قضا پر چاند کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔ مجمع الانہر میں ہے۔ قالوا لورای اهل المغرب هلال رمضان يجب برؤيتهم على اهل المشرق اذا ثبت عندهم بطريق يوجب كما لو شهد واعند قاض لم ير اهل بلدة على ان قاضی بلد کذا شهد عنده شاهدان برؤية الهلال في ليلة كذا وقضى القاضي بشهادتهما جاز لهذا القاضي ان يقضى بشهادتهما لان قضاء القاضي حجة وقد شهدا به اور ظاہر ہے کہ ریڈیو میں یہ بھی صورت نہیں ہے۔ وہ محض ایک خبر دیتا ہے کہ اگر یہ ہی دو آدمی یہ کہیں کہ فلاں جگہ کے قاضی کے سامنے گواہیاں گزریں اور قاضی صاحب نے چاند کا حکم دے دیا مگر ہم گواہیوں کے وقت موجود نہ تھے۔ تو یہ گواہی اس دو سرے قاضی یا مفتی کے لئے کافی نہیں اور نہ ہی یہ قاضی چاند کا حکم دے سکتا ہے۔ در مختار میں ہے۔ نعم الشهادة بقضاء القاضي صحيحة وان لم يشهد هما القاضي عليه وقيدہ ابو یوسف بمجلس القضاء وهو الاحوط ذكره فی الخلاصة۔

چاند کی افواہ: اگر شہر میں یہ خبر اڑ گئی کہ چاند ہو گیا۔ مگر جس سے پوچھو وہ یہ ہی کہتا ہے کہ سنا ہے کہ چاند ہو گیا۔ دیکھنے والے کا پتہ نہیں چلتا۔ وہاں کوئی مفتی نہیں ہے یا اگر ہے تو لوگ اس کی بات مانتے نہیں خواہ مخواہ نقارہ یا گولا چلا دیتے ہیں۔ تو اس سے چاند کا ثبوت نہ ہو گا۔ چنانچہ شامی میں ہے۔ مجرد اشيع من غير علم بمن اشاعة فممن هذا لا ينبغي ان يسمع فضلا ان يثبت (ملخصاً)

اخبار، خطوط، ٹیلیفون، تار، ریڈیو وغیرہ: اگر اخبار میں کسی مہینہ کی انتیس ۲۹

تاریخ کے حساب سے تاریخیں پڑھی ہوں۔ یا یہ خبر شائع ہوئی ہو کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔ تو اس سے چاند کا ثبوت نہ ہو گا۔ اولاً ”تو اخباری خبریں بسا اوقات گپ نکلتی ہیں اور اگر یہ خبر درست بھی ہو تو بھی بغیر تحقیق قابل قبول نہیں۔ چنانچہ شامی میں ہے۔ فانہم لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وانما حكموا رؤية غيرهم۔ اسی طرح کہیں سے خط آ جاتا ہے کہ یہاں چاند ہو گیا۔ معتبر نہیں۔ کیونکہ الخط شبه الخط فلم يحصل العلم۔ ایک خط دوسرے خط سے مل جاتا ہے۔ لہذا اس سے علم حاصل نہ ہو گا۔ در مختار میں ہے۔ لا يعمل بالخط الاشباه والنظائر میں ہے لا يعتمد على الخط ولا يعمل به۔ مجمع الانهر شرح ملتقى الابرار میں ہے۔ والخط يشبه الخط۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ الكتاب قد يفتن ويذرو الخط يشبه الخط والنظام يشبه النظام۔ قاضی خاں میں ہے۔ القاضي انما يقضي بالحجة والحجة هي البينة والاقرار۔ اما الصك لا يصلح حجة لانما الخط يشبه الخط۔ غرضیکہ فقہاء کے نزدیک خط ”مہر“ تحریر پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے تار اور ٹیلیفون تو بالکل ہی قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ ان میں نہ بولنے والا سامنے ہوتا ہے نہ اس کی تحریر نہ معلوم کون بول رہا ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ ولو سمع من وراء الحجاب لا يجوز ان يشهد ولو فسر للقاضي لا يقبله لان النفا تشبه النعمة فلم يحصل العلم معلوم ہوا کہ جہاں گواہ پردے کے پیچھے ہو تو گواہی معتبر نہیں۔ کیونکہ ایک آواز دوسری آواز سے بھی مل جاتی ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ ولو سمع من وراء الحجاب لا يسمعه ان يشهد لاحتمال ان يكون غيره اذا النعمة تشبه النعمة۔

ریڈیو: جو خرابیاں اور دشواریاں تار و ٹیلیفون میں ہیں۔ اس سے زیادہ دشواری ریڈیو میں موجود ہے۔ کیونکہ ریڈیو میں بھی خبر نہیں ہوتی کہ بولنے والا کون ہے۔ مسلمان ہے یا کافر، مسلمان ہے تو فاسق ہے یا عادل اور اس نے کس ذریعہ سے یہ خبر حاصل کی۔

اس کے علاوہ تار و ٹیلیفون پر سوال پر جواب بھی کر سکتے ہیں۔ مگر ریڈیو پر کچھ نہیں کر سکتے۔ تار، ٹیلیفون ہر قصبہ و گاؤں میں پہنچ سکتا ہے۔ مگر ریڈیو ہر جگہ نہیں سنا جاتا۔ تار ٹیلیفون ہر جگہ سے دیا جاسکتا ہے مگر ریڈیو کی اطلاع ہر جگہ سے نہیں دی جاسکتی۔

غرضیکہ یہ نئے آلات خبر رسانی میں تو کام آسکتے ہیں۔ مگر شرعی شہادتوں میں معتبر نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے آج پکھڑوں کے مقدمے ریڈیو یا تار ٹیلیفون کی خبروں پر فیصلے نہیں ہوتے۔ بلکہ گواہ پکھڑی میں بلائے جاتے ہیں۔ اور باقاعدہ گواہی لی جاتی ہے۔ پھر فیصلہ ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ جب دنیاوی جھگڑوں کے فیصلے ریڈیو وغیرہ سے نہیں ہوتے تو دینی امور جن میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ وہاں یہ خبریں کیسے معتبر ہو سکتی ہیں۔

ہاں اگر کوئی صحیح العقیدہ سنی عالم حکومت کی طرف سے چاند کی تحقیق پر مقرر ہو تو وہ شرعی گواہی لے کر اپنے آپ یا اپنے کسی وکیل کے ذریعہ ریڈیو پر اپنے فیصلہ کا اعلان کرے کہ میں نے یہ تحقیق کر کے فیصلہ کیا ہے تو شاید معتبر ہو جائے۔ جیسے نقارہ اور گولہ کی آواز سن کر یا شہر کا چراغ دیکھ کر آس پاس کے لوگ چاند مان لیں۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے۔ قلت الظاهر انه يلزم اهل القرى الصوم بسماع المدافع او رؤية القناديل في المصر لانه علامة ظاهرة تفيد عليه الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذالك لغیر رمضان بعد اذ لا يفسد من ذالك عادة في ليلة الشك الا لثبوت رمضان۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ اب تک حکومت کی طرف سے نہ اس چیز کا اہتمام ہوا ہے اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے۔ اور اگر اہتمام کر بھی لیا گیا تو یہ صورت باقی نہ رہے گی۔ وہاں عالم کبھی مرزا کی مقرر ہو گا۔ کبھی وہابی، کبھی چکڑالوی، پھر وہ عالم نہ معلوم کس طرح گواہی لے اور کس کی گواہی لے کر اعلان کرائے لہذا ریڈیو سے اعلان کا کوئی اعتبار نہیں۔

نوٹ ضروری: نہ معلوم موجود مسلمانوں کو چاند کا اتنا شوق کیوں پیدا ہو گیا ہے ہم کو شریعت نے اس کا مکلف نہیں کیا کہ ایسی مصیبتیں اٹھا کر خواہ مخواہ چاند مانیں اور

عید و رمضان منائیں۔ ہم کو تو ہمارے آقا و مولیٰ حضور مصطفیٰ ﷺ نے نہایت آسان حکم دیا کہ ان علم علیکم فاعملوا العدة ثلاثین۔ اگر چاند مشتبہ ہو جاوے تو تیس دن کی گنتی پوری کر لو۔ اس گنتی پوری کرنے میں نہ کچھ شک ہے نہ مصیبت لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے موقعہ پر رمضان کے تیس دن پورے کر لیا کریں۔

خاتمہ: بعض لوگ جنتی کا پڑا اعتبار کرتے ہیں اور بعض لوگ چاند کو چھوٹا پڑا دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ چاند کل کا ہے یہ دونوں چیزیں غیر معتبر ہیں۔ چاند کا ثبوت جنتی سے نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے روایت ضروری ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ وہل یرجع الی قول ابن النخیرۃ المدول ممن یعرف علم النجوم الصحیح انه لا یقبل۔ غلطی میں ہے۔ و قوله لیس بموجب شرعاً فطراً ولا صوماً۔ قر الضاح میں ہے۔ و قول ابن التوقیت لیس بموجب۔ بمعنی الانہر شرح ملتقى الايجاز میں ہے۔ لا یلتفت الی قول المنعمین۔ شامی میں ہے۔ لا یعتبر قولہم بالاجماع ولا یجوز للمنع من ان یعمل بحساب نفسہ۔ در مختار میں ہے۔ لا عبرۃ لقول الموقتین ولو عدواً علی المذهب اسی طرح چاند پڑا ہونے کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ من اقترب الصاعۃ انتفاخ الاحلۃ (طبرانی) اسی طبرانی میں ہدایت انس رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ من اقترب الصاعۃ ان یری الهلال لیلۃ فیقال للیلۃین۔ یعنی قرب قیامت کی علامات سے چاند کا پڑا ہو جاتا ہے کہ ایک رات کے چاند کو کہا جاوے گا کہ یہ دو راتوں کا ہے۔ بہر حال سوا روایت! گوئی یا خبر شائع کے اور کسی چیز سے چاند کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

واللہ ورسولہ اعلم وعلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد

والہ اصحاب اجمعین

احمد یار خاں علی

